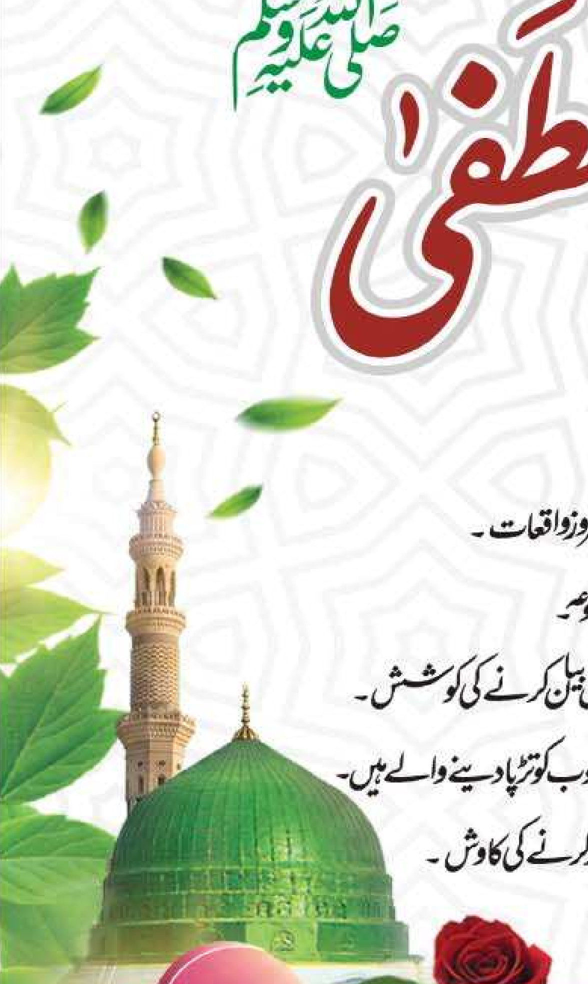
اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (بخاری)

ترجمہ: آدمی (قیامت کے دن) اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبّت کرتا ہوگا)

اَسیرانِ جمالِ مُصْطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم



خصوصیات

- عشقِ صحابہؓ کا جامع تذکرہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی والہانہ محبت اور وارفتگی کے ایمان افروز واقعات۔
- مستند علمی مآخذ: احادیثِ مبارکہ اور معتبر کتبِ سیرت کے مستند حوالہ جات سے مزین مجموعہ۔
- ادبی و رقت آمیز اسلوب: عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نازک موضوع کو نہایت دلنشین اور موثر ادبی پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش۔
- تذکرہ حسن و جمال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپائے اقدس اور حلیہ مبارک کے ان پہلوؤں کا ذکر جو قلوب کو تڑپا دینے والے ہیں۔
- اصلاحِ عقیدہ و محبت: محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تزکیہ نفس اور اتباعِ سنت کا عملی شعور بیدار کرنے کی کاوش۔

مؤلف

مُفتی صَابر محمُود صَاحب

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی، مدرس ورفیق دارالافتاء جامعہ انوارالعلوم، ملیر، کراچی

دارالکتب العلمیۃ

سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست

پیش لفظ	17
باب اول: آئینۂ جمال اور شیدائیانِ رخِ انور	20
حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: وہ پروردۂ نبوت جن کی آنکھوں نے حسن کو بولتے دیکھا	22
سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: جمالِ نبوی کے مدینۃ العلم	27
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: خادمِ درِ رسول اور شیدائے رخِ تابناک	29
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ: خوشبوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین اور خادمِ باوفا	31
سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ: حسنِ یار کے سچے قدردان	33
سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا کی روایت: حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے مثال نقشہ	35
باب دوم: الفت واطاعت کے قرینے سرِ تسلیمِ خم اور اشارۂ ابرو پر فداکاری	37
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گواہی: محبت کا پیمانہ	37
حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مکمل نظامِ زندگی:	38
آیئے! دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بے قراری کی چند ایمان افروز جھلکیاں دیکھیں	39
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ: پسینہ مبارک اور موتیوں کی چمک	39

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جب کائنات کی ہر مصیبت ہیچ ہوگئی	44
وہ بشارت جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہال کر دیا	46
دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: وہ غذا جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھوک اور پیاس سے بے نیاز کر دیا	48
جمالِ یار میں گمشدگی: جب نظریں اٹھیں تو پلک جھپکنا بھول گئیں	49
حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ: وہ زلفیں جنہیں دستِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھولیا	51
جلوۂ جانِ جہاں اور بے خودیِ صحابہ رضی اللہ عنہم	52
پہلا خطیبِ اسلام اور عشق کی آزمائش	55
آرزوؤں کی تکمیل اور بارگاہِ نبوی میں مقام	58
فقرِ صدیق اور ربّ کا سلام	59
جدائی کے لمحے اور ماہیِ بے آب کی تڑپ:	60
وصالِ صدیق: ہجرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدمہ:	60
ادب کی انتہا اور محبت کا تبسم	61
اتباعِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسکراہِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ	63
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ: وہ عظیم سخی جن پر جنت واجب ہوگئی	65
محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھوک اور بے قرارِ علی رضی اللہ عنہ	67
عشقِ حیدر رضی اللہ عنہ اور سورج کا امتحان	68

بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور مدینہ کا وہ کہرام	71
بیت المقدس کی فتح اور عزت کا ابدی معیار: جہاں شاہی غلامی کے قدم چومتی ہے	74
حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ: وہ جن کے "عشق" کی گواہی خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی	79
حضرت عبداللہ ذو البجادین: وہ خوش نصیب جنہیں خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر میں اتارا	80
جسمِ اطہر کا بوسہ اور آخری تمنا: حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کا انوکھا اندازِ محبت	82
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت سے مقدم رکھنا	84
فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا عشقِ صادق: جب خطاب کے بیٹے نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی کو اپنا لیا	86
عشقِ علی رضی اللہ عنہ اور نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جب عقل ہار گئی اور عشق جیت گیا	89
شبِ ہجرت: موت کی آغوش میں محبت کی نیند	91
عشقِ علی رضی اللہ عنہ اور شفاِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جب محبوب کا لعاب امرت بن گیا	93
تڑپِ علی رضی اللہ عنہ اور تسلیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جدائی کا وہ کرب جو اعزاز بن گیا	95

دیدارِ یار اور رخصتِ جاں: ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا روضہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وصال	97
سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا: حریمِ نبوت کی وہ ڈھال جس پر فرشتے بھی ناز کرتے ہیں	99
عشقِ صادق کا پیکر: جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہرا دیا	101
سودا ِمحبت: سیدنا ابو الدحداح رضی اللہ عنہ اور جنت کے نخلستان	103
محبوب ترین شے کی قربانی: سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور "بَیرُ حَاء" کا سودا	106
نصف صاع کا نذرانہ: سیدنا ابو عقیل رضی اللہ عنہ اور فدائیت کی معراج	108
معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما: دو ننھے شکاری اور ابو جہل کا غرور	111
سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ: عشق کی پہلی تلوار	113
جستجوئے حق سے وصالِ یار تک: سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور وہ سفرِ عشق جس کی منزل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے	115
میزبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اضطراب: جب عشق نے سردی اور سختی کو مات دے دی	117
پاسبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور رات بھر کی پہرے داری	119

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ: مرضیِ مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پاسداریِ نسبت کے چند درخشندہ نمونے	121
سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی عقیدت: میدانِ بدر میں "عریشِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی تعمیر	125
راحتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہرہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوقِ ادب اور جنازہ کے احکام	126
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور تعظیم:	128
عدل کے بہانے عشق کی جیت: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا والہانہ انداز	131
نشانِ منزل کی تلاش: اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے مثال تسلسل	133
عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا معیار: اتباعِ مرتضوی کی روشنی	135
محبت کا انوکھا انداز: سونے کی انگوٹھی پھینک دی:	137
جہاں بادشاہوں کے سر جھکتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے مثال وارفتگی	138
صدیقِ اکبر کی استقامت: جب دین کی حفاظت کے لیے تنہا پہاڑ بن گئے	140
محبت کا امتحان: جس چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھینکا اسے میں نہیں اٹھاؤں گا	142
جب عشق پکارا: آقا! آپ حکم دیں تو ہم سمندروں کا سینہ چاک کر دیں"	143

نقشِ قدم کی جستجو: ”میں وہی کرتا ہوں جو میرے محبوب ﷺ نے کیا“:	146
جب عرش والے کی قسم نے فضا کو رلا دیا: ”خوشخبری ان کے لیے جو گناہوں سے بچ گئے“	147
حکمِ نبوی ﷺ اور جاں نثاری: ”جب تک وہاں نہ پہنچو، نماز نہ پڑھنا“	149
عقل قربانِ رسول ﷺ: ”اے پتھر! میں تو بس اپنے آقا ﷺ کی ادا دہرا رہا ہوں“	151
نقشِ قدم کی پیروی: ”جہاں میرے آقا ﷺ مڑے، وہیں میرا راستہ ہے“	152
یادِ مصطفیٰ ﷺ کا سایہ: ”جہاں میرے آقا ﷺ سوئے، وہیں مجھے سکون آئے گا“	154
ادھوری کٹی آستین:	157
عہد کی پاسداری اور عشقِ رسول ﷺ: ”منصوبے مٹ سکتے ہیں، مگر فرمانِ نبی ﷺ نہیں“	158
مکہ کی وہ شام اور عشق کا امتحان	160
قیصرِ روم کا دربار اور صحابیِ رسول ﷺ۔	162
عشق کی انتہا: ”محبوب کا پیارا، میرا بھی پیارا“	164
ادائے محبوب کی نقالی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا والہانہ انداز	166

محبت کی پکار: "لبیک یارسول اللہ ﷺ!"	169
خون کے آنسو اور رحمتِ عالم ﷺ کی دعا	171
ماں کی قدر اور نبی ﷺ کا مقام۔	173
پسندِ رسول ﷺ پر اپنی پسند کی قربانی: ایک تاریخی منظر	174
ناپسندِ رسول ﷺ اور فاروقی غیرت: ایک بے مثال قربانی	176
عشق کی دیوانگی: جہاں قدم تھم گئے!	178
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ	180
مکہ کے سردار اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی پنڈلی تک اونچی قمیض	182
جب عشقِ رسول ﷺ لہو بن کر رگوں میں دوڑتا ہے!	184
عشق کا جنون: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:	185
عظمتِ مصطفیٰ ﷺ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اضطراب	188
جب عشقِ الٰہی میں دو عظیم ہستیاں آمنے سامنے ہوئیں!	190
عشقِ عثمان رضی اللہ عنہ: جب غلامی معراج بن گئی	191
انتخابِ رسول ﷺ پر فداکاری: عشق واطاعت کا بے مثال نمونہ	192
جب فیصلہ بارگاہِ نبوت ﷺ سے ہوا: فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کی بے مثال تسلیم ورضا	194
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت	195
عشق واطاعت کا بے مثال نمونہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہانڈی	196

عشقِ عثمان رضی اللہ عنہ: کعبہ سامنے تھا مگر نظریں جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیاسی تھیں	199
جبری غلامی سے مرضی کی اسیری تک: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	200
یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلوار کسی عورت کے خون سے نہیں رنگ سکتی:	203
اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے معمولی تکلیف بھی گوارا نہیں!	206
پیکرِ تسلیم و رضا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو ہم حاضر ہیں!	209
اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نصرتِ نبوی پر بیعتِ جاں نثاری	213
وفا کے پیکر اور اسیرِ عشق: سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ	216
عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور غیرتِ ایمانی: حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ	217
عشق کی گواہی: سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ	220
پاسبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	222
دو کمبلوں والا اسیرِ جمال: حضرت ذُوالبجادَین رضی اللہ عنہ	224
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ قبولِ اسلام اور جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اثر	226
باب سوم: آزمائشِ عشق:	232
اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صبر و استقامت کے کوہِ گراں۔	232

معیارِ عشق: جب رشتوں پر "جمالِ نبوی ﷺ" کی غیرت غالب آ گئی	233
ناموسِ رسالت ﷺ پہ جان نچھاور کرنے والے 1200 جاں نثار۔	235
عرشِ الٰہی کا ارتعاش: سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور وہ جنازہ جس پر قدسی جھوم اٹھے	246
نزع میں بھی پاسبانِ مصطفیٰ ﷺ: حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ	248
سپہرِ مصطفیٰ ﷺ: حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	250
اے سعد! تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں	252
پیکرِ شجاعت و فداکاری: حضرت اُمّ عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا	255
حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ: غزوۂ احد کے "زندہ شہید" اور محافظِ رسول ﷺ	258
جب ممتا پر عشقِ مصطفیٰ ﷺ غالب آ گیا: ایک عظیم صحابیہ رضی اللہ عنہا کا ایثار	262
حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ: عشقِ رسول ﷺ کا لازوال شاہکار	265
شوقِ شہادت کا کم سن مسافر: داستانِ حضرت عُمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	267
بیعتِ جاں نثاری: عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کا "موت" پر سودا	269
داستانِ عزیمت: فاتحِ قادسیہ کا دربارِ رستم میں جرات مندانہ خطاب	271
مکہ کا شہزادہ، مدینہ کا سفیر: سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	274

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا جذبۂ ایمانی	278
تمنائے شہادت اور قبولیتِ دعا: حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	280
عہدِ وفا کی تکمیل: حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور شوقِ شہادت	282
جنت کے مسافر: حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ اور شوقِ شہادت کا انوکھا مقابلہ	284
غسیل الملائکہ: حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور عشق کی والہانہ تڑپ	286
حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ: استقامت کا ہمالہ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکر	288
خاندانِ یاسر رضی اللہ عنہم کا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اذیتیں سہنا	290
عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکرِ استقامت: حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ	295
راہ وفا کی راہی حضرت سُمَیّہ رضی اللہ عنہا (ام عمار)	299
قیصرِ روم کے دربار میں عشقِ صادق کا امتحان: پیکرِ جرات حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	301
پہلے شہیدِ ختمِ نبوت: حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ- عشقِ صادق کا لہو رنگ عنوان	303
نازونعم سے فقرِ اختیاری تک: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی داستانِ عشق	310

باب چہارم: حصولِ برکت اور تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عشق	313
تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حصولِ برکت	314
تبوک کا تپتا ریگستان اور چشمہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیاباری	317
خدامِ مدینہ کی صبح اور دستِ مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت	320
وضو کا بچا ہوا پانی اور محبت کا اعتراف	321
جعرانہ کا مقام: تبرکِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر شناس ہستیاں	322
پس خوردہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اسیرانِ جمال کی بیش بہا دولت	324
پسینہِ مبارک: کائنات کی خوشبوؤں کا منبع	327
سیف اللہ کی ٹوپی اور موئے مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجاز	331
سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی وصیت اور موئے مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت	333
ردائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبر کی تنہائی کے لیے اسیرِ جمال کی تڑپ	335
محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبّہ مبارک اور شفائے باطنی وظاہری	337
حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک اور دستِ شفقت کا دائمی فیضان	338
لکڑی کا تلوار بننا: دستِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجاز	339
توشہ دانِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دستِ اقدس کی لازوال برکت	342
نقشِ پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جہاں پتھر موم ہوئے اور تقدیریں بدل گئیں	344
باب پنجم: وصالِ جاوید اور سوزِ ہجر کا آغاز	348
آخری خطبہ اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے آنسو: جدائی کے سائے	348

350	سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کا گریہ اور تبسم: ہجر و وصال کا انوکھا سنگم
352	سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا گریہ اور ہجر کی پہلی دستک
353	وصال کا کھٹکا اور اسیرانِ جمال کی اشکباری
355	سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا کی بے قراری اور اندیشہِ مستقبل
356	جنت میں ہجر کا خوف اور وصالِ ابدی کی تڑپ
360	الوداعی کلمات: محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت اور غلاموں کا اضطراب
363	سوزِ ہجر اور فراقِ یار: (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت)
370	وہ رقت آمیز منظر: جب سورج چھپنے والا تھا
372	آسمانی رابطے کا انقطاع اور اسیرانِ جمال کی تڑپ
374	فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بے قراری اور پیرِ زال کا نوحہ
376	ترانہِ عشق اور مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے قراری
379	باب ششم: عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تسخیرِ کائنات
379	معرکہِ یرموک: جب فقرِ مومن نے قیصر کے غرور کو خاک کر دیا
392	سلطانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانروائی: جب درندے بھی سجدہ گزار ہوئے
395	سلطانِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی: جب درندے پاسبان بن گئے

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا شیر کو تھپڑ مار کر راستے سے ہٹانا	397
حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کو شیر کا پیغام دینا	399
نبوت کی گواہی: جب صحرا کے درندے نے "سلطانِ یثرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا پتہ بتایا	401
یقینِ کامل کی کرامت: سمندر کی لہروں سے سوئی کی واپسی	403
صاحبزادگانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آسمانی روشنی	404
حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اور نوری ٹہنی	404
لاٹھیوں سے پھوٹتا نور: اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ	405
حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کی روشن انگلیاں	405
سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ: حسنِ سلوک اور روشنی	406
بادلوں کی ردا اور عشاق کا اخفائے راز	407
غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات اور کائنات کی اطاعت	408
بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی: کائنات پر حکمرانی اور برکاتِ الٰہیہ	410
دستِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور مہکتا بدن	413
رحمتِ عالم کی زبان اور شفائے کاملہ	415
لعابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور جلے ہوئے بازو کی شفا	417
عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تسخیرِ کائنات	419
کائنات پر حکمرانی: غلامیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثمر	420

سمندر کی لہروں پر عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش قدمی	423
فاتحِ مدائن کی کرامت اور دجلہ کی بپھری لہروں کا تسخیر ہونا	425
حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا ایمان پرور واقعہ	429
عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جہاں شعلے بھی راستہ دیتے ہیں	431
غیبی نصرت: ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ اور پکارِ یا ارحم الراحمین	432
باب ہفتم: ابدی بہار: غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مٹی کی امانت داری	434
سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد: چالیس سال بعد بھی تر و تازہ میت	435
شہید کی مٹی پر حکمرانی: چالیس سال بعد بھی اجسامِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تر و تازگی	437
سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ: تیس سال بعد مشک و عنبر کا ظہور	439
شہدائے احد کی ابدی نیند: چھیالیس سال بعد بھی رستا ہوا لہو	440
سیدالشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ: چالیس سال بعد رستا ہوا تازہ خون	442
خوشبوئے لحد: سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے مشک کا ظہور	443
معراجِ شہادت: سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور فرشتوں کا جنازہ	445
عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فنا ہونے والوں کی شانِ بے نیازی	448
حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ: قبر کا نور بن جانا	450
حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ: "حمیُّ الدبر" (بھڑوں کے ذریعے حفاظت)	451

معراجِ عشق: جب قربانی اپنی آخری حد کو چھولے	454
کربلا کا معرکہ: جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسیروں کی داستانِ وفا	454
قارئینِ کرام کے نام	465
خاتمۃ الکتاب: اعزازِ ربانی صاحبِ جمال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسیروں کی قرآنی سند	468
آخری پیغام: رفعتِ دوعالم یا ذلتِ ابدی؟؟	472

انتساب

سیدِ عالم، فخرِ بنی آدم، جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام

جن کے حسنِ بے مثال نے کائنات کو جِلا بخشی اور جن کی دید کی پیاس نے روحوں کو اسیرِ جمال کر دیا۔۔۔

اور

جماعتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام

جنہوں نے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آبرو رکھی، جن کے سینے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدفن بنے اور جن کی زندگیوں نے رہتی دنیا تک جاں نثاری کے انمٹ نقوش ثبت کر دیے۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

عشقِ مصطفیٰ ﷺ وہ آتشِ زیرِ پا ہے جو جس دل میں سلگ جائے، اسے کندن بنا دیتی ہے۔ تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ کائنات میں بہت سے رہبر آئے، بہت سے مصلحین نے جنم لیا اور بہت سے حسینوں کے تذکرے ہوئے، لیکن جو وارفتگی، جو خود فراموشی اور جو بے مثال سپردگی محمد عربی ﷺ کے غلاموں کے حصے میں آئی، اس کی نظیر چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھی۔

زیرِ نظر کتاب "**اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ** ﷺ" محض چند تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ان جلے ہوئے دلوں کی دھڑکنیں ہیں جنہوں نے نبوت کے آفتاب کو اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتے دیکھا۔ یہ ان "**پروانوں**" کی داستان ہے جو شمعِ رسالت کے گرد اس طرح رقص کناں ہوئے کہ پھر انہیں اپنی جان، مال، اولاد اور انا کی خبر نہ رہی۔

اس تالیف کو میں نے چند کلیدی ابواب میں تقسیم کیا ہے تاکہ قاری قدم بہ قدم عشق کے ان مقامات کو سمجھ سکے:

کتاب کا لبِ لباب: کتاب کو سات مختلف ابواب اور ایک جامع خاتمے پر تقسیم کیا گیا ہے تاکہ قاری مرحلہ وار عشق کے ان مقامات سے آشنا ہو سکے:

آئینۂ جمال:

پہلے باب میں اس حسنِ بے مثال کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں جسے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی خودی بھول جایا کرتے تھے۔

الفت واطاعت:

دوسرے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عشق محض دعویٰ نہیں بلکہ اس کا ظہور اتباع اور اشارہِ ابرو پر فدا ہو جانے میں ہے۔

آزمائشِ عشق:

جب عشق صادق ہو تو آزمائشیں بھی آتی ہیں، یہ باب ان جگر آزما لمحات کا احاطہ کرتا ہے جہاں سر کٹ گئے مگر قدم پیچھے نہ ہٹے۔

تبرکات وبرکت:

حصولِ برکت اور تبرکاتِ نبوی ﷺ سے والہانہ لگاؤ اس والہیت کا مظہر ہے جو عاشق کو محبوب کی ہر شے سے ہوتی ہے۔

سوزِ ہجر:

وصالِ جاوید کے بعد ہجر کی جو آگ لگی، اس نے کیسے جگر فگار کیے، اس کا تذکرہ روح فرسا بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

تسخیرِ کائنات وابدی بہار:

آخری ابواب اس حقیقت کو منکشف کرتے ہیں کہ جو مصطفیٰ ﷺ کا ہو گیا، کائنات اس کی ہو گئی اور مٹی بھی ان کے جسموں کی امانت دار بن گئی۔

اس کتاب کا مقصد محض معلومات کی فراہمی نہیں، بلکہ آج کے اس مادی دور میں،

جہاں دلوں پر غفلت کے پردے پڑ چکے ہیں، پھر سے اس "عشقِ صادق" کی تڑپ پیدا کرنا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اگر اس کتاب کے مطالعے سے کسی ایک دل میں بھی اتباعِ سنت کا جذبہ اور دربارِ رسالت کی تڑپ پیدا ہوگئی، تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ ادنیٰ سی کاوش بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امتِ مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ اور میرے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

خادمِ نعلینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مفتی صابر محمود عفی اللہ عنہ
فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی
استاذ الحدیث جامع انوار العلوم شاد باغ ملیر کراچی

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی چشمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

باب اول

آئینۂ جمال اور شیدائیانِ رخِ انور

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حافظے میں محفوظ حلیہِ مبارک اور تذکرہِ حسن و جمال کا بیان)

عشق جب اپنی انتہا کو چھوتا ہے تو محب کی آنکھیں محبوب کے سراپے کو محض دیکھتی نہیں بلکہ اسے روح کی گہرائیوں میں اتار لیتی ہیں۔ تاریخِ انسانی میں اگر کہیں "**کمالِ مشاہدہ**" اور "**وفورِ محبت**" کا حسین سنگم دیکھنا ہو، تو وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظریں ہیں جو جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طواف کرتی تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات محض ایک رہبر کی نہیں تھی، بلکہ وہ ان کی زندگی کا کل اثاثہ، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا قرار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارک کا تذکرہ کرتے ہیں، تو ان کے الفاظ سے عقیدت کی خوشبو اور عشق کی تڑپ نمایاں ہوتی ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپے کو کسی فلسفی کی طرح نہیں، بلکہ ایک سچے عاشق کی طرح یاد رکھا۔

کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو "**چودھویں کا چاند**" کہا، تو کسی کو وہ "**طلوع ہوتا ہوا سورج**" نظر آیا۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے کو "**موتیوں کی لڑی**" سے تشبیہ دی، تو کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کو "**پھولوں کی جھڑی**" قرار دیا۔ یہ محض تشبیہات نہیں تھیں، بلکہ ان اسیرانِ جمال کی تڑپ تھی جنہوں نے اپنے محبوب کے نقشِ قدم سے لے کر سرِ انور کے

ایک ایک بال تک کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا تھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہوں یا امِ معبد (عاتکہ بنت خالد بنت خالد) (وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان سب کے بیانات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صرف دیکھا نہیں تھا بلکہ پی لیا تھا۔ ان کا من وعن حلیہ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محفلِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس طرح بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، مگر ان کی روحیں جمالِ یار کے مشاہدے میں مستغرق رہتی تھیں۔

زیرِ نظر باب ان خوش نصیبوں کے تذکرے پر مشتمل ہے جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے سیرت کے صفحات پر محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ نقشہ کھینچا، جس کی بدولت آج چودہ سو سال بعد بھی امت اپنی آنکھیں بند کرے تو اسے سبز گنبد کے سائے میں "شمس الضحیٰ" کا چہرہ جگمگاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

❁❁❁

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ

وہ پروردہِ نبوت جن کی آنکھوں نے حسن کو بولتے دیکھا

عشق جب اپنی انتہا کو چھوتا ہے تو محب کی آنکھیں محبوب کے سراپے کو محض دیکھتی نہیں بلکہ اسے روح کی گہرائیوں میں اتار لیتی ہیں۔ تاریخِ انسانی میں اگر کہیں "**کمالِ مشاہدہ**" اور "**وفورِ محبت**" کا حسین سنگم دیکھنا ہو، تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظریں ہیں جو جمالِ محمدی ﷺ کا طواف کرتی تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات محض ایک رہبر کی نہیں تھی، بلکہ وہ ان کی زندگی کا کل اثاثہ، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا قرار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا تذکرہ کرتے ہیں، تو ان کے الفاظ سے عقیدت کی خوشبو اور عشق کی تڑپ نمایاں ہوتی ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے سراپے کو کسی فلسفی کی طرح نہیں، بلکہ ایک سچے عاشق کی طرح یاد رکھا۔ ان خوش نصیبوں میں سے ایک نمایاں نام حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا ہے، جنہوں نے نبوت کے آغوش میں پرورش پائی اور محبوب ﷺ کے حسن کو اپنی آنکھوں میں بسا لیا۔

نواسہ رسول ﷺ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا شوقِ جستجو اس عظیم روایت کے پس منظر میں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وہ والہانہ شوق چھپا ہے جو ہر عاشقِ صادق کا خاصہ ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا، وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں

تا کہ میں ان کے بیان کو اپنے لیے حجت اور سند بناؤں، اور ان اوصاف کو ذہن نشین کر کے جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔"

"حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر وصالِ نبوی ﷺ کے وقت محض سات برس تھی، اس لیے کم سنی کی وجہ سے وہ تمام اوصاف کمالِ استحضار کے ساتھ محفوظ نہ کر پائے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے ماموں جان سے رجوع کیا تا کہ کائنات کی سب سے جمیل ہستی کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر سے جی اٹھے۔

ماموں جان (حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ) نے جب اپنے بھانجے کی تڑپ دیکھی تو محبت میں ڈوب کر فرمایا کہ:

آپ ﷺ خود اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ گویا موتیوں کی لڑی تھا:

مزید یہ کہ کائنات کی سب سے جمیل ہستی، جن کے پسینے کی خوشبو گلابوں کو شرما دے اور جن کے قدموں کی دھول آنکھوں کا سرمہ بن جائے، ان کا حسن بیان کرتے ہوئے حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ محبت کی انتہا پر نظر آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

میرے آقا ﷺ اپنی ذات میں سراپا عظمت اور دوسروں کی نظر میں سراپا وقار تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور اس قدر پرنور تھا کہ یوں لگتا جیسے چودھویں کا چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل کر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہو۔ وہ بشر نہیں بلکہ مجسمِ نور تھے جنہیں دیکھ کر دیکھنے والا اپنی نظریں ہٹانا بھول جاتا۔

آپ ﷺ کا قدِ مبارک نہ اتنا لمبا تھا کہ نمایاں ہوتا اور نہ اتنا چھوٹا کہ پست لگتا، بلکہ اللہ نے آپ ﷺ کو ایسا معتدل اور متناسب قد عطا کیا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہیں آپ

کے سراپے پر ٹھہر کر رہ جاتی تھیں۔ وہ ایک ایسی قامتِ زیبا تھی جس پر ہر لباس سجتا تھا۔

آپ ﷺ کی پیشانی کشادہ تھی، جو حق کی روشنی سے ہمیشہ دمکتی رہتی۔ زلفیں مبارک ایسی تھیں جن میں ہلکی سی لہر تھی یعنی نہ بالکل سیدھی، نہ زیادہ گھنگھریالی۔ جب آپ ﷺ اپنی زلفوں کو سنوارتے تو وہ کانوں کی لَو تک پہنچتیں اور کبھی کاندھوں کو چھونے لگتیں، گویا سیاہ گھٹائیں چاند کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہوں۔

آپ ﷺ کی بھنویں باریک اور گنجان تھیں، جو ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوئے بھی ایک عجیب حسن پیدا کرتی تھیں۔ غصے کی حالت میں ان کے درمیان ایک رگ ابھرتی تھی، جو جلالِ نبوت کا اظہار کرتی۔ ناک مبارک پر ایسی چمک اور نور تھا کہ جو دور سے دیکھتا اسے لگتا کہ ناک بہت اونچی ہے، مگر یہ بلندی نہیں بلکہ حسنِ خداوندی کا نور تھا جو اس پر لہراتا تھا۔

جب میرے محبوب ﷺ کلام فرماتے تو دہنِ مبارک سے جیسے پھول جھڑتے۔ سامنے کے دانتوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا، اور جب آپ ﷺ مسکراتے تو ان درِ یتیم (دانتوں) سے ایسی روشنی نکلتی جو اندھیروں کو بھی اجالا کر دیتی۔ ریش مبارک گھنی اور سیاہ تھی جو آپ کے وقار میں مزید اضافہ کر دیتی۔

آپ ﷺ کی گردن مبارک چاندی کی صراحی کی طرح صاف اور شفاف تھی۔ سینہ مبارک فراخ تھا اور کندھے اتنے مضبوط اور چوڑے کہ دیکھنے والا رعب میں آجاتا۔ آپ ﷺ کا جسمِ اطہر نہ دبلا تھا نہ فربہ، بلکہ نہایت کسا ہوا اور خوبصورت تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے قدرت نے آپ ﷺ کو اپنی تمام تر خوبصورتیوں کا مرکز بنا دیا ہے۔[1]

---

[1] (شمائل ترمذی، رقم الحدیث: 7۔ دلائل النبوۃ (امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ) جلد 1، صفحہ 286۔)

خلاصہِ کلام:

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان محض الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک جلے ہوئے دل کی تڑپ اور ایک عاشق کا اپنے محبوب کو دیا گیا خراجِ تحسین ہے۔ یہ وہ حلیہ ہے جسے پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم صدیوں کی مسافت طے کر کے مدینے کی گلیوں میں پہنچ گئے ہیں اور خود اپنی آنکھوں سے "شمس الضحیٰ" اور "بدر الدجی" کا دیدار کر رہے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی اس جامع اور والہانہ روایت کے سحر میں ڈوب کر اردو کے نعت گو شعراء نے جو نقشے کھینچے ہیں، وہ عشقِ رسول ﷺ کی معراج معلوم ہوتے ہیں۔

اس حلیہ مبارک کی مناسبت سے چند منتخب اشعار پیشِ خدمت ہیں:

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا، اسی کیفیت کو امیر مینائی نے یوں بیان کیا:

سر تا بقدم مکھڑا ہے تیرا، نور کا پیکر، اے جانِ جہاں
خورشیدِ جہاں تاب ہے تو، ماہِ منور، اے جانِ جہاں

آپ ﷺ کے معتدل قد اور باوقار سراپے پر یہ شعر صادق آتا ہے:

اللہ رے اس جسمِ منور کی نزاکت
سایے کو بھی جس کے نہ گوارا کیا قد نے

کشادہ پیشانی اور اس پر لہراتے نورِ الٰہی کا عکس اس شعر میں دیکھیے: وہ

پیشانی کہ جس پر مہرِ حق چمکے دمِ کلام
وہ رخسارِ منور، کہ جن سے شمس و قمر لرزاں

دندان، بارک اور کلام کا سحر:

جس کے آگے سرنگوں ہے ماہِ کنعاں کا جمال
جس کے دندانِ مبارک ہیں گہر ہائے ثمن

مجموعی حسن و جمال (خلاصہ):

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (شاعرِ رسول ﷺ) کے عربی کلام کا منظوم اردو مفہوم، جو اس تمام حلیے کا نچوڑ ہے:

تیری صورت سے نہیں بڑھ کر کوئی صورت حسین
تجھ سا دیکھا ہی نہیں آنکھوں نے اب تک اے مکی!
پیدا تو ایسا ہوا ہے ہر عیب سے پاک وصاف
جیسے اپنی مرضی سے صورت بنائی آپ نے

❁❁❁

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شخصیت علم وحکمت کا وہ کوزہ ہے جس میں اسرارِ نبوت کے سمندر بند ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف بچپن سے حضور ﷺ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ "باب العلم" ہونے کے ناطے نبوی جمال کے باریک بین مبصر بھی تھے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

جمالِ نبوی کے مدینۃ العلم

جہاں محبت اور علم یکجا ہو جائیں، وہاں بیان میں وہ گہرائی پیدا ہوتی ہے جو روح کو وجد میں لے آتی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب جب حضور ﷺ کے اوصاف بیان فرماتے، تو یوں لگتا جیسے ایک مصور اپنے خونِ جگر سے کائنات کے سب سے حسین شاہکار کی تصویر کشی کر رہا ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بیان میں وہ باریک بینی اور تفصیل ہے جو صرف اسی کو نصیب ہو سکتی ہے جس نے نبوت کے سائے میں سانس لیا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ نہ تو بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی پستہ قد، بلکہ اللہ نے آپ ﷺ کو ایسا میانہ اور متوازن قد عطا فرمایا تھا جو دیکھنے والوں کے ہجوم میں سب سے نمایاں اور باوقار نظر آتا۔

آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بالکل گول نہ تھا بلکہ اس میں ہلکی سی گولائی تھی (جو حسن کی علامت ہے)۔ رنگت ایسی سفید جس میں سرخی کی جھلک یوں نظر آتی جیسے چاندی پر گلاب کی پتیاں بکھری ہوں۔ آنکھیں مبارک نہایت سیاہ اور بڑی تھیں، اور پلکیں اتنی دراز کہ نگاہوں میں ایک سحر انگیز حیا اور جلال پیدا کر دیتیں۔

زلفیں نہ تو بہت زیادہ گھنگھریالی تھیں اور نہ ہی بالکل سیدھی، بلکہ ان میں ایک

خوبصورت خم تھا۔ آپ ﷺ کا بدن پر گوشت تو تھا مگر لٹکا ہوا نہیں، بلکہ کسا ہوا اور مضبوط تھا۔ ہڈیوں کے جوڑ (مونڈھے اور گھٹنے) بڑے اور مضبوط تھے جو آپ ﷺ کی قوت اور رعب کی علامت تھے۔

جب آپ ﷺ چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے، ایسا لگتا جیسے آپ ﷺ کسی ڈھلوان سے نیچے اتر رہے ہوں۔ آپ ﷺ کی چال میں وہ وقار اور تیزی تھی کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو صرف گردن نہیں بلکہ پورے بدنِ مبارک کے ساتھ مڑ کر توجہ فرماتے، جو آپ ﷺ کی غایت درجے کی شفقت اور آدابِ محفل کا آئینہ دار تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے جذباتی انداز میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان "مہرِ نبوت" تھی، جو اس بات کی گواہی تھی کہ آپ ﷺ ہی کائنات کے آخری نبی اور مرسلِ اعظم ہیں۔

خلاصہِ کلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس "**اسیرِ جمال**" کی تڑپ ہے جس نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے محبوب ﷺ کے نقشِ قدم پر قربان کر دیا۔ وہ حضور ﷺ کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے:

"مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ، وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ"

ترجمہ: جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا رعب میں آ جاتا، اور جو جان پہچان کے بعد آپ ﷺ سے ملتا وہ آپ ﷺ کا عاشق و گرویدہ ہو جاتا۔

"لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ"

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد، آپ ﷺ

جیسا (حسین وجمیل) کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی چشمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جو مدرسہ صفہ کے ممتاز طالب علم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب و روز کے ساتھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی"۔ان کی روایت میں محبت کی وہ چاشنی ہے جو ایک ایسے طالب علم کی ہوتی ہے جس نے اپنا سب کچھ اپنے استاد اور محبوب کے قدموں میں ڈھیر کر دیا ہو۔

❁❁❁

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

خادمِ درِ رسول اور شیدائے رخِ تابناک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہوں نے فقر و فاقہ تو گوارا کیا مگر درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری نہ چھوڑی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ اخلاق اور جمالِ جہاں آرا کے وہ عینی شاہد ہیں جنہوں نے نبوت کی محفلوں کی خوشبو کو لفظوں کے قالب میں ڈھالا ہے۔ وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپا بیان کرتے ہیں تو ان کے الفاظ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سورج اور چاند کی تمام تر روشنیاں سمٹ کر مدینے کے تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے میں سما گئی ہوں۔[2]

---

[1] -شمائل ترمذی:حدیث نمبر 6۔

[2] -:شمائل ترمذی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والہانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ میں نے کائنات کی وسعتوں میں رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال سے بڑھ کر کوئی شے نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس اس قدر منور اور چمکدار تھا کہ یوں گمان ہوتا جیسے آفتاب کی تمام تر گردشیں اور روشنیاں آپ ﷺ کے رخِ انور میں سمٹ آئی ہیں۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تو در و دیوار روشن ہو جاتے اور ایسا لگتا جیسے سورج کی شعاعیں آپ ﷺ کے چہرے سے پھوٹ رہی ہوں۔

آپ ﷺ کی چال میں وہ تیزی اور وقار تھا کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو آپ ﷺ سے زیادہ تیز قدم چلتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کے چلنے کا انداز ایسا تھا کہ گویا زمین آپ ﷺ کے لیے سمیٹی جا رہی ہے۔ ہم (صحابہ) آپ ﷺ کے ساتھ چلتے ہوئے اپنی پوری ہمت صرف کر دیتے اور تھک کر چور ہو جاتے، مگر میرے آقا ﷺ کے ماتھے پر پسینے کا ایک قطرہ تک نہ آتا اور آپ ﷺ بغیر کسی تھکن کے نہایت سہولت سے قدم اٹھاتے جاتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر صرف ظاہری حسن پر نہیں تھی، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی محفل وہ گلستان تھی جہاں ہر آنے والا سکون پاتا۔ آپ ﷺ کا خلقِ عظیم وہ آئینہ تھا جس میں اللہ کی معرفت نظر آتی تھی۔

خلاصہِ کلام:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا حسن صرف ساکت نہیں تھا بلکہ متحرک تھا یٰ وہ حسن جو چلتا تھا تو زمین وجد میں آتی تھی، اور جب بولتا تھا تو کائنات ہمہ تن گوش ہو جاتی تھی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان کی عکاسی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمائی ہے:

یارِ من مکتوبِ او مکتوبِ او

شمسِ تبریزی بروں از رُوئے او

جس کی ترجمانی اردو کی ایک شاعر نے یوں کی ہے کہ

جس کے ماتھے سے ہویدا ہے جلالِ ایزدی

جس کے تلووں کا پسینہ ہے گلابِ سرمدی

❁❁❁

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ "خادمِ خاص" ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے دس قیمتی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گزارے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے بھیدوں سے بھی واقف تھے اور جلوت کے تذکروں سے بھی۔ ان کا بیان کردہ حلیہ ایک ایسے عاشق کا بیان ہے جس نے اپنے محبوب کو بہت قریب سے، دن کے اجالوں اور رات کی تنہائیوں میں، غصے اور خوشی کی ہر کیفیت میں دیکھا تھا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

خوشبوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین اور خادمِ باوفا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنہیں ان کی والدہ نے بچپن میں ہی بارگاہِ رسالت میں خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، مگر ان دس سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مجھے "اُف" تک نہ کہا۔ ان کی روایت میں صرف ظاہری نقش و نگار ہی نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کی وہ خوشبو اور لمس کا احساس بھی شامل ہے جس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روح کو معطر کر رکھا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد نہ تو حد سے زیادہ لمبا

تھا اور نہ ہی چھوٹا، بلکہ ایک مثالی قامت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت نہ تو چونا جیسی بالکل سفید (پھیکی) تھی اور نہ ہی گندمی، بلکہ ایک خاص چمکدار سفیدی تھی جس میں سرخی کی آمیزش حسن کو انتہا بخشتی تھی۔ زلفیں مبارک نہ بہت زیادہ گھنگھریالی تھیں اور نہ ہی بالکل سیدھی، بلکہ ان میں ایک متناسب خم تھا جو چہرۂ انور کی کشش میں اضافہ کرتا تھا۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نہایت وارفتگی سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ریشم یا کمخواب کا کوئی ایسا کپڑا نہیں چھوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتیلی سے زیادہ نرم و ملائم ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کی نرمی دلوں کو موہ لیتی تھی۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی مشک و عنبر یا دنیا کی کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر سے آنے والی خوشبو سے زیادہ معطر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے کے قطرے خوشبوؤں کے قافلے ٹھہراتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ وصال کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں ہوئے تھے۔ گویا بڑھاپا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کے سامنے ادب سے رک گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی کا جاہ و جلال آخری دم تک قائم رہا۔

خلاصہِ کلام:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہمیں بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن صرف آنکھوں کی تسکین کا سامان نہ تھا، بلکہ وہ مشامِ جاں کو معطر کرنے والی خوشبو اور روح کو سکون دینے والا لمس بھی تھا۔ وہ خادم جس نے دس سال خدمت کی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور جمال کا سب سے بڑا گواہ بن کر ابھرا۔

---

[1] -شمائل ترمذی۔

تیری خوشبو سے معطر ہے چمن کا ہر گل
تیری رنگت سے ملی رنگِ گلستاں کو جلا

اور

وہ ہاتھ جس نے زمانے کی کایاں پلٹ ڈالی
وہ ہاتھ ریشم و کمخواب سے بھی نرم تر نکلا

❁❁❁

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے پندرہ برس کی کم عمری سے حضور ﷺ کی معیت اختیار کی اور چودہ غزوات میں آپ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے۔ان کی روایت میں ایک خاص قسم کی والہانہ کیفیت اور موازنے کا انداز پایا جاتا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کو کائنات کی ہر خوبصورت چیز سے برتر ثابت کرنے کا کتنا شوق رکھتے تھے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ:

حسنِ یار کے سچے قدردان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایات میں ایک عجیب وارفتگی ملتی ہے۔ وہ جب حضور ﷺ کے حسن کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کے سامنے کائنات کے تمام استعارے ہیچ نظر آتے ہیں۔ان کی نظر صرف چہرے پر نہیں بلکہ آپ ﷺ کے پورے سراپے کے حسنِ توازن پر رہتی تھی۔ وہ ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو سرخ دھاریدار جبے (حلہ سرخ) میں دیکھا اور اس منظر کو اپنی روح میں ہمیشہ کے لیے قید کرلیا۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ[1] فرماتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ کا قد مبارک نہایت متناسب (میانہ) تھا۔ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا (جو مردانہ وجاہت کی انتہا ہے)۔ آپ ﷺ کے موئے مبارک (بال) کانوں کی لَو تک لٹکتے تھے، جو کبھی کاندھوں کو چھونے لگتے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ اس منظر کو یاد کرکے وجد میں آجاتے ہیں جب انہوں نے آپ ﷺ کو سرخ رنگ کے خوبصورت جبے میں دیکھا۔ وہ قسم کھا کر کہتے ہیں: "میں نے زندگی میں کبھی، کوئی بھی چیز آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھی"۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ کا چہرہ انور تلوار کی طرح (لمبا اور چمکدار) تھا؟ تو انہوں نے کمالِ محبت سے جواب دیا: "نہیں! بلکہ وہ تو چودھویں کے چاند کی طرح (گول اور پرنور) تھا"۔ ان کے نزدیک تلوار کی چمک میں ایک طرح کی تیزی اور کاٹ ہوتی ہے، جبکہ میرے محبوب ﷺ کے چہرے کی چمک میں چاند جیسی ٹھنڈک، سکون اور دلکشی تھی۔

ان کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا حسن کسی ایک عضو تک محدود نہ تھا، بلکہ آپ ﷺ کا پورا وجودِ اقدس حسن و جمال کا وہ شاہکار تھا جس کی مثال چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

خلاصہِ کلام

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہمیں بتاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے حسن کا موازنہ کرتے وقت بہترین سے بہترین چیز (چاند) کو بھی کمتر محسوس کرتے تھے۔ ان کے نزدیک آپ ﷺ کا جمال کائنات کے ہر حسن سے ماوراء اور بے مثل تھا۔

---

[1] -شمائل ترمذی۔

جس کی رنگت پہ فدا گلشنِ ہستی کے گل
جس کے جلوؤں سے منور ہیں زمین وزماں

❁❁❁

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے تذکرے کے بعد، اگر حضرت ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا ذکر نہ کیا جائے تو سراپا نگاری کی داستان ادھوری رہتی ہے۔ حضرت ام معبد کی روایت کو علمِ سیرت میں "جامع ترین سراپا" مانا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے ایک اجنبی مسافر (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہلی بار دیکھا اور پھر اس کے حسن و جمال کو ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ گویا تصویر کھینچ دی۔ یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ کے سفر کا ہے، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خادمِ خاص کے ساتھ مکہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ راستے میں "قدید" کے مقام پر ام معبد کے خیمے پر رکے۔

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا کی روایت:

حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے مثال نقشہ

جب ام معبد کے شوہر (اکثم بن ابی الجون) گھر لوٹے اور گھر میں دودھ کی برکت دیکھی (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لمس سے ہوئی تھی)، تو انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا؟ تب ام معبد نے اپنے شوہر کے سامنے ان "مبارک مسافر" کا سراپا ان الفاظ میں بیان کیا:

میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کا حسن نمایاں اور چہرہ پرنور تھا۔ وہ پاکیزہ سیرت اور خوبصورت جسم کے مالک تھے۔ نہ ان کا پیٹ نکلا ہوا تھا اور نہ سر کے بال گرے ہوئے (یعنی متناسب جسم تھا)۔

ان کی آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لمبی اور گھنی تھیں۔ ان کی آواز میں ایک خاص قسم کا بھاری پن اور وقار تھا۔

ان کی گردن لمبی اور چمکدار تھی، داڑھی گھنی اور سیاہ تھی۔ ابرو (بھویں) باریک اور جڑی ہوئی تھیں۔

جب وہ خاموش ہوتے تو ان پر وقار چھا جاتا، اور جب گفتگو فرماتے تو ان کے گرد نور کا ہالہ بن جاتا۔ ان کی گفتگو موتیوں کی لڑی کی طرح لگی لپٹی اور صاف تھی۔ نہ بہت مختصر کہ بات سمجھ نہ آئے، اور نہ بہت طویل کہ اکتاہٹ ہو۔

وہ دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین لگتے تھے، اور قریب سے دیکھنے پر سب سے زیادہ شیریں اور دلکش۔ وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان ایسے لگتے تھے جیسے پھولوں کے درمیان ایک ڈال ہو۔ ان کے ساتھی ان کے گرد پروانوں کی طرح جمع رہتے تھے۔

خلاصہِ کلام:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں جہاں عقیدت و وارفتگی ہے، وہاں سیدہ ام معبد کی روایت میں ایک غیر جانبدارانہ مشاہدہ اور فطری حسن کی گواہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے شوہر نے یہ تفصیل سنی تو بے اختیار پکار اٹھے:

”خدا کی قسم! یہ وہی قریشی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کا تذکرہ مکہ میں ہو رہا ہے، میرا ارادہ ہے کہ میں ان کی رفاقت اختیار کروں۔“

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قد و قامت اور حسنِ کلام کا تذکرہ کیا، اس پر یہ شعر صادق آتا ہے:

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

❁❁❁

باب دوم:

الفت و اطاعت کے قرینے

سرِ تسلیم خم اور اشارہِ ابرو پر فداکاری

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت اور بے چوں و چرا اطاعت کے واقعات)

جب ہم تاریخِ انسانی کے اوراق الٹتے ہیں، تو ہمیں محبت کے بہت سے دعویدار ملتے ہیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ مقدس جماعت ہے جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے وفا کی ایسی داستانیں رقم کیں جن کی مثال رہتی دنیا تک نہیں مل سکتی۔ ان کے نزدیک اسلام صرف ایک نظامِ حیات نہیں تھا، بلکہ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ وابستگی کا نام تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گواہی: محبت کا پیمانہ

شیرِ خدا، باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے پوچھا کہ "آپ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسی محبت کرتے تھے؟" تو آپ نے وہ جواب دیا جو آج بھی ہر مومن

کے دل کی دھڑکن ہے:

"اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنی اولاد، اپنے والدین، اپنے مال و دولت، بلکہ سخت پیاس کی تڑپ میں "ٹھنڈے پانی" سے بھی زیادہ محبوب تھے"۔[1]

ذرا تصور کیجیے! ریگستان کی جھلسا دینے والی گرمی میں جب حلق پیاس سے کانٹا بن رہا ہو، اس وقت انسان کو ٹھنڈے پانی سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں ہوتا، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق اس انتہا پر تھا کہ پیاس کی شدت میں بھی وہ یادِ مصطفیٰ ﷺ میں جیتے تھے۔

حبِّ رسول ﷺ ایک مکمل نظامِ زندگی:

❁ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ہر سانس، ہر حرکت اور ہر عمل اپنے محبوب ﷺ کے تابع تھا۔

❁ اتباعِ کامل: انہوں نے صرف حکم نہیں مانا، بلکہ آقا ﷺ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور مسکرانے تک کی نقل اتاری۔

❁ غمِ فراق: ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی تکلیف حضور ﷺ سے جدائی تھی۔ جدائی کا تصور بھی ان کی آنکھوں کو اشکبار اور دلوں کو بے قرار کر دیتا تھا۔

❁ قرارِ جاں: رسول اللہ ﷺ کا نورانی چہرہ دیکھنا ان کی زندگی کی سب سے بڑی راحت تھی۔ میدانِ جنگ کے زخم ہوں یا فقر و فاقہ کی تلخیاں، دیدارِ مصطفیٰ ﷺ ہوتے ہی سارے دکھ کافور ہو جاتے تھے۔

❁❁❁

[1] -الشفا بتعریف حقوق المصطفی (امام قاضی عیاض): جلد 2، صفحہ 20۔

آیئے! دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے بے قراری کی چند ایمان افروز جھلکیاں دیکھیں

حبیبہ حبیب اللہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی جمالِ محمدی ﷺ کے مشاہدے اور اس کی باریکیوں کے تذکرے سے عبارت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا عشق محض جذباتی نہ تھا بلکہ مشاہدہِ جمال پر مبنی تھا، جس کی گواہی آپ رضی اللہ عنہا کے یہ اشعار اور واقعات دیتے ہیں۔

یوسفِ ثانی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لافانی اشعار:

حبیبہ حبیب اللہ سیدہ عائشہ طیبہ طاہرہ عفیفہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے محبوب ﷺ کے حسن و جمال کا موازنہ حسنِ یوسفی علیہ السلام سے کیا، تو کائنات کو وہ اشعار عطا کیے جو رہتی دنیا تک عشق و جمال کی تعریف کا معیار بن گئے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

وَلَوْ سَمِعُوا فِي مِصْرَ أَوْصَافَ خَدِّهِ
لَمَا بَذَلُوا فِي سَوْمِ يُوسُفَ مِنْ نَقْدِ
لَوْ رَأَتْ زُلَيْخَا لَوْحَ غُرَّةِ جَبِينِهِ
لَآثَرْتِ الْقَطْعَ الْقُلُوبَ عَلَى الْأَيْدِي

ترجمہ:

1- "اگر مصر والے میرے محبوب ﷺ کے رخساروں کے اوصاف سن لیتے، تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری میں (اپنا) کوئی نقد مال خرچ نہ کرتے (بلکہ اسے میرے آقا ﷺ کے لیے بچا رکھتے)۔"

2- "اور اگر زلیخا (کی سہیلیاں) آپ ﷺ کی چمکتی ہوئی پیشانی دیکھ لیتیں، تو

وہ ہاتھوں کے بجائے اپنے دلوں کو کاٹنا پسند کرتیں (اور انہیں درد کا احساس تک نہ ہوتا)۔"[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ: بدرِ منیر اور رُخِ انور:

حبیبہ حبیب اللہ سیدہ عائشہ طیبہ طاہرہ عفیفہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ چودھویں کی رات تھی، آسمان پر چاند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا اور صحنِ حجرات میں نور کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ حضورِ اکرم ﷺ حجرہِ مبارک میں تشریف فرما تھے۔

حبیبہ حبیب اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار آسمان کے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر سرورِ کائنات ﷺ کے رُخِ انور کی طرف دیکھا۔ میں بار بار اپنی نظریں آسمان کے چاند اور محبوب ﷺ کے چہرے کے درمیان گھماتی رہی (تاکہ دیکھوں کہ حسن وضیا میں کون بڑھ کر ہے)۔

آخرکار اس "اسیرہِ جمال" کی بصیرت نے فیصلہ سنایا اور آپ رضی اللہ عنہا پکار اٹھیں:

"واللہ! میرے نزدیک حضور ﷺ کا چہرہِ مبارک اس چودھویں کے چاند سے کہیں زیادہ حسین، زیادہ روشن اور زیادہ منور ہے!"

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس مشاہدے کی ایک ایسی لطیف وجہ بیان فرمائی جو صرف ایک عاشق ہی سمجھ سکتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"آسمان کا چاند تو کبھی بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے (اور اس کا نور ماند پڑ جاتا ہے)، مگر میرے محبوب ﷺ کا رُخِ انور وہ چاند ہے جسے کبھی گہن نہیں لگتا اور جس کی ضیا

---

[1] -شرح المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ: جلد 4، صفحہ 192، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ سبل الہدیٰ والرشاد في سیرۃ خیر العباد: جلد 2، صفحہ 43، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

کبھی بادلوں کی محتاج نہیں ہوتی۔“ [1]

❁❁❁

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ:

پسینۂ مبارک اور موتیوں کی چمک

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے، آپ ﷺ اپنے نعلینِ مبارک (جوتے) درست فرما رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی جبینِ انور (پیشانی) پر پسینے کے قطرات نمودار ہوئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ٹکٹکی باندھ کر آپ ﷺ کے رُخِ انور کو دیکھ رہی تھی۔ وہ منظر ایسا مسحور کن تھا کہ میں مبہوت ہو کر رہ گئی؛ آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینے کے وہ قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے اور ان سے ایسی ضیا پھوٹ رہی تھی کہ پورا حجرہ منور ہو گیا۔

حضور ﷺ نے اپنا سرِ مبارک اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے (کیونکہ آپ ﷺ بھانپ گئے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کسی گہری سوچ میں ہیں)۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

---

[1] -القاضي عياض، الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: جلد 1، صفحه 174-الترمذي، الشمائل المحمدية: باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ (اس میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایسی ہی روایت ہے، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت دیگر طرق سے مروی ہے)

"عائشہ! تمہیں کیا ہوا، تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے والہانہ انداز میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ایسے چمک رہے ہیں جیسے موتی ہوں۔ واللہ! اگر (مشہور شاعر) ابو کبیر ہذلی آپ کو اس حالت میں دیکھ لیتا، تو وہ جان لیتا کہ اس کے اشعار کا اصل مصداق آپ ہی ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: "عائشہ! اس نے کیا کہا تھا؟" تو آپ رضی اللہ عنہا نے یہ اشعار پڑھے:

وَمُبَرَّأً مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ

وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مُعْضِلِ

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ

بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

ترجمہ:

"وہ (محبوب) ہر قسم کی پاکیزگی کا نمونہ ہے اور ہر عیب سے مبرا ہے۔ جب تم اس کے چہرے کی لکیروں کی طرف دیکھو گے، تو وہ (ایسے چمکتی ہیں) جیسے برسنے والے بادلوں میں بجلی چمکتی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ سن کر اس قدر خوش ہوئے کہ اپنی جگہ سے اٹھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا: "اے عائشہ! جتنا تم مجھے دیکھ کر خوش ہو رہی ہو، اس سے کہیں زیادہ میں تمہاری یہ باتیں سن کر خوش ہوا ہوں۔"[1]

یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذوقِ نظر تھا کہ وہ پسینے کے قطروں میں بھی انوارِ الٰہی کا مشاہدہ

---

[1] - البیهقي، دلائل النبوة: جلد 1، صفحه 301۔ السیوطي، الخصائص الکبریٰ: جلد 1، صفحه 110۔

کرتی تھیں۔ اسیرانِ جمال کے لیے محبوب کی ہر ادا، یہاں تک کہ پسینۂ مبارک بھی، کائنات کے تمام ہیروں اور موتیوں سے زیادہ قیمتی اور روشن تھا۔

اب دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبوبِ خدا ﷺ سے والہانہ محبت دیکھئے۔۔۔۔

❁ **وہ صحابی رضی اللہ عنہ جو دیدار کے بغیر رہ نہ سکتے:** تاریخ بتاتی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ اگر تھوڑی دیر حضور ﷺ کو نہ دیکھتے تو ان کا دم گھٹنے لگتا۔ وہ کام کاج چھوڑ کر بارگاہِ نبوت میں دوڑے چلے آتے تاکہ صرف ایک بار زیارت کر کے اپنے دل کو قرار دے سکیں۔

❁ **آخرت میں جدائی کا خوف:** ایک صحابی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے، عرض کیا: "یارسول اللہ! دنیا میں تو جب دل تڑپتا ہے، آپ ﷺ کی زیارت کر لیتا ہوں، لیکن آخرت میں آپ کا مقام تو بہت بلند ہوگا، وہاں آپ کو کیسے دیکھوں گا؟" تب اللہ نے یہ بشارت نازل فرمائی کہ **"انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے"**۔

❁ **میدانِ احد کا وہ منظر:** جب افواہ اڑی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جانوں کی پرواہ کیے بغیر صرف ایک ہی سوال کر رہے تھے: "حضور ﷺ کیسے ہیں؟" جب آپ ﷺ کو سلامت دیکھا تو پکار اٹھے:

"كل مصيبة بعدك جلل"

ترجمہ: آپ کے سلامت ہونے کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔

❁❁❁

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جب کائنات کی ہر مصیبت ہیچ ہوگئی

میدانِ احد کا وہ منظر یاد کیجیے جب فضاؤں میں ایک المناک خبر گونجی کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیے گئے۔ مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، لیکن اس کہرام میں ایک ایسی ہستی بھی تھی جس کا عشق تاریخِ انسانی کا انوکھا باب رقم کرنے والا تھا۔

بنو دینار کی ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا (جن کا نام بعض روایات میں حضرت ہند بنت عمرو رضی اللہ عنہا آتا ہے) بے قرار ہو کر مدینہ سے باہر نکلیں۔ راستے میں لشکر ملا، کسی نے کہا: "اے اللہ کی بندی! تمہارا باپ شہید ہو گیا"۔ کسی نے کہا: "تمہارا بھائی کام آ گیا"۔ کسی نے اطلاع دی: "تمہارا شوہر بھی اللہ کو پیارا ہو گیا"۔

ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے! جس عورت کا سہاگ لٹ جائے، جس کا جوان بیٹا چھن جائے، جس کا بھائی اور باپ رخصت ہو جائیں، اس کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ لیکن اس عاشقِ صادقہ نے ان تمام صدموں کو پسِ پشت ڈال کر صرف ایک ہی سوال کیا:

"ما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟"۔

ترجمہ: میرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس حال میں ہیں؟

لوگوں نے کہا: "اے مائی! اللہ کا شکر ہے، وہ بالکل خیریت سے ہیں"۔ لیکن تڑپ ایسی تھی کہ مان کر نہ دی، کہا: "ارونیه حتی انظر الیه" (مجھے دکھاؤ، میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں)۔

وہ جملہ جو تاریخ بن گیا

جیسے ہی اس خاتون کی نظر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی چہرے پر پڑی، اس کے

دل کو قرار آ گیا، آنکھوں کی ٹھنڈک لوٹ آئی اور اس نے وہ تاریخی جملہ کہا جو رہتی دنیا تک عشق کا نصاب بن گیا:

"كل مصيبة بعدك جلل"[1] یا رسول اللہ! آپ کے سلامت ہونے کے بعد، اب کائنات کی ہر مصیبت میرے لیے ہیچ (معمولی) ہے۔

معیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشخبری: تم وہیں ہو گے جہاں تمہارا عشق ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فکر رہتی تھی کہ کہیں جنت کے درجات کے فرق کی وجہ سے ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے محروم نہ ہو جائیں۔ تب زبانِ نبوت سے وہ الفاظ نکلے جنہوں نے غلاموں کی پیاسی روحوں کو سیراب کر دیا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ"۔[2]

(جس نے مجھ سے سچی محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ"۔[3]

(آدمی (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔

❁❁❁

---

[1] -السیرۃ النبویہ (ابن ہشام): جلد 2، صفحہ 99 (ذکرِ غزوہ احد)۔البدایہ والنہایہ (ابن کثیر): جلد 4، صفحہ 47۔

[2] -سنن ترمذی۔مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

[3] -صحیح بخاری: کتاب الادب، حدیث نمبر 6168۔صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ والادب، حدیث نمبر 2640۔

وہ بشارت

جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہال کر دیا

تصور کیجیے! مسجدِ نبوی کی وہ پرنور محفل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمعِ رسالت ﷺ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہیں۔ اسی دوران ایک اعرابی (دیہاتی) حاضرِ خدمت ہوتا ہے اور وہ سوال کر دیتا ہے جو ہر مومن کے دل کی دھڑکن ہے:

"یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟"

رحمتِ عالم ﷺ نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے ایک ایسا سوال کیا جس نے قیامت کی فکر کو عمل کی فکر میں بدل دیا:

"تم نے اس (قیامت) کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟"

عشقِ صادق کا سادہ مگر بھاری جواب

اس دیہاتی نے بڑے عجز اور سچائی سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میرے پاس بہت زیادہ نمازیں، روزے اور صدقات تو نہیں ہیں (جن پر میں ناز کر سکوں)، لیکن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سچی محبت کرتا ہوں۔"

یہ وہ جملہ تھا جس نے عرش والے کی رحمت کو جوش میں لا دیا اور زبانِ نبوت سے وہ الفاظ نکلے جو رہتی دنیا تک ہر گناہگار امتی کے لیے بخشش کی سند بن گئے:

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ"[1]

"آدمی (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے"۔

---

[1] - صحیح بخاری: کتاب الادب، باب علامة الحب فی اللہ، حدیث نمبر 6167۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، جنہوں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، وہ اس منظر کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا، جتنا وہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات پر خوش ہوئے"۔[1]

کیوں نہ خوش ہوتے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر وقت یہ غم کھائے جاتا تھا کہ جنت میں درجات کی بلندی کی وجہ سے کہیں ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے دور نہ ہو جائیں۔ اس ایک جملے نے ان کی تمام فکریں دور کر دیں کہ اگر دل میں سچی محبت ہے، تو اللہ تمہیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت سے کبھی محروم نہیں کرے گا۔

ہمیں بھی وہ معیت نصیب ہو جس کا وعدہ صادق وامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

❁❁❁

[1] -حیوۃ الصحابہ (مولانا یوسف کاندھلوی): جلد 2، صفحہ 433۔

دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

وہ غذا جس نے صحابہ کو بھوک اور پیاس سے بے نیاز کر دیا

دنیا کی تاریخ میں ہم نے سنا ہے کہ کھانا جسم کو توانائی دیتا ہے اور پانی پیاس بجھاتا ہے، لیکن قربان جائیں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، جن کے نزدیک توانائی کا منبع اور زندگی کی رمق صرف اور صرف چہرہِ انور کی زیارت تھی۔ ان کا عشق مادی حدود سے نکل کر اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں روح کی تسکین ہی جسم کی تسکین بن جاتی تھی۔

فاقوں میں قرارِ جاں: زیارتِ جمالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جب مکہ کی گھاٹیوں میں یا مدینہ کے فقر و فاقہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوتے، جب کئی کئی دن چولہا نہ جلتا اور نقاہت سے قدم لڑکھڑانے لگتے، تو وہ کسی طبیب کے پاس نہیں جاتے تھے، بلکہ وہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ کرتے تھے۔

❁ - جیسے ہی ان کی نظر مخمور آنکھوں، نورانی پیشانی اور تبسم بکھرتے لبوں پر پڑتی، ان کے جسم کی ساری تھکن کافور ہو جاتی۔

❁ - وہ دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ "معنوی غذا" حاصل کرتے تھے کہ مہینوں کے فاقے بھی ان کے پائے استقلال میں لرزش نہ لا سکتے تھے۔

حالتِ نماز میں وارفتگیِ شوق:

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرضِ وفات میں تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ مبارک کا پردہ ہٹایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جیسے ہی نماز کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار

کیا، تو خوشی کے مارے ان کے قدم اکھڑنے لگے اور وہ نماز توڑ دینے کے قریب پہنچ گئے۔[1] ان کے لیے نماز کی لذت بھی دیدارِ یار کے بغیر ادھوری تھی!

❁❁❁

جمالِ یار میں گمشدگی:
جب نظریں اٹھیں تو پلک جھپکنا بھول گئیں

کائنات کا سارا حسن، ساری رعنائی اور سارا نور خالقِ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہِ انور میں سمو دیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں جب آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلوع ہوتا، تو شمع کے پروانوں کی طرح ہر نگاہ صرف ایک ہی مرکز پر ٹھہر جاتی۔

ام المؤمنین اماں جان اماں عائشہ صدیقہ عفیفہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ایک ایسے ہی خوش نصیب صحابی رضی اللہ عنہ کا حال بیان فرماتی ہیں کہ وہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوتے تو ان کی کیفیت نرالی ہوتی:

"وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہِ مبارک کو اس طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے کہ اپنی پلک تک نہ جھپکاتے تھے"۔

گویا انہیں ڈر تھا کہ اگر ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ جھپکی، تو شاید وہ تجلیاتِ الٰہی کا کوئی ایک عکس دیکھنے سے محروم نہ رہ جائیں۔

جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس جاں نثار کی یہ والہانہ کیفیت دیکھی، تو کمالِ

---

[1] -صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ، حدیث نمبر 680۔

شفقت سے دریافت فرمایا:

"ما بالُك؟" (اے اللہ کے بندے! تجھے کیا ہوا ہے کہ تو اس طرح دیکھ رہا ہے؟)

اس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جواب دیا، وہ رہتی دنیا تک کے تڑپنے والے دلوں کی ترجمانی ہے:

"بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ أَتَمَتَّعُ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْكَ"۔

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں تو بس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال اور چہرۂ انور کی زیارت سے اپنی روح کو تسکین دے رہا ہوں اور اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔"[1]

❁❁❁

---

[1]- المعجم الاوسط (امام طبرانی): جلد 5، صفحہ 346، حدیث نمبر 5510۔مجمع الزوائد (امام ہیثمی): جلد 10، صفحہ 7۔

سبحان اللہ! عشقِ رسول ﷺ کی یہ وہ داستان ہے جہاں ایک عاشق کے نزدیک اپنے محبوب کی چھوئی ہوئی چیز کائنات کے تمام خزانوں اور آسائشوں سے بڑھ کر قیمتی ہو جاتی ہے۔حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل رہتی دنیا تک کے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے ادب و محبت کا ایک انوکھا معیار ہے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ:

وہ زلفیں جنہیں دستِ مصطفیٰ ﷺ نے چھو لیا

کچھ یادیں دل میں بستی ہیں اور کچھ نشانیوں کو جاں نثار اپنے وجود کا حصہ بنا لیتے ہیں۔حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب مؤذن ہیں جن کے کانوں میں براہِ راست لسانِ نبوت سے اذان کے کلمات اترے،لیکن ان کے پاس اس سے بھی بڑی ایک متاعِ حیات تھی۔

تاریخ کی کتب بتاتی ہیں کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کے بال (زلفیں) اس قدر طویل اور دراز ہو چکے تھے کہ جب وہ بیٹھتے تو وہ بال زمین کو چھونے لگتے۔دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی کہ ایک مؤذنِ رسول اور ایسی قد آور شخصیت نے ان بالوں کو اس قدر طویل کیوں کر رکھا ہے؟لوگوں نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا:

"أَلَا تَحْلِقُهَا؟"

اے ابو محذورہ! آپ ان بالوں کو کٹواتے کیوں نہیں؟ (یہ تو بہت لمبے ہو گئے ہیں)

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے وہ جواب دیا جس نے ادب کی تاریخ بدل دی۔آپ نے فرمایا:

"لَمْ أَكُنْ بِالَّذِي أَحْلِقُهَا وَقَدْ مَسَّهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ"

میں ان بالوں کو کبھی نہیں کٹوا سکتا جنہیں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں نے چھولیا ہے![1]

یہ اس وقت کا تذکرہ ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفقت سے ان کے سر اور سینے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تھا اور انہیں اذان سکھائی تھی۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ بال صرف بال نہیں تھے، بلکہ وہ "لمسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی امانت تھے، اور وہ اس برکت کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

❁❁❁

جلوہِ جانِ جہاں

اور بے خودیِ صحابہ رضی اللہ عنہم

یہ واقعہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ معراج ہے جہاں بندگی، محبت کے رنگ میں رنگی نظر آتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نماز تو آنکھوں کی ٹھنڈک تھی ہی، مگر جس ہستی کے صدقے نماز ملی، جب اس کا جلوہ سامنے آیا تو ہوش و خرد کی محفلیں لٹ گئیں۔

وہ جدائی کے تین کٹھن دن تھے... مسجدِ نبوی کے در و دیوار اداس تھے اور قدسیوں کی آنکھیں تڑپ رہی تھیں۔ وہ نگاہیں جو ہر روز سورج کے نکلنے سے پہلے "شمس الضحیٰ" کے چہرے کا طواف کرتی تھیں، تین دن سے اس دیدار کے لیے پیاسی تھیں۔ مرضِ وصال کی شدت تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع سراپا انتظار کہ کب حجرہِ نبوی کا پردہ سرکے اور

[1] - الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ (امام قاضی عیاض): جلد 2، صفحہ 24.

کائنات روشن ہو جائے۔

بالآخر پیر کی صبح آئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ فجر ادا کر رہے تھے کہ اچانک حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ اٹھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس لمحے کی تابانی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ سِتْرَ الْحُجْرَةِ، يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ، كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجرہ مبارک کا پردہ ہٹایا اور کھڑے ہو کر ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہِ انور (نورانیت اور صفائی میں) گویا قرآن کا ورق تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبسم فرمانے لگے"۔

نمازِ فجر کا وقت تھا، اللہ کے حضور ہاتھ بندھے تھے، مگر جیسے ہی "رخِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" سامنے آیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالتِ نماز ہی بدل گئی۔ وہ ہستی جو نماز سکھانے والی تھی، جب مسکراتی ہوئی سامنے آئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ"۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدار کی خوشی میں (ہمارا حال یہ ہوا کہ) قریب تھا کہ ہم اپنی نماز توڑ بیٹھتے"۔

صحیح مسلم کی روایت میں اس کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"فَبُهِتْنَا وَنَحْنُ فِي الصَّلَاةِ، مِنْ فَرَحٍ بِخُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ"۔

"ہم دورانِ نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف لانے کی خوشی میں (ایسے کھو گئے کہ) حیرت زدہ رہ گئے اور ہماری توجہ نماز کی طرف نہ رہی"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب محسوس کیا کہ امامِ کائنات تشریف لائے ہیں،

تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹنے لگے تا کہ جگہ خالی کر دیں، لیکن اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کی یہ بے قراری دیکھی تو مسکرا کر اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ:

فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ وَضَحَ لَنَا۔

"جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور واضح ہوا، تو خدا کی قسم! ہم نے زندگی میں کبھی ایسا حسین اور دلکش منظر نہیں دیکھا تھا جیسا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک لگ رہا تھا"۔[1]

خلاصۂ عشق:

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ کیفیت تھی جہاں "محبت" نے "عبادت" کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ ان کے نزدیک نماز اللہ کی بندگی تھی، مگر اس بندگی کی اصل روح یعنی صاحبِ نماز صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار سامنے ہو، تو ہوش و خرد کا باقی رہنا ممکن ہی نہ تھا۔

❁❁❁

---

[1]-صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اھل العلم والفضل احق بالامامۃ، رقم: 648۔صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر، رقم: 419.

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داستانوں میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار ایک ایسے پروانے کا ہے جو شمعِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہونا اپنی زندگی کا کل اثاثہ سمجھتا تھا۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ "فنا فی الرسول" کا عملی نمونہ تھا۔ ان ایمان افروز واقعات کا خلاصہ اور منظر کشی درج ذیل ہے:

پہلا خطیبِ اسلام اور عشق کی آزمائش

مکہ معظّمہ میں اسلام کا پہلا تعلیمی اور تبلیغی مرکز کوہِ صفا کے دامن میں واقع دارِ ارقم تھا، اسی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس فرماتے۔ ابھی مسلمانوں کی تعداد 39 تک پہنچی تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کفار کے سامنے دعوتِ اسلام اعلانیہ پیش کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع فرمانے کے باوجود انہوں نے اصرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ پس آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے خطیب (داعی) تھے جنہوں نے (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوگوں کو بلایا۔[1]

اسی بنا پر آپ رضی اللہ عنہ کو اسلام کا "خطیبِ اوّل" کہا جاتا ہے۔ نتیجتاً کفار نے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور آپ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ خون میں لت پت ہو گئے، انہوں نے اپنی طرف سے آپ کو جان سے مار دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، جب انہوں نے محسوس کیا کہ شاید آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے تو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان کے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے اور آپس

---

[1] - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، السیرۃ، حلبی، السیرۃ الحلبیہ، دیار بکری۔

میں مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ہم اس ظلم و تعدی کا ضرور بدلہ لیں گے لیکن ابھی آپ کے سانس اور جسم کا رشتہ برقرار تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی ابو قحافہ، والدہ اور آپ رضی اللہ عنہ کا خاندان آپ رضی اللہ عنہ کے ہوش میں آنے کے انتظار میں تھا، مگر جب ہوش آیا اور آنکھ کھولی تو آپ رضی اللہ عنہ کی زبانِ اقدس پر جاری ہونے والا پہلا جملہ یہ تھا: ما فعل برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم؟ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟"

تمام خاندان اس بات پر ناراض ہو کر چلا گیا کہ ہم تو اس کی فکر میں ہیں اور اسے کسی اور کی فکر لگی ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی شے کھانے یا پینے کے لئے اصرار سے کہتیں، لیکن اس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر مرتبہ یہی جواب ہوتا، کہ اس وقت تک کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر نہیں مل جاتی کہ وہ کس حال میں ہیں۔ لختِ جگر کی یہ حالتِ زار دیکھ کر آپ کی والدہ کہنے لگیں:

والله! مالی علم بصاحبك.

"خدا کی قسم! مجھے آپ کے دوست کی خبر نہیں کہ وہ کیسے ہیں؟"

آپ رضی اللہ عنہ والدہ سے کہا کہ: حضرت اُمِ جمیل رضی اللہ عنہا بنت خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھ کر آؤ۔ آپ کی والدہ امِ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ماجرا بیان کیا۔ چونکہ انہیں ابھی اپنا اسلام خفیہ رکھنے کا حکم تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست محمد بن عبداللہ کو نہیں جانتی۔ ہاں اگر تو چاہتی ہے تو میں تیرے ساتھ تیرے بیٹے کے پاس چلتی ہوں۔ حضرت اُمِ جمیل رضی اللہ عنہا آپ کی والدہ کے ہمراہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو ان کی حالت دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور کہنے لگیں: إني لأرجو أن ينتقم الله لك.

"مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اُن سے تمہارا بدلہ لے گا۔"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! ان باتوں کو چھوڑو مجھے صرف یہ بتاؤ:

ما فعل برسول اللہ ﷺ؟

"رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟"

انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فکر نہ کرو بلکہ بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا: آپ ﷺ محفوظ اور خیریت سے ہیں۔ پوچھا کہ: فأین ھو؟ "آپ ﷺ (اس وقت) کہاں ہیں؟" انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ دارِ ارقم میں ہی تشریف فرما ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: "ان لا أذوق طعاما أو شرابا أو آتی رسول اللہ ﷺ"۔

"میں اس وقت تک کھاؤں گا نہ کچھ پیوں گا جب تک کہ میں اپنے محبوب ﷺ کو ان آنکھوں سے بخیریت نہ دیکھ لوں"۔[1]

شمعِ مصطفوی ﷺ کے اس پروانے کو سہارا دے کر دارِ ارقم لایا گیا، جب حضور ﷺ نے اس عاشقِ زار کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر تھام لیا اور اپنے عاشقِ زار پر جھک کر اس کے بوسے لینا شروع کر دیئے۔ تمام مسلمان بھی آپ کی طرف لپکے۔ اپنے یارِ غمگسار کو زخمی حالت میں دیکھ کر حضور ﷺ پر عجیب رقت طاری ہو گئی۔

اُنہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ حاضر خدمت ہیں، ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دولتِ ایمان سے نوازے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور وہ دولتِ ایمان سے شرف یاب ہو گئیں۔

❁❁❁

[1] -ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، (السیرۃ) حلبی، السیرۃ الحلبیہ، طبری، الریاض النضرہ،

آرزوؤں کی تکمیل

اور بارگاہِ نبوی میں مقام:

جب انسان خلوصِ نیت سے اللہ جل جلالہ سے نیک خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ ذات اپنی شانِ کریمانہ کے مطابق اُسے ضرور نوازتی ہے۔ اس اصول کے تحت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تینوں خواہشیں اللہ جل جلالہ نے پوری فرمادیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نکاح میں قبول فرمالیا۔ آپ کو سفر و حضر میں رفاقتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصیب رہی یہاں تک کہ غارِ ثور کی تنہائی میں آپ کے سوا کوئی اور زیارت سے مشرف ہونے والا نہ تھا، اور مزار میں بھی "أوصلوا الحبيب إلى الحبيب" کے ذریعے اپنی دائمی رفاقت عطا فرما دی۔ اسی طرح مالی قربانی اس طرح فراوانی کے ساتھ نصیب ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما نفعني مال أحد قط ما نفعني مال أبي بكر.[1]

"مجھے جس قدر نفع ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے اتنا کسی اور کے مال نے نہیں دیا"۔

دوسرے مقام پر مال کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحبت کا ذکر بھی فرمایا:

"إن (مِن) أَمَنَّ الناس عليّ في صحبته و ماله أبو بكر "، "لوگوں میں سے مجھے اپنی رفاقت دینے اور اپنا مال خرچ کرنے کے لحاظ سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں"۔[2]

❁❁❁

---

[1] - ترمذی، ابن ماجہ۔

[2] - بخاری، ترمذی، نسائی۔

فقرِ صدیق اور ربّ کا سلام

عشق کی راہ میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ایک وقت وہ آیا کہ گھر میں تنکے تک نہ چھوڑے، یہاں تک کہ پہننے کو ڈھنگ کا لباس بھی نہ رہا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک بار بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اس حال میں بیٹھے تھے کہ ایک پرانی کملی (عباء) اوڑھ رکھی تھی اور اسے بٹنوں کے بجائے لکڑی کے ٹکڑوں (خِلال) سے سینے پر ٹانکا ہوا تھا۔ اسی لمحے جبریلِ امین علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی:

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اللہ جل جلالہ ابوبکر کو سلام فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کہ:

"أَرَاضٍ أَنْتَ عَنِّي فِي فَقْرِكَ هَذَا أَمْ سَاخِطٌ؟"

کیا تو اپنے اس فقر (غربت) میں مجھ سے راضی ہے یا ناراض؟

عاشقِ صادق کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وجد کی کیفیت میں پکار اٹھے:

"أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ، أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ، أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ".

"میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں!"[1]

❁❁❁

[1] -ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء (1/28)

جدائی کے لمحے اور ماہیِ بے آب کی تڑپ:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والدِ گرامی کی کیفیتِ عشق بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ وہ سارا دن تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتے، لیکن جب رات کو عشاء کے بعد گھر تشریف لاتے تو جدائی کے وہ چند گھنٹے بھی ان پر پہاڑ بن جاتے۔

- وہ پوری رات ماہیِ بے آب (بغیر پانی کے مچھلی) کی طرح تڑپتے رہتے۔
- ہجر و فراق کی تپش سے ان کے سینے سے ایسی آہ نکلتی جیسے کوئی چیز جل رہی ہو۔
- ان کی بے چینی اس وقت تک ختم نہ ہوتی جب تک صبح دوبارہ سورج نکلنے کے ساتھ "چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا دیدار نہ کر لیتے۔[1]

❁❁❁

وصالِ صدیق: ہجرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدمہ:

محبت کا تقاضا یہی تھا کہ جس کے بغیر جینا محال تھا، اس کے بغیر زندگی لمبی نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا اصل سبب کوئی ظاہری بیماری نہ تھی، بلکہ "فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا جسم صدمے سے گھلتا چلا گیا، آپ نہایت لاغر ہو گئے اور آخر کار اسی غمِ جدائی میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کی وفات دراصل اس عشق کی انتہا تھی جس نے ثابت کر دیا کہ صدیق، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] - ابن عساکر، تاریخ دمشق (11/30)

بغیر ایک پل بھی زندہ رہنا نہیں چاہتے تھے۔[1]

خلاصہِ عشق:

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اگر اللہ کو راضی کرنا ہے تو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت کرو کہ دنیا کا مال، لباس اور یہاں تک کہ اپنی جان کی بھی پروانہ رہے۔

❁❁❁

ادب کی انتہا اور محبت کا تبسم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفلِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ادب کا یہ عالم ہوتا تھا کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں (یعنی وہ بالکل ساکت اور باادب بیٹھتے)۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رعبِ حسن اور جلالِ نبوت کی وجہ سے نگاہ بھر کر چہرہِ انور کی زیارت نہیں کر پاتے تھے، لیکن سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت میں وہ خاص قرب حاصل تھا کہ ان کی آنکھیں تڑپ تڑپ کر اپنے محبوب کا طواف کرتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس دلکش منظر کو یوں بیان فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجْلِسُ بَيْنَ أَصْحَابِهِ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَفِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَلَا يَرْفَعُ أَحَدٌ إِلَيْهِ بَصَرَهُ إِلَّا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَإِنَّهُمَا كَانَا يَنْظُرَانِ إِلَيْهِ وَيَنْظُرُ إِلَيْهِمَا، وَيَتَبَسَّمَانِ إِلَيْهِ وَيَتَبَسَّمُ إِلَيْهِمَا.

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں جلوہ افروز

---

[1] -جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء (ص:65)

ہوتے اور ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے۔ (ادب کا یہ مقام ہوتا کہ) کوئی صحابی بھی حضور ﷺ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا، سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے۔ یہ دونوں حضرات مسلسل حضور ﷺ کے چہرہِ انور کو تکتے رہتے اور سرکارِ دو عالم ﷺ ان دونوں کو دیکھتے۔ یہ دونوں محبوبِ خدا ﷺ کو دیکھ کر (عشق و سرور میں) مسکراتے اور خود حضور ﷺ ان دونوں کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔"[1]

یہ روایت ہمیں بتاتی ہے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہم اور حضور ﷺ کے درمیان محبت کا ایک ایسا "**خاموش مکالمہ**" جاری رہتا تھا جس کی زبان صرف "**دیدار اور تبسم**" تھی۔

- **کثرتِ دیدار:** جہاں باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ادب کے مارے نظریں جھکائے رکھتے، وہاں یہ دونوں خوش نصیب محبوب کے حسن کے نظاروں سے اپنی پیاس بجھاتے۔
- **تبادلہِ تبسم:** ان کی مسکراہٹ میں وفاؤں کا اعتراف ہوتا اور حضور ﷺ کے تبسم میں قبولیت کی مہر ہوتی۔
- **مرادِ رسول اور یارِ غار:** ایک وہ تھے جنہیں حضور ﷺ نے اپنی دعا سے مانگا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اور ایک وہ تھے جنہیں اللہ نے خود سفر و حضر کا ساتھی چنا (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ)۔

❁❁❁

[1] ترمذی، مسند احمد، اسیرانِ جمال مصطفیٰ ﷺ۔ مشکاۃ المصابیح، باب مناقب ابی بکر و عمر، رقم: 6012

اتباعِ محبوب ﷺ اور مسکراہِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت حیا اور وفا کا سنگم تھی۔ آپ کا عشقِ رسول ﷺ منطق اور دلیل سے آزاد تھا؛ آپ کے نزدیک اتباعِ سنت کا مطلب صرف حکم ماننا نہیں تھا، بلکہ محبوب ﷺ کی ہر ادا کو اپنی زندگی میں اتار لینا تھا۔

عشق کی دنیا میں عاشق اپنے محبوب کا عکس بن جاتا ہے۔ وہ ویسے ہی چلتا ہے، ویسے ہی بیٹھتا ہے اور ویسے ہی مسکراتا ہے جیسے اس کا محبوب کرے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا یہ واقعہ اتباعِ سنت کے اسی والہانہ جذبے کا عکاس ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی توجہ اور سکون سے وضو فرمایا۔ جب وضو سے فارغ ہوئے تو اچانک آپ کے لبوں پر ایک دلنواز مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہاں موجود لوگ حیران رہ گئے کیونکہ نہ تو وہاں کوئی ایسی بات ہوئی تھی جس پر ہنسی آئے اور نہ ہی آپ کسی سے محوِ گفتگو تھے۔

کسی نے حیرت سے پوچھا:

”اے امیر المؤمنین! آپ اس وقت کیوں مسکرائے؟ جبکہ نہ تو کوئی بات ہوئی اور نہ ہی کوئی مزاحیہ تذکرہ؟“

آپ رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ رہتی دنیا تک کے عاشقوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

”مجھے کسی بات یا کسی شخص سے کیا غرض! بات صرف اتنی ہے کہ ایک بار میں نے حضورِ اکرم ﷺ کو اسی جگہ بیٹھ کر اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا۔ جب آپ ﷺ وضو سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کے لبِ مبارک پر اسی طرح مسکراہٹ آئی تھی۔ بس! میں تو اپنے

محبوب ﷺ کی اسی ادا کو دہرا رہا ہوں اور اسی یاد میں مسکرا رہا ہوں"۔[1]

عشقِ عثمان کی انفرادیت:

یہ مسکراہٹ کسی دنیاوی خوشی کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ یہ "یادِ مصطفیٰ ﷺ" کا صدقہ تھی۔

- **بے غرض محبت:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں پوچھا کہ حضور ﷺ کیوں مسکرائے تھے؟ ان کے لیے بس اتنا کافی تھا کہ "میرے آقا ﷺ مسکرائے تھے"۔
- **اداؤں کی نقل:** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اصل بندگی یہ تھی کہ خود کو مٹا کر محبوب کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔
- **حیا اور وفا:** جسے فرشتے دیکھ کر حیا کرتے تھے، وہ ہستی مصطفیٰ ﷺ کی ایک ایک ادا پر فدا تھی۔

اس تعلقِ عشقی کا اظہار تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں جھلکتا تھا۔

❁❁❁

---

[1]- مسند احمد بن حنبل، جلد 1، صفحہ 58، رقم: 415۔سنن نسائی (الکبریٰ)، رقم: 147۔مجمع الزوائد، امام ہیثمی، جلد 1، صفحہ 230۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

وہ عظیم سخی جن پر جنت واجب ہوگئی:

تاریخِ اسلام کے صفحات اس بات پر گواہ ہیں کہ جب بھی اسلام پر مشکل وقت آیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کے ڈھیر اللہ کی راہ میں بچھا دیے۔

یہ وہ دور تھا جب مسلمان شدید قحط اور تنگدستی کا شکار تھے۔ شدید گرمی، لمبا سفر اور وسائل کی کمی؛ ایسے میں اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ صرف مال کا صدقہ نہیں تھا، بلکہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور دینِ حق کی بقا کا امتحان تھا۔

جیسے ہی حضور ﷺ نے پکارا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تڑپ کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں سو (100) اونٹ مع ساز و سامان اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔"

حضور ﷺ نے دوبارہ ترغیب دی، تو تڑپ کر پھر عرض کی:

"یارسول اللہ! میری طرف سے دوسو (200) اونٹ حاضر ہیں۔"

جب تیسری بار پکارا گیا، تو آپ کی تڑپ اور سخاوت عروج پر تھی، عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں تین سو (300) اونٹ، ان کے پالان اور مکمل سامانِ سفر کے ساتھ پیش کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صرف اونٹ پیش کر کے خاموش نہیں بیٹھے، بلکہ آپ نے ایک ہزار سونے کے دینار حضور ﷺ کی گود میں ڈھیر کر دیے۔

منظر کتنا دلکش ہوگا جب کائنات کے والی ﷺ اپنے ہاتھوں سے ان دیناروں کو الٹ پلٹ رہے تھے اور ان کے چہرۂ انور پر خوشی کی لہر تھی۔ اس وقت زبانِ نبوت سے وہ

الفاظ نکلے جو رہتی دنیا تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت کی مہر بن گئے:

"آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔[1] (یعنی اللہ نے ان کے پچھلے اور اگلے تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا اور ان کا ٹھکانہ جنت یقینی کر دیا)۔

خلاصہ کلام:

ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جیشِ عسرہ (غزوہ تبوک کی تیاری) کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس قدر سخاوت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دنیا ہی میں اللہ کی رضا اور جنت کی قطعی ضمانت عطا فرما دی تھی۔ الفاظِ نبوی ﷺ:

"مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ" (آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں، انہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی)۔

❁❁❁

---

[1] -جامع ترمذی: ابواب المناقب، حدیث نمبر: 3701۔المعجم الکبیر (امام طبرانی): جلد 1، صفحہ 198۔البدایہ والنہایہ (ابن کثیر): جلد 7

سیدنا علی ابن ابی طالب کرم رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی وہ ہے جنہیں بارگاہِ رسالت سے "مولا" (دوست) کا خطاب ملا۔

غزوہ خیبر کا یہ واقعہ محض ایک قلعہ کی فتح کی کہانی نہیں ہے، بلکہ یہ کائنات کے سب سے بڑے سچے محبوب ﷺ کی طرف سے اپنے جان نثار عاشق کے لیے "محبت کی سند" ہے۔

❁❁❁

محبوب ﷺ کی بھوک اور بے قرارِ علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ہر لمحہ حضور ﷺ کی راحت کے لیے وقف تھا۔ ایک دن جب آپ رضی اللہ عنہ نے امام الانبیاء ﷺ کے چہرۂ انور پر بھوک کے اثرات دیکھے، تو آپ کا دل تڑپ اٹھا، مگر اس وقت گھر میں کچھ نہ تھا۔ اپنے محبوب کے شکمِ مبارک کی بھوک مٹانے کے لیے آپ رضی اللہ عنہ فوراً کام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ ایک یہودی کے باغ میں پہنچے اور اس سے مزدوری کا معاملہ کیا۔ اس دور میں کھیتی کو پانی دینا ایک سخت ترین کام تھا، مگر عشق نے اس مشقت کو آسان کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کنویں سے پانی نکالنا شروع کیا:

آپ نے نہایت محنت سے سترہ (17) ڈول کھینچ کر نکالے اور کھیتی کو سیراب کیا۔

اس سخت مزدوری کے عوض آپ کو اجرت میں سترہ کھجوریں ملیں۔

وہ کھجوریں لے کر آپ رضی اللہ عنہ اپنی تکلیف بھولے ہوئے سیدھے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ نذرانہ پیش کر دیا۔ جب رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے جاں نثار

بھائی اور داماد کی یہ محنت دیکھی تو آپ ﷺ نے ایک ایسا سوال کیا جس نے علی رضی اللہ عنہ کی ساری تھکن دور کر دی:

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

" أَحَمَلَكَ عَلَى هَذَا حُبُّ اللهِ وَرَسُولِهِ؟ "

"اے علی! کیا تمہیں اس (سخت مزدوری) پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے آمادہ کیا ہے؟"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ!"

جی ہاں! یارسول اللہ ﷺ (یہ سب آپ کی محبت کا ہی صدقہ ہے)۔[1]

❁❁❁

عشقِ حیدر رضی اللہ عنہ اور سورج کا امتحان

واقعہ عشقِ صادق اور مقامِ نبوت کی معرفت کا وہ عظیم شاہکار ہے جسے تاریخِ اسلام میں "واقعہِ ردِّ شمس" (سورج کا پلٹنا) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں گزرا ہوا لمحہ ضائع نہیں ہوتا، بلکہ اللہ جل جلالہ اپنے محبوب کے غلاموں کے لیے کائنات کے اٹل قوانین بھی بدل دیتا ہے۔

اس رقت آمیز واقعے کی منظر کشی درج ذیل ہے:

---

[1]- ترمذی، السنن، کتاب صفۃ القیامۃ، رقم: 2473۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الرہون، باب اجر الاجراء، رقم: 2447

غزوہِ خیبر کے دوران مقامِ صہباء پر ایک ایسی شام آئی جس نے بندگی اور محبت کے نئے معیار قائم کر دیے۔ حضور رحمتِ عالم ﷺ تھکاوٹ کی وجہ سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں سرِ مبارک رکھ کر استراحت فرما (سو) گئے۔

عصر کا وقت تھا، سورج ڈھل رہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی نماز ادا نہیں کی تھی۔ عقل کہتی تھی کہ ہلکی سی جنبش دیں اور نماز پڑھ لیں، مگر عشقِ حیدر پکار اٹھا:

"عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ"

مصطفیٰ ﷺ کے سامنے اپنی عقل کو قربان کر دو

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ کائنات کی سب سے قیمتی متاع یعنی "سرِ انور" میری گود میں ہے، میں اسے کیسے جنبش دوں؟ انہوں نے نماز کو محبوب کے آرام پر قربان کر دیا۔

ایک طرف آفتابِ نبوت (حضور ﷺ) گود میں جلوہ فرما تھے اور دوسری طرف آفتابِ جہاں تاب (سورج) تیزی سے غروب ہو رہا تھا۔ جب سورج بالکل ڈوب گیا اور نماز قضا ہو گئی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔ ایک قطرہ حضور ﷺ کے چہرہِ انور پر گرا تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: "علی! کیا بات ہے؟ کیوں رو رہے ہو؟" عرض کیا: آقا! آپ کی خدمت اور آرام کے پیشِ نظر میری نمازِ عصر قضا ہو گئی۔

حضور ﷺ نے جب اپنے غلام کی یہ تڑپ دیکھی، تو کائنات کے مالک کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا دیے۔ آپ ﷺ کے الفاظ پر غور کیجیے:

"اَللّٰهُمَّ! إِنَّ عَلِيًّا كَانَ فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُولِكَ، فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسَ."

"اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا، پس اس کے

لیے سورج کو واپس پلٹا دے"۔[1]

سبحان اللہ! آرام مصطفیٰ ﷺ فرما رہے تھے، مگر اسے "اللہ کی اطاعت" قرار دیا گیا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ کی خدمت کرنا اصل میں اللہ ہی کی بندگی ہے۔

ابھی دعا کے لیے اٹھے ہاتھ نیچے بھی نہ آئے تھے کہ ڈوبا ہوا سورج حکمِ الٰہی سے واپس پلٹ آیا۔ افق پر دوبارہ عصر کی روشنی پھیل گئی، جیسے سورج کبھی ڈوبا ہی نہ تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اطمینان سے نمازِ عصر ادا کی اور جب نماز مکمل ہوئی تو سورج دوبارہ غروب ہو گیا۔

حاصلِ عشق:

یہ واقعہ ہمیں دو بڑے سبق دیتا ہے:

- **نمازِ علی رضی اللہ عنہ:** حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ نماز جو سورج پلٹنے کے بعد ادا ہوئی، کائنات کی انوکھی ترین نماز بن گئی کیونکہ وہ "قضا" نہیں تھی بلکہ "ادائے خاص" تھی۔
- **اختیارِ مصطفیٰ ﷺ:** اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کو وہ مقام عطا فرمایا ہے کہ آپ کے ایک اشارے اور دعا پر نظامِ شمسی بھی اپنی سمت بدل لیتا ہے۔

❁❁❁

---

[1] - امام طحاوی، مشکل الآثار (2/388)۔ امام ہیثمی، مجمع الزوائد (8/297)۔ علامہ سیوطی، الخصائص الکبریٰ (2/82)

بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور مدینہ کا وہ کہرام

(عشقِ بلالی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ)

جب "اسیرِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"، سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ چہرہِ انور جس کے لیے وہ اذان دیا کرتے تھے، اب نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے، تو ان کی تڑپ کی کوئی حد نہ رہی۔

ظہر کی اذان کا وقت ہوا، بلال رضی اللہ عنہ ممبر پر چڑھے، مگر جب " اشھد ان محمداً رسول اللہ " پر پہنچے تو نگاہیں اس جگہ کو ڈھونڈنے لگیں جہاں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔ آواز گلے میں پھنس گئی، سسکیاں بندھ گئیں اور بے ساختہ رو پڑے، مشکل سے اذان پوری ہوئی، نیچے اترے، کہا:

"سن لو! میں قسم کھاتا ہوں، نبی کے بعد اب کسی کے لیے اذان نہیں دوں گا۔"

اور کچھ دنوں کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے: ابوبکر! اب میرا دل نہیں لگتا آپ کے بغیر مدینہ میں، مجھے جہاد کی اجازت دے دو۔ انہوں نے پہلے تو روکا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سفارش کی: جانے دو، پریشان ہے۔ اجازت مل گئی۔

سال گزر گئے، بلال رضی اللہ عنہ شام کے ویرانوں میں جا بسے، مگر ایک رات خواب میں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار ہوا:

"بلال! یہ کیسی بے وفائی ہے؟ کیا ہمیں ملنا ہی چھوڑ دیا؟"

تڑپ کر اٹھے، اونٹنی تیار کی اور اکیس دن کا سفر ایک ہفتے میں طے کر کے مدینہ پہنچے۔ مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوتے ہی پکارنے لگے:

"یا رسول اللہ! میں آ گیا ہوں، آپ کا بلال آ گیا ہے!"

جب روضہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچے تو ڈھیر ہو گئے، مٹی پر لوٹنے لگے اور چیخ مار کر کہا:

"یا رسول اللہ! میں تو آ گیا ہوں، آپ کہاں ہیں؟"

نماز کا وقت ہوا تو حسنین کریمین شریفین رضی اللہ عنہم، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راج دلارے آئے اور عرض کیا:

"چچا بلال! آج ایک بار ویسے ہی اذان دے دیں جیسے ہمارے نانا کے لیے دیتے تھے۔"

بلال رضی اللہ عنہ کی چیخیں نکل گئیں، کہا:

"شہزادو! تم تو میرے آقا ہو، تمہارے لیے تو میں اپنی قسم بھی توڑ دوں گا۔"

اس کے بعد سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ جب اس انصاری رضی اللہ عنہا خاتون کے گھر کی چھت پر کھڑے ہوئے، جہاں سے وہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اذان دیا کرتے تھے، تو گویا وقت کی گردش تھم گئی۔ پورا مدینہ سکتہ میں تھا اور ہر آنکھ اس سیاہ فام عاشق کی طرف لگی تھی جس کے سینے میں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا۔

جیسے ہی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لب کھلے اور" اللہ اکبر، اللہ اکبر " کی صدا فضاؤں میں لہرائی، تو مدینہ کے در و دیوار لرز اٹھے۔ یہ محض ایک پکار نہ تھی، بلکہ یہ برسوں کے ہجر و فراق کا وہ نچوڑ تھا جو ایک چیخ بن کر نکلا تھا۔

وہ پردہ نشین مستورات جو برسوں سے گھروں کی چلمنوں سے باہر نہ نکلی تھیں، اس آواز کو سنتے ہی دیوانہ وار گلیوں میں نکل آئیں؛ کسی کو چادر کا ہوش نہ رہا، کسی کو جوتے کی خبر نہ رہی۔

ہر زبان پر ایک ہی سوال تھا: "أَبُعِثَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟" (کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے ہیں؟)۔

مدینہ کا بچہ بچہ روتا ہوا مسجدِ نبوی کی طرف دوڑ پڑا، گویا مردوں میں جان پڑ گئی ہو اور اجڑی ہوئی بستیاں دوبارہ بسنے لگی ہوں۔

اذان جب اس مقام پر پہنچی کہ جہاں محبوب ﷺ کا نامِ نامی آنا تھا، تو فنائیت کا وہ منظر دیدنی تھا کہ جس پر فرشتے بھی اشکبار ہو گئے۔

بلال رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کہنا چاہا، ان کی نظریں بے ساختہ اس محراب و منبر کی طرف اٹھ گئیں جہاں کبھی وہ "جمالِ جہاں آرا ﷺ" جلوہ افروز ہوا کرتا تھا۔ وہ چہرہ نظر نہ آیا تو بلال رضی اللہ عنہ کی ہچکی بندھ گئی، ان کے حلق میں آواز پتھر بن گئی، اور وہ دھاڑیں مار مار کر اس طرح روئے کہ دیکھنے والوں کو لگا کہ شاید بلال رضی اللہ عنہ کی روح ابھی قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی۔

اہلِ مدینہ کا حال اس وقت یہ تھا کہ بوڑھے اپنی داڑھیاں پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئے، جوانوں کے سینے سے آہیں نکلنے لگیں اور پوری فضا "یا رسول اللہ! یا رسول اللہ!" کی صداؤں سے معمور ہو گئی۔ احد کا پہاڑ بلال رضی اللہ عنہ کے اس درد بھرے لہجے سے لرز رہا تھا اور مسجدِ نبوی کا ایک ایک ستون اس ہجر کی تپش کو محسوس کر رہا تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب مدینہ کا ہر باسی اپنی ہستی کو بھول کر "فنا فی الرسول ﷺ" کی تصویر بن چکا تھا۔

اس دن مدینہ نے دوبارہ وصالِ نبوی ﷺ کے صدمے کو محسوس کیا۔ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان نے ثابت کر دیا کہ جس کے کانوں میں ایک بار "اذانِ محمدی" رس گھول دے، پھر اسے دنیا کی کوئی موسیقی متاثر نہیں کر سکتی۔

وہ اذان کیا تھی، وہ تو اسیرانِ جمال کی تڑپ کا وہ نوحہ تھا جس نے زمین سے عرش تک ایک آگ لگا دی تھی۔[1]

[1] - (تہذیب الکمال للمزی: 289/4، صفة الصفوة لابن الجوزی: 175/1)

❁❁❁

بیت المقدس کی فتح اور عزت کا ابدی معیار:

جہاں شاہی غلامی کے قدم چومتی ہے

غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ لازوال سلطنت ہے جس کے سامنے قیصر و کسریٰ کے تاج وتخت محض مٹی کے ڈھیر ہیں۔

کائنات کی تاریخ نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب دنیا فتحِ بیت المقدس کا جشن منا رہی تھی، تو "اسیرانِ جمال" اپنے محبوب کی یاد میں سسکیاں بھر رہے تھے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ثابت ہوا کہ حقیقی عزت منصب کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ یہ تو "محمدی مہر" کی خیرات ہے جو کسی حبشی غلام کو بھی کائنات کا امام بنا دیتی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

"تاریخِ عالم نے وہ منظر بھی دیکھا کہ جب حق و باطل کا معرکہ بیت المقدس کی فصیلوں کے سائے تلے برپا تھا۔ عیسائیوں نے جب مسلمانوں کا آہنی عزم دیکھا، تو وہ دفاع سے دستبردار ہو گئے مگر ایک عجیب شرط پیش کر دی۔

انہوں نے قلعے کی دیواروں سے پکار کر کہا:

"ہماری قدیم کتابوں میں اس شہرِ مقدس کو فتح کرنے والے کی نشانیاں لکھی ہیں؛ اگر تمہارا امیر وہی ہے جس کا تذکرہ ہماری بشارتوں میں ہے، تو ہم بخوشی چابیاں تمہارے حوالے کر دیں گے، ورنہ ہم آخری دم تک لڑیں گے مگر شہر حوالے نہیں کریں گے۔"

آزمائشِ بصیرت اور مصلحتِ جنگ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ عجیب و غریب شرط سنی، تو مصلحتِ وقت کے تحت ایک تدبیر اختیار کی۔ چونکہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شباہت میں مماثلت تھی، اس لیے "الحرب خدعة" (جنگ چال کا نام ہے) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بطورِ امیر پیش کیا گیا۔

عیسائی پادریوں اور راہبوں نے قلعے کی فصیل سے اپنی کتب کے اوراق پلٹے، خالد رضی اللہ عنہ کے رعب دار چہرے کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا کر پکار اٹھے:

"یہ اس جیسا تو ہے، مگر وہ نہیں ہے جس کی خبر ہمیں دی گئی ہے۔ جاؤ! اور اپنے اس اصلی امیر کو بلاؤ جس کا جاہ و جلال ہماری کتابوں کی زینت ہے۔"

مدینہ منورہ خط بھیجا گیا تو مجلسِ شوریٰ میں بحث چھڑ گئی۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ امیر المومنین کو اتنے طویل سفر کی زحمت دینے کی ضرورت نہیں، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور فتح ہماری ہی ہوگی۔

مگر اس نازک موڑ پر بابِ العلم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی بصیرت بول اٹھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے عمر! اگر تمہارے ایک سفر سے مسلمانوں کا خون بچتا ہے اور بغیر تلوار اٹھائے یہ مقدس شہر فتح ہوتا ہے، تو تمہیں ضرور جانا چاہیے۔"

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس حکیمانہ مشورے کو سینے سے لگایا اور فرمایا: "ہاں! علی (رضی اللہ عنہ) سچ کہہ رہے ہیں۔"[1]

---

[1]- تاریخ الطبری: 158/4، البدایہ والنہایہ: 55/7۔

جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے، تو عیسائیوں کے بڑے پادریوں نے دور سے اس "درویشِ باصفا" کو دیکھا جس کے لباس پر پیوند تھے، جس کے چہرے پر خشیتِ الٰہی کا نور تھا اور جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے تھے۔

انہوں نے دیکھتے ہی پکارا:

"ہاں! یہی ہے وہ سچا فاتح جس کا تذکرہ ہماری کتابوں میں موجود ہے!"

انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا اور شہر کی چابیاں اس ہستی کے سپرد کر دیں جس نے اپنی زندگی "جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کے سانچے میں ڈھال لی تھی۔

بیت المقدس کی چابیاں وصول کرنے کے بعد جب نماز کا وقت ہوا، تو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں ایک ہی تڑپ تھی کہ کاش!

آج اس مقدس سرزمین پر وہی آواز گونجے جس نے مدینہ کی فضاؤں میں رس گھولا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! آج بیت المقدس کی پہلی اذان بلال رضی اللہ عنہ سے کہلوائیں۔"

ذرا اس منظر کی تابنا کی تو دیکھیے! وہ عمر رضی اللہ عنہ، جن کے جاہ و جلال سے زمین لرزتی تھی اور جن کے سائے سے شیطان راستہ بدل لیتا تھا، وہ اس گمنام حبشی کے بیٹے کے سامنے ہاتھ باندھ کر، آنکھوں میں التجا لیے کھڑے ہو گئے اور کمالِ محبت سے پکارا:

"سَیِّدُنَا بِلَال! یَا سَیِّدَنَا بِلَال!"

"(اے ہمارے آقا بلال!)، ہمارے لیے نہ سہی، اس تڑپتے ہوئے مجمع کی خاطر، ان بے قرار دلوں کی تسکین کے لیے آج ایک اذان دے دو۔"[1]

---

[1] صحیح بخاری: 3754 - حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بلال رضی اللہ عنہ کو "سیدنا" کہنا۔

چٹان پر اذان اور فدائیت کا عالمِ جذب:

بلال رضی اللہ عنہ، جو برسوں پہلے اذان دینا چھوڑ چکے تھے، اپنے آقا کے حکم پر جب اس تاریخی چٹان پر چڑھے جہاں سے انوارِ الٰہی کا نزول ہوتا تھا، تو فدائیت کا وہ عالم تھا کہ قدوسیوں کے دل بھی دہل گئے۔

جیسے ہی بلال رضی اللہ عنہ کے لبوں سے "اللہ اکبر" کی صدا نکلی، تو چالیس ہزار کا وہ عظیم الشان لشکر، جس نے بڑے بڑے قلعے مسمار کیے تھے، ایک لمحے میں ریت کی دیوار ثابت ہوا۔

پورا لشکر، سپہ سالار سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک، زمین پر گر کر دھاڑیں مار مار کر اس طرح رونے لگا جیسے ان کا سب کچھ لٹ گیا ہو۔

ہر ایک کو وہ نبوی دور یاد آ گیا جب یہ آواز مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میناروں سے اٹھتی تھی اور محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممبر پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کیا تھی، وہ تو سوئے ہوئے جذبوں کو بیدار کرنے والا وہ صور تھا جس نے ہر اسیرِ جمال کو دوبارہ مدینہ کی گلیوں میں پہنچا دیا۔[1]

عزت کا معیار: منصب یا غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟

لوگو! یاد رکھنا، عزت صدر یا وزیرِ اعظم یا دنیا کا کوئی منصب حاصل کرنے میں نہیں، اور نا ہی دنیائی مال و دولت کے حصول میں اور نا ہی طاقت اور غرور میں ہے۔ اگر تمہاری پیشانی پر "غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا نشان نہیں، تو تم کوڑے کے ڈھیر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

---

[1] -فتوح الشام للواقدی: 1/244۔

✿ وہ **ابولہب** جو قریشی تھا، سید تھا، ہاشمی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سگا چچا تھا، مگر جب اس نے بے وفائی کی تو قرآن نے اسے ابدی ذلت کا ایندھن بنا کر "**تبت یدا**" کا طوق پہنا دیا۔

✿ اور وہ **بلال** رضی اللہ عنہ جو ایک گمنام حبشی کا بیٹا تھا، جس کے حسب و نسب کا تاریخ کو علم نہیں، اسے وہ مقام ملا کہ کائنات کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن سب سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا، میرے دائیں ابوبکر ہوں گے، بائیں عمر ہوں گے، اور بلال میرے قدموں سے اٹھایا جائے گا! وہ براق پر نہیں بلکہ سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر میرا نقیب بن کر چلے گا۔"

"اور میرے لیے براق آئے گا، میں اس پہ سوار ہوں گا۔ بلال کے لیے سرخ اونٹنی آئے گی، وہ اس پہ سوار ہو کر میرے آگے "ایز اے ڈرائیور" چلے گا۔ اور جب میدانِ محشر میں دنیا اکٹھی ہو گی تو اللہ، خود اللہ، خود اللہ بلال سے کہے گا: اونٹنی پہ کھڑے ہو کے اذان دے۔ بلال اذان دیں گے، سارا محشر سنے گا"۔ [1]

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

✿✿✿

[1] - (المعجم الکبیر للطبرانی: 1/334، مجمع الزوائد: 9/227۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ:

وہ جن کے "عشق" کی گواہی خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں ہر رنگ کے ستارے موجود تھے۔ کچھ نہایت سنجیدہ تھے تو کچھ زندہ دل اور خوش مزاج۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ اپنی خوش طبعی اور ظرافت (مذاق) کی وجہ سے مشہور تھے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! عبداللہ بہت زیادہ ہنسی مذاق کرتے ہیں اور (بسا اوقات) ایسی باتیں کرتے ہیں جن کا بظاہر کوئی مقصد نظر نہیں آتا"۔

گویا ان کی اس ظاہری شوخی کو ایک خامی کے طور پر پیش کیا گیا تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے۔

جب یہ شکایت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک کے گناہگاروں اور محبت کرنے والوں کے لیے ڈھارس بن گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو (یعنی ان پر تنقید نہ کرو)۔ ان کے اندر ایک ایسی پوشیدہ خوبی ہے جو سب پر بھاری ہے، اور وہ یہ کہ یہ "اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت" کرتے ہیں۔"[1]

---

[1] -اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر): زیرِ تذکرہ "عبداللہ بن حذافہ السہمی"۔
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر): جلد 3، صفحہ 892۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادین:

وہ خوش نصیب جنہیں خود مصطفیٰ ﷺ نے قبر میں اتارا

کچھ لوگ دنیا میں گمنام ہوتے ہیں لیکن آسمانوں پر ان کے چرچے ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ بھی ایک ایسے ہی صحابی تھے جن کا دل عشقِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ سے ہر وقت لبریز رہتا تھا۔

ایک رات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (یا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، ایک روایت کے مطابق) پہرہ دے رہے تھے کہ انہوں نے سنا کہ کوئی شخص بہت اونچی آواز میں قرآن پڑھ رہا ہے۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ دکھاوا (ریاکاری) ہے، لیکن جب حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے اس جاں نثار کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

ایک رات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (یا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، ایک روایت کے مطابق) پہرہ دے رہے تھے کہ انہوں نے سنا کہ کوئی شخص بہت اونچی آواز میں قرآن پڑھ رہا ہے۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ دکھاوا (ریاکاری) ہے، لیکن جب حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے اس جاں نثار کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

"**خاموش ہو جاؤ!** یہ ریاکار نہیں، یہ تو "**آوَّاہٌ**" (اللہ کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرنے والا) ہے۔ یہ عبداللہ ذوالبجادین ہے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سچی محبت کرتا ہے۔"

جب مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، تو کائنات کے سردار ﷺ خود ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، کیونکہ اللہ نے ان کے ساتھ نرمی فرمائی ہے۔ یہ وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق میں فنا تھا۔"

قبر میں اترنے کا اعزازِ عظیم:

تاریخِ انسانی نے وہ منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا جب قبرستانِ بقیع میں قبر کھودی جا رہی تھی اور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قبر کے اندر اترے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے قبر کو درست کیا اور فرمایا:

"ان کی قبر کو خوب کشادہ بناؤ، کیونکہ اللہ نے ان کے لیے جنت میں کشادگی فرما دی ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قبر میں موجود ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرما رہے ہیں: "اپنے بھائی کو میرے قریب کرو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے قبر میں لٹایا اور پھر بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر یہ تاریخی دعا مانگی:

"اے اللہ! میں آج رات اس سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

یہ دیکھ کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پکار اٹھے:

"کاش! آج اس قبر میں عبداللہ کی جگہ میں ہوتا"۔[1]

ہمارے لیے پیغام (جذبہِ عمل):

- **سادگی اور سچائی:** حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خاطر اپنی ساری دولت چھوڑ دی تھی اور صرف دو کمبل (بجاد) اوڑھ کر آئے تھے، اسی لیے اللہ نے انہیں وہ مقام دیا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے دعا گو ہوئے۔
- **محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت:** اگر دل میں سچی تڑپ ہو، تو ظاہری اعمال کی کمی کو بھی اللہ جل جلالہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے قبول فرما لیتا ہے۔

---

[1] -السیرۃ النبویہ (ابن ہشام): تذکرہ غزوہ تبوک و وفاتِ ذوالبجادین۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر): جلد 5، تذکرہ وفاتِ عبداللہ ذوالبجادین۔

❁ **خاموشی سے نیکی:** لوگ چاہے ہمیں ریاکار کہیں یا کچھ اور، اگر ہمارا رب اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے راضی ہیں، تو ہمیں کسی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

آیئے! ہم بھی اپنے رب کی یاد میں تڑپنا سیکھیں اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ رضا حاصل کریں جو قبر کی تنہائیوں میں ہمارا سہارا بنے۔

❁❁❁

جسمِ اطہر کا بوسہ اور آخری تمنا:

حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کا انوکھا اندازِ محبت

میدانِ بدر سجا ہے، حق و باطل کے درمیان پہلا معرکہ بپا ہونے کو ہے۔ فضا میں تکبیر کے نعرے ہیں اور صحابہ کرام کے چہروں پر شہادت کی تڑپ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستِ مبارک میں ایک چھڑی (تیر یا کمان) لیے صفوں کو سیدھا فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ انتخاب ہر سپاہی کے نظم وضبط پر ہے۔

اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر بنو عدی بن نجار کے حلیف، حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا۔ وہ صف سے ذرا آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیٹھ (یا پیٹ) پر لکڑی سے ہلکا سا کچوکا دیا اور فرمایا:

"اے سواد! برابر ہو جاؤ۔"

دنیا دیکھ رہی تھی کہ ایک طرف سپہ سالارِ اعظم ہیں اور دوسری طرف ایک سپاہی۔

لیکن سواد رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔ انہوں نے عرض کی:

"یارسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے، حالانکہ اللہ نے آپ کو حق اور عدل

کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا مجھے اس کا بدلہ (قصاص) لینے دیجئے!"

قربان جائیے اس عظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عدل پر! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذرا بھی تامل نہ فرمایا اور اپنا شکمِ مبارک (کمیص مبارک ہٹا کر) ظاہر کر دیا اور فرمایا: "سواد! بدلہ لے لو"۔

جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا بدنِ اطہر ظاہر کیا، حضرت سواد رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے بجائے تڑپ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لپٹ گئے اور شکمِ مبارک کا بوسہ لینے لگے۔ فضا میں ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حیرت اور شفقت سے پوچھا: "سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟"

حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا، وہ رہتی دنیا تک عشاق کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔ انہوں نے عرض کی:

"یا رسول اللہ! جو مرحلہ (میدانِ جنگ) درپیش ہے، اسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں زندہ بچوں گا یا شہید ہو جاؤں گا۔ میری بس یہ تمنا تھی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت میرا بدن آپ کے بدنِ مبارک کو چھو جائے اور میری آخری ملاقات اس حال میں ہو کہ میں آپ کے قرب میں ہوں"۔

یہ سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل بھر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔[1]

❁❁❁

---

[1]: اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 1008 مؤلف: ابو الحسن عز الدین ابن الاثیر، ناشر: المیزان ناشران و تاجران کتب لاہور۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کی محبت کو اپنی محبت سے مقدم رکھنا

فتحِ مکہ کا تاریخی دن ہے، کعبہ بتوں سے پاک ہو چکا ہے اور رحمتِ عالم ﷺ کی آغوشِ رحمت ہر ایک کے لیے کھلی ہے۔ اسی دوران تاریخِ اسلام کا وہ جذباتی منظر پیش آتا ہے جو رہتی دنیا تک "فنافی الرسول" کی اعلیٰ ترین مثال رہے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ضعیف العمر والد، حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو لے کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی بینائی جا چکی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے بال سفید ہو چکے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو شفقت سے فرمایا:

"اے ابوبکر! تم نے شیخ کو گھر ہی کیوں نہ رہنے دیا، میں خود ان کے پاس چلا جاتا"۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! حق تو یہ تھا کہ یہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

جب حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک میں دیا تاکہ بیعت کر سکیں، تو اچانک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہچکی بندھ گئی اور وہ زاروقطار رونے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے حیرت سے پوچھا: اے ابوبکر! آج تو خوشی کا دن ہے، تمہارے والد اسلام لا رہے ہیں، تم کیوں روتے ہو؟

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا، وہ رہتی دنیا تک کے عشاق کے لیے ایمان کی روح ہے:

"یا رسول اللہ! (میں اس لیے رو رہا ہوں کہ) کاش! اس وقت میرے والد کے

ہاتھ کی جگہ آپ کے چچا (ابو طالب) کا ہاتھ ہوتا اور وہ بیعت کر رہے ہوتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی فرماتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنی خوشی اپنے چچا کے اسلام لانے سے ہوتی، وہ میرے لیے اپنے باپ کے اسلام لانے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہوتی"۔

ایمان کی معراج:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ بات واضح کرتی ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا دل اپنے سگے باپ کی خوشی سے زیادہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلِ مبارک کی تسکین کا متلاشی تھا۔ انہیں اپنے باپ کے مسلمان ہونے پر اتنی خوشی نہ تھی، جتنی تڑپ اس بات کی تھی کہ کاش وہ لمحہ ہوتا جس سے ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم دور ہو جاتا۔[1]

❁❁❁

[1] -المعجم الكبير للطبراني (14/1249:)۔ مجمع الزوائد: (جلد 6، صفحہ 174)

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا عشقِ صادق:

جب خطاب کے بیٹے نے مصطفیٰ ﷺ کی خوشی کو اپنا لیا

میدانِ بدر کا معرکہ ختم ہو چکا ہے، اسلام کو پہلی عظیم فتح نصیب ہوئی ہے اور قریش کے بڑے بڑے سردار قیدی بن کر لائے گئے ہیں۔ ان قیدیوں میں ایک قد آور شخصیت رسول اللہ ﷺ کے چچا، حضرت عباس بن عبد المطلب کی بھی ہے، جنہیں انصارِ مدینہ نے قید کر رکھا ہے۔

اس رات مدینہ کے خیموں میں فتح کا جشن ہونا چاہیے تھا، لیکن رحمتِ عالم ﷺ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ آپ ﷺ اپنے چچا کی جان کے خطرے اور انصار کی اس دھمکی سے بے چین تھے کہ وہ عباس کو قتل کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے اپنی دلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"آج رات میں اپنے چچا عباس کی وجہ سے سو نہیں سکا، کیونکہ انصار نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے"۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جو حق و باطل کے معاملے میں حد درجہ سخت تھے، اپنے آقا ﷺ کی یہ بے چینی نہ دیکھ سکے۔ عرض کی: "یا رسول اللہ! کیا میں انصار کے پاس جا کر عباس کو لے آؤں؟" آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصار کے پاس پہنچے اور فرمایا: "عباس کو چھوڑ دو"۔ انصار نے اپنی غیرتِ ایمانی اور دشمن سے بدلے کے جوش میں صاف انکار کر دیا: "اللہ کی قسم! ہم انہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے"۔

لیکن جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے وہ بات کہی جو ہر صحابی کے دل کی دھڑکن تھی، تو منظر بدل گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"اگر ان کے چھوڑنے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشی ہو، تو پھر تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

یہ سنتے ہی انصار کے سر جھک گئے اور محبت پکار اٹھی: "اگر اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی ہے، تو پھر تم انہیں لے جاؤ"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو چھڑایا، لیکن ان کے دل میں ایک تڑپ باقی تھی کہ کاش! یہ چچا مسلمان ہو جائیں تاکہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر وہ جملہ کہا جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے:

"اے عباس! مسلمان ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! تمہارا مسلمان ہونا مجھے اپنے باپ (خطاب) کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ محبوب ہے! اور اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارا مسلمان ہونا بہت زیادہ پسند ہے۔"[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا اسلام لے آؤ تمہارا اسلام لانا مجھے (اپنے باپ) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اسلام لانے میں سبقت حاصل ہو جائے۔[2]

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی کام کو کروانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت زیادہ تقاضا کیا اور ان سے کہا اے امیر المومنین! آپ ذرا

---

[1] -المعجم الكبير للطبراني (رقم الحديث: 1249 - 14)۔سیر اعلام النبلاء (الامام الذهبي)۔مجمع الزوائد للهيثمي۔

[2] -عند ابن عساكر كذا في الكنز العمال ٤:٣٩

یہ بتائیں کہ اگر آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا مسلمان ہو کر آتے تو آپ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ کیا کرتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا ہوں۔ حضرت عمر ہی نے کہا اے ابوالفضل (یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) آپ کا کیا خیال ہے؟

"اللہ کی قسم! آپ رضی اللہ عنہ کے والد مجھے اپنے والد سے زیادہ محبوب ہیں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا واقعی اللہ کی قسم؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ اللہ کی قسم! کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے والد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے والد سے زیادہ محبوب ہیں اور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دیتا ہوں۔[1]

❀❀❀

[1] - عند ابن عساكر كذا في الكنز العمال ٤:٣٩

عشقِ علی رضی اللہ عنہ اور نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:
جب عقل ہار گئی اور عشق جیت گیا

تاریخِ اسلام کے اوراق یوں تو بے شمار قربانیوں سے بھرے پڑے ہیں، مگر صلح حدیبیہ کے مقام پر محبت اور ادب کا جو شاہکار سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رقم کیا، وہ رہتی دنیا تک عشاق کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

میدانِ حدیبیہ میں جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا، تو کاتبِ تقدیر نے قلم علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھمایا۔ آپ نے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ لکھے:

"هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ"

یہ وہ معاہدہ ہے جو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طے فرمایا۔

مگر دشمنِ رسول سہیل بن عمرو کو اس لفظ "رسول اللہ" سے چڑ تھی۔ اس نے اعتراض کیا: "اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا؟ اس لفظ کو مٹا دیجیے!"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امن کی خاطر حکم دیا: "اے علی! اسے مٹا دو۔"

سبحان اللہ! یہ لمحہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے زندگی کا کٹھن ترین لمحہ تھا۔ ایک طرف "حکمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" تھا اور دوسری طرف "نامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم"۔ عقل کہہ رہی تھی کہ اطاعتِ رسول میں لفظ مٹا دو، مگر عشق پکار اٹھا:

"علی! جس نام کے صدقے تجھے دو جہان کی عزت ملی، جس نام کی گواہی پر تیرا ایمان قائم ہے، اسے اپنے ہی ہاتھوں سے کیسے مٹائے گا؟"

بالآخر عشق جیت گیا اور حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ نے کمالِ ادب سے سر جھکا کر عرض کیا:

"مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ"

آقا! میں وہ نہیں ہوں جو آپ کے نامِ نامی (رسول اللہ) کو مٹا دے۔[1]

دلوں کے حال جاننے والے آقا ﷺ اپنے جاں نثار کے اس تڑپتے ہوئے دل اور بے پناہ محبت سے آگاہ تھے۔ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے اس "انکار" کو سرکشی نہیں بلکہ "انتہائے عشق" تسلیم فرمایا اور خود اپنے دستِ مبارک سے وہ لفظ مٹا کر صلح نامہ مکمل کیا۔

سچ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا ہر سانس ذکرِ رسول اور ہر دھڑکن عشقِ رسول کے لیے وقف تھی۔

دیکھا کتابِ عشق کے اوراق کھول کر

اول بھی تیرا نام تھا، آخر بھی تیرا نام!

جس ہاتھ نے خیبر کا در اکھاڑا تھا، وہ ہاتھ محبوب کے نام پر لرز گیا۔ یہ شکست نہیں تھی، یہ کائنات کے سب سے بڑے فاتح کی اپنے محبوب کے حضور محبت کی معراج تھی۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زندگی تو شروع سے آخر تک عشقِ رسول ﷺ کی ایک مکمل داستان ہے۔ اگر ہم صلح حدیبیہ کے واقعے کے بعد کسی ایسے واقعے کا ذکر کریں جہاں عقل حیران رہ جائے اور صرف عشق کا راج ہو، تو وہ "ہجرت کی رات" کا منظر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثابت کیا کہ محبوب کے لیے جان دینا، جان بچانے سے زیادہ عزیز ہے۔

❁❁❁

---

[1] صحیح مسلم۔

شبِ ہجرت: موت کی آغوش میں محبت کی نیند

جب قریشِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کا ناپاک منصوبہ بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا، تو اللہ کے حکم سے ہجرت کا وقت آن پہنچا۔ اس نازک ترین موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے سب سے معتمد اور جاں نثار بھائی، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"اے علی! قریش کی امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹانے کے لیے تم یہیں رک جاؤ، اور آج رات میرے بستر پر میری ہری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔"

ذرا اس منظر کی گہرائی پر غور کیجیے! باہر ننگی تلواریں لیے دشمن کھڑے ہیں جن کا مقصد صرف خون بہانا ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے وہ بستر "مقتل" (قتل گاہ) سے کم نہ تھا، مگر علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر خوف کے بجائے ایک عجیب اطمینان تھا۔

پہلا سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سلامت رہیں گے؟

روایات میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ حکم دیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں پوچھا کہ "میرا کیا ہوگا؟" بلکہ والہانہ انداز میں پوچھا:

"یا رسول اللہ! اگر میں یہاں سو جاؤں، تو کیا آپ کی جان سلامت رہے گی؟"

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اثبات میں جواب دیا، تو علی رضی اللہ عنہ نے شکر کا سجدہ کیا اور اس مقتل نما بستر پر ایسے لیٹ گئے جیسے ماں کی گود میں بچہ سوتا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جتنی پرسکون نیند آئی، اتنی زندگی میں کبھی نہ آئی تھی۔ عقل کہتی تھی کہ یہ موت کی سیج ہے، دشمن کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں، مگر عشق پکار رہا تھا:

"علی! جس بستر پر تیرا محبوب سوتا تھا، آج وہاں تجھے سونا نصیب ہوا ہے۔ اس

سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی؟"

اسی واقعے کے متعلق مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ دیکھو! زمین پر میرا ایک بندہ (علی رضی اللہ عنہ) اپنے محبوب کی جان بچانے کے لیے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ...﴾

ترجمہ: اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔[1]

جس وقت کفار نے صبح بستر سے چادر سرکائی تو محمد ﷺ کے بجائے علی رضی اللہ عنہ کو پایا۔ وہ غصے سے تلملا اٹھے اور پوچھا:

"تمہارے نبی کہاں ہیں؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کمالِ جرأت سے جواب دیا: "کیا تم نے انہیں میرے حوالے کیا تھا جو مجھ سے پوچھتے ہو؟"[2]

یہ علی رضی اللہ عنہ کا وہ عشق تھا جس نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا سکھا دیا۔

وہ بسترِ رسول ﷺ پہ سونا علی رضی اللہ عنہ کا تھا
گویا کہ موت سے بھی کھلونا علی رضی اللہ عنہ کا تھا

عشقِ رسول ﷺ کے گلستان میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زندگی کا ہر پھول اپنی مثال آپ ہے۔

---

[1] -سورۃ البقرہ: 207۔

[2] -تاریخ الطبری: ذکرِ ہجرتِ نبوی ا۔المستدرک للحاکم: جلد 3، صفحہ 4۔تفسیر ابنِ کثیر: سورۃ البقرہ، آیت 207 کے تحت۔

ایک اور انتہائی رقت آمیز اور ایمان افروز واقعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر پیش آیا، جہاں علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کی تکلیف اور نبی کریم ﷺ کے لعابِ دہن نے محبت کی ایک نئی داستان رقم کی۔

❁❁❁

عشقِ علی رضی اللہ عنہ اور شفاِ محمدی ﷺ:

جب محبوب کا لعاب امرت بن گیا

خیبر کا قلعہ "قموص" فتح نہیں ہو رہا تھا، بڑے بڑے نامور صحابہ نے کوشش کی مگر کامیابی قدم نہ چوم سکی۔ تب کائنات کے والی ﷺ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جس نے رہتی دنیا تک علی رضی اللہ عنہ کے مقام کو واضح کر دیا:

"کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔"

اگلے دن ہر صحابی کی تمنا تھی کہ یہ سعادت انہیں ملے۔ مگر حضور ﷺ نے پوچھا: "علی کہاں ہیں؟" عرض کیا گیا: "یا رسول اللہ! ان کی آنکھیں اتنی شدید دکھ رہی ہیں کہ وہ کچھ دیکھ بھی نہیں پا رہے (آشوبِ چشم کا شکار ہیں)۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لایا گیا، ان کی آنکھوں میں اتنی تکلیف تھی کہ وہ اپنا راستہ خود نہیں دیکھ سکتے تھے۔

ذرا تصور کیجیے! وہ شیرِ خدا جو میدانِ جنگ میں کسی سے نہیں ڈرا، آج آنکھوں کی تکلیف سے بے بس ہے، مگر جوں ہی محبوب کی آواز سنی، تڑپ کر حاضر ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار کو اس حال میں دیکھا تو تڑپ اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مقدس لعابِ دہن (تھوک مبارک) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لگایا اور دعا فرمائی۔

سبحان اللہ! عشق کا کرشمہ دیکھیے:

- **عقل کہتی ہے:** آشوبِ چشم کو ٹھیک ہونے میں وقت لگتا ہے۔
- **عشق کہتا ہے:** جس آنکھ میں محبوب کا لعاب لگ جائے، اسے اب قیامت تک کوئی تکلیف چھو نہیں سکتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی آنکھوں کی تکلیف نہیں ہوئی اور میری بینائی پہلے سے بھی تیز ہو گئی۔

جھنڈا ہاتھ میں لیتے ہی علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "یا رسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت بھرا جواب دیا اور علی رضی اللہ عنہ نے اس جوشِ عشق میں وہ کارنامہ انجام دیا کہ خیبر کا بھاری بھرکم دروازہ اکھاڑ کر ڈھال بنا لیا۔

وہ شیرِ خدا جس نے کیا خیبر کو مسخر
محبوب کی چوکھٹ کا وہ ادنیٰ ہے گداگر

جس علی رضی اللہ عنہ کو لوگ "اسد اللہ" (اللہ کا شیر) کہتے ہیں، وہ شیر اپنے محبوب کے سامنے ایسا جھکا کہ اپنی بینائی کی شفا بھی محبوب کے لعاب میں تلاش کی۔ یہ محض علاج نہیں تھا، یہ محبوب کی عطا پر عاشق کے یقین کی انتہا تھی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور نہایت رقت آمیز واقعہ "غزوۂ تبوک" کے موقع پر پیش آیا۔ یہ وہ وقت تھا جب بظاہر علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے رہ جانے کا حکم ملا، مگر اس "پیچھے رہنے" میں جو تڑپ اور جو مقام پوشیدہ تھا، وہ رہتی دنیا تک عشق کی مثال بن گیا۔

تڑپِ علی رضی اللہ عنہ اور تسلیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جدائی کا وہ کرب جو اعزاز بن گیا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تاکہ وہ اہل بیت اور خواتین کی دیکھ بھال کر سکیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ، جو ہر معرکے میں ہراول دستے کا حصہ رہے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں اور وہ پیچھے رہ گئے ہیں، تو ان کا دل بھر آیا۔ منافقین نے طعنے دینا شروع کیے کہ "علی کو بوجھ سمجھ کر پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے" (معاذ اللہ)۔

علی رضی اللہ عنہ سے یہ جدائی اور یہ طعنے برداشت نہ ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ ہتھیار بند ہوئے اور دوڑتے ہوئے مدینہ سے باہر "جرف" کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جا پہنچے۔

آنکھوں میں آنسو اور دل میں تڑپ لیے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟"

یہ ایک سپاہی کا سوال نہیں تھا، یہ ایک ایسے عاشق کی فریاد تھی جسے اپنے محبوب سے جدا ہونا موت سے زیادہ گراں گزر رہا تھا۔

وہ تاریخی جملہ جو سند بن گیا

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے جاں نثار بھائی کی یہ تڑپ دیکھی، تو کائنات کا سب سے خوبصورت دلاسہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى؟"

"اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہارا میرے ساتھ وہی تعلق ہو جو ہارون کا موسیٰ علیہم السلام کے ساتھ تھا؟" (مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے)[1]

سبحان اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کے آنسو پونچھنے کے لیے انہیں اپنی نیابت کا وہ عظیم منصب عطا کیا جس کی مثال تاریخِ انبیاء میں ملتی ہے۔ یہ سنتے ہی علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ راضی ہو کر واپس لوٹے۔

ذرا اس لمحے کا تصور کریں، ایک طرف تپتا ہوا صحرا ہے اور دوسری طرف محبوب کی جدائی کا غم۔ علی رضی اللہ عنہ کے لیے میدانِ جنگ کی تلواریں سہنا آسان تھا، مگر محبوب کے نقشِ قدم سے دور رہنا ناممکن۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر کہ "تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون علیہم السلام"، علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو رہتی دنیا تک معتبر کر دیا۔

جس کے حصے میں آئی نیابتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وہ ہے علیؓ، وہ ہے جاں نثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جدائی میں بھی جس نے پایا مقامِ ہارونؑ
وہی تو ہے وارثِ علم و وقارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

❀❀❀

[1] - صحیح بخاری، حدیث نمبر: 4416۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2404۔

دیدارِ یار اور رخصتِ جاں:

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا روضہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وصال

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داستانوں میں یہ واقعہ ایک ایسی کسک چھوڑ جاتا ہے جو روح کو تڑپا دیتی ہے۔ یہ اس والہانہ محبت کی انتہا ہے جہاں دیدارِ محبوب کی تڑپ، حیاتِ مستعار کی ڈور کاٹ دیتی ہے۔

مدینہ منورہ کی فضاؤں میں آج بھی وہ سسکیاں محسوس کی جا سکتی ہیں جو صدیوں پہلے ایک تڑپتے ہوئے دل سے نکلی تھیں۔ یہ قصہ ایک ایسی گمنام مگر خوش نصیب عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جس کی زندگی کی آخری تمنا صرف اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرقدِ انور کی زیارت تھی۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا (جن کا نام بعض روایات میں مخفی ہے) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے چہرے پر ہجر کی تڑپ اور آنکھوں میں بے قراری تھی۔ انہوں نے انتہائی لجاجت سے عرض کی:

"اے ام المومنین! مجھ پر احسان فرمایئے اور مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کروا دیجئے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بے چینی کو بھانپ لیا اور حجرہِ مطہرہ کا دروازہ کھول دیا۔

جیسے ہی ان صحابیہ رضی اللہ عنہا کی نظر اس مقامِ مقدس پر پڑی جہاں کائنات کا سب سے درخشندہ گوہر آرام فرما تھا، ان کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔

وہ روضہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑی ہو کر زار و قطار رونے لگیں۔ ان کے آنسوؤں میں برسوں کی جدائی کا کرب اور دید کی پیاس ڈھل کر بہہ رہی تھی۔ وہ اس قدر روئیں کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

روایت میں آتا ہے کہ وہ صحابیہ رضی اللہ عنہا عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قدر مغلوب ہوئیں اور ان کے دل پر جدائی کا زخم اتنا گہرا لگا کہ روتے روتے ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ وہ زیارت کرتے ہوئے ہی خالقِ حقیقی سے جاملیں۔[1]

ان کی وفات کی خبر جب پھیلی تو ہر آنکھ اشکبار تھی کہ ایک ضعیفہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانے پر جان دے کر سچے عشق کا حق ادا کردیا۔

اُن کے آستاں پہ دم نکلے، یہی آرزو ہے میری
کاش! موت آجائے مجھے، اُن کی دید کرتے کرتے

❁❁❁

[1]-المعجم الکبیر للطبرانی (حدیث نمبر: 1255)۔وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ (سمہودی)۔شفاء السقام (امام سبکی)

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا:

حریمِ نبوت کی وہ ڈھال جس پر فرشتے بھی ناز کرتے ہیں

یہ واقعہ تاریخِ اسلام کا وہ درخشندہ باب ہے جو رہتی دنیا تک کی خواتین کے لیے ہمت، جرات اور عشقِ رسول ﷺ کا مینارہِ نور ہے۔ غزوہِ احد کے اس پر آشوب وقت میں، جہاں بڑے بڑے سورماؤں کے قدم ڈگمگا رہے تھے، ایک خاتون کا اپنے پورے خاندان سمیت پیکرِ وفا بن جانا انسانی تاریخ کا معجزہ ہے۔

اُحد کا میدان ہے، آزمائش کی گھڑی ہے اور فضا دشمن کے ناپاک عزائم سے بوجھل ہے۔ ایک طرف کفار کا ٹڈی دل ہے اور دوسری طرف جانِ کائنات ﷺ کے چند جانثار۔ اس کڑے وقت میں بنونجار کی ایک شیر دل خاتون، حضرت ام عمارہ (نسیبہ بنت کعب) رضی اللہ عنہا، اپنے شوہر اور دو بیٹوں کے ہمراہ میدانِ کارزار میں موجود ہیں۔

جنگ کا پانسہ پلٹا اور کفار نے حضور ﷺ پر حملہ بول دیا۔ اس نازک موڑ پر ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے مشکیزہ پھینک کر تلوار تھام لی۔ وہ اپنے بیٹوں اور شوہر کے ساتھ مل کر شمعِ رسالت ﷺ کے گرد پروانہ وار گھومنے لگیں۔ جب بھی کوئی کافر آپ ﷺ کی طرف بڑھتا، یہ مجاہدہ اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہو جاتیں۔

بدبخت ابنِ قمیہ جب تلوار لہراتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا، تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اسے روکنے کے لیے اپنا کندھا پیش کر دیا۔ تلوار کا وہ گہرا زخم ان کے بدن کو چیر گیا، مگر ان کے حوصلے کو نہ توڑ سکا۔ انہوں نے پلٹ کر اس ملعون پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اگر اس نے دوہری زرہ نہ پہنی ہوتی تو وہ جہنم واصل ہو جاتا۔

اپنے زخم سے بہتے خون کی پروا کیے بغیر، انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا: "بیٹا اٹھو! اور اپنے نبی ﷺ کی حفاظت کرو"۔

سبحان اللہ! کیسی ماں تھی اور کیسا جذبہ تھا کہ اپنے لختِ جگر کو بھی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرنے کے لیے بے قرار تھیں۔

جب ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو زخمی کرنے والے کافر کی ٹانگ پر تلوار مار کر اسے زمین بوس کر دیا، تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں پر ایک دلنواز مسکراہٹ بکھر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اے ام عمارہ! اللہ کا شکر ادا کر جس نے تجھے یہ ہمت و جرات عطا فرمائی"۔

اس مبارک لمحے کو غنیمت جانتے ہوئے ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دل کی ابدی حسرت زبان پر لائی: "یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ جنت میں بھی ہمیں آپ کی رفاقت اور خدمت نصیب ہو جائے۔"

تب زبانِ نبوت سے وہ الفاظ نکلے جو کائنات کی ہر نعمت سے بڑھ کر تھے:

"اے اللہ! ان سب (پوری فیملی) کو جنت میں میرا رفیق (ساتھی) بنا دے"۔

یہ دعا پانے کے بعد ام عمارہ رضی اللہ عنہا فخر سے کہا کرتی تھیں: "اب دنیا کی کوئی مصیبت آ جائے، مجھے اس کی پروا نہیں"۔[1]

آج کی نسل کے نام ایک پیغام:

آج جب ہماری توجہات منتشر ہیں اور نئی نسل کا رشتہ اپنے اصل مرکز سے کمزور ہو رہا ہے، ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ:

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف دعویٰ نہیں، بلکہ وہ عمل ہے جو اپنے لہو سے لکھا جاتا ہے۔ ہماری بقا، ہماری عزت اور ہماری کامیابی کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم دوبارہ اس "لو" کو

[1] - المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: 1256 | السيرة النبوية لابن هشام۔

روشن کریں جو صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہن کے سینوں میں جلتی تھی۔ ہمارا جینا، ہمارا مرنا اور ہماری تمام تر محبتیں صرف اور صرف تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے گرد طواف کرنی چاہئیں۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالا کر دے

❁❁❁

عشقِ صادق کا پیکر:

جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہرا دیا

یہ واقعہ تاریخِ اسلام کے ان لمحات میں سے ہے جہاں زبانیں گنگ اور قلم لرزنے لگتے ہیں۔ یہ داستان ہے اس امینِ امت کی، جس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے تکلیف دور کرنے کے لیے اپنی مسکراہٹ کی قربانی دے دی اور اسے کائنات کا سب سے بڑا اعزاز سمجھا۔

غزوۂ احد کا وہ جاں گسل وقت ہے جب پہاڑوں کے جگر بھی کانپ رہے تھے۔ کائنات کی سب سے مقدس ہستی، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو چکے ہیں، دندانِ مبارک شہید ہیں اور آہنی خود (ہیلمٹ) کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسارِ انور میں پیوست ہو چکی ہیں۔ خونِ مطہر بہہ رہا ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس منظر پر نوحہ کناں ہے۔

اس عالمِ بے بسی میں دو عظیم عاشق، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، پروانہ وار دوڑتے ہوئے پہنچے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ وہ خود آگے بڑھ کر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف دور کریں، لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بے قراری حد سے بڑھ گئی تھی۔ انہوں

نے منت سماجت کی: "اے ابوبکر! خدا کے لیے یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیں!"

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اگر وہ ہاتھ سے کڑی نکالیں گے تو محبوب ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کے بجائے اپنے دانتوں کا سہارا لیا۔

❁ **پہلی کڑی:** جب انہوں نے اپنے دانتوں سے پہلی کڑی کو مضبوطی سے پکڑا اور کھینچا، تو وہ اس شدت سے پیچھے گرے کہ ان کا ایک سامنے والا دانت ٹوٹ گیا۔

❁ **دوسری کڑی:** ایک دانت ٹوٹنے اور منہ سے خون بہنے کے باوجود، انہوں نے ذرا بھی توقف نہ کیا۔ ان کے لیے اپنا دانت نہیں، بلکہ آقا ﷺ کا رخسارِ اقدس اہم تھا۔ انہوں نے دوبارہ وہی عمل دہرایا، دوسری کڑی بھی نکل آئی، مگر اس بار ان کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ دانت ٹوٹنے کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر وہ نور اور جمال آ گیا جو پہلے نہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ ہم نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوبصورت "ہتّل" (وہ شخص جس کے سامنے کے دانت ٹوٹے ہوں) کبھی نہیں دیکھا۔ ان کے ٹوٹے ہوئے دانت ان کی بدصورتی نہیں بلکہ کائنات کے سب سے بڑے تمغے بن گئے۔[1]

❁❁❁

---

[1] -المعجم الكبير للطبراني (رقم الحديث: 1257)۔ المستدرک للحاکم (جلد 3، صفحہ 298)۔ دلائل النبوة للبيهقي۔

سودِ اِمحبت:

سیدنا ابو الدحداح رضی اللہ عنہ اور جنت کے نخلستان

"عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کی تاثیر یہ ہے کہ یہ انسان کے مادی مفادات کو محبوب کی رضا کے تابع کر دیتی ہے۔ تاریخِ وفاداری کے اوراق پر سیدنا ابو الدحداح رضی اللہ عنہ کا نام ایک ایسے جری "اسیرِ جمال" کے طور پر چمک رہا ہے جس نے فانی دنیا کے بدلے بقائے دوام کا وہ سودا کیا جس پر خود صاحبِ جمال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رشک فرمایا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے کہ ایک یتیم نوجوان سائل بن کر حاضر ہوا۔ اس نے لرزتی آواز میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں اپنے باغ کی دیوار تعمیر کر رہا تھا کہ میرے ہمسائے کی کھجور کا ایک درخت رکاوٹ بن گیا۔ میں نے التجا کی، قیمت کی پیشکش کی، مگر وہ سنگدل نہ درخت چھوڑنے پر راضی ہے نہ بیچنے پر۔ میری دیوار ٹیڑھی ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری مدد فرمائیں۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس ہمسائے کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کمالِ شفقت سے فرمایا: "اس یتیم کے لیے یہ درخت چھوڑ دو، یا اسے فروخت کر دو۔"

مگر وائے قسمت! اس شخص کی بصارت پر دنیا کا پردہ پڑ چکا تھا، اس نے انکار کر دیا۔

تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ پیشکش فرمائی جس نے محفل میں موجود قدسیوں کے دل دھکا دیے: "تم یہ درخت اس نوجوان کو دے دو، اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں ایک ایسا عظیم الشان درخت ملے گا جس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے مگر اس کا سایہ ختم نہ ہو۔"

کاش وہ بدنصیب اس سودے کی حقیقت سمجھ پاتا! مگر اس نے جنت کے اس دائمی نخلستان پر دنیا کی ایک فانی لکڑی کو ترجیح دی اور انکار کر دیا۔

اسی محفل میں ایک مردِ مومن، ایک سچا اسیرِ جمال، سیدنا ابو الدحداح رضی اللہ عنہ بھی

موجود تھے۔ ان کے کانوں میں جب "جنت کے درخت" کی صدا گونجی، تو ان کی روح تڑپ اٹھی۔ انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اگر میں یہ درخت خرید کر اس یتیم کو دے دوں، تو کیا وہ جنت کا درخت مجھے ملے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! تمہیں ملے گا۔"

ابوالدحداح رضی اللہ عنہ اس شخص کی طرف مڑے اور پوچھا:

"کیا تم میرے باغ کو جانتے ہو؟"

اس نے فوراً کہا: "مدینے کا کون ہے جو آپ کے چھ سو کھجوروں والے باغ، اس کے اندر موجود محل، میٹھے پانی کے کنویں اور اس کی عالی شان دیوار کو نہیں جانتا؟"

ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی توقف کے، بغیر کسی ہچکچاہٹ کے، عشق کی مستی میں ڈوب کر فرمایا:

"تو پھر گواہ رہنا! میں نے اپنا وہ پورا باغ، وہ محل اور وہ کنواں تیرے اس ایک درخت کے بدلے تجھے دے دیا۔"

محفل میں سناٹا چھا گیا۔ ایک درخت کے بدلے چھ سو درختوں کا باغ! یہ عقل کی بات نہ تھی، یہ تو عشق کا وہ سودا تھا جہاں نفع اور نقصان کے ترازو بدل جاتے ہیں۔

ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے والہانہ انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا اور پوچھا: "یا رسول اللہ! اب تو میرا وہ درخت پکا ہو گیا نا؟"

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں پر ایک دلنواز تبسم بکھر گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجد کے عالم میں فرمایا:

"نہیں ابوالدحداح! اللہ جود و کرم میں بے مثال ہے۔ اس نے تو ایک درخت

کے بدلے ایک دینا تھا، مگر تم نے تو پورا باغ لٹا دیا۔ اب اللہ نے تمہیں جنت میں کھجوروں کے اتنے باغات عطا فرمائے ہیں جن کی گنتی بھی نہیں کی جا سکتی۔ ابوالدحداح! میں تمہیں جنت میں لٹکتے ہوئے ان پھل دار خوشوں کی تعریف کیسے بیان کروں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملے کو اس قدر دہراتے رہے کہ محفل میں موجود ہر صحابی کی یہ حسرت بن گئی کہ کاش وہ ابوالدحداح ہوتا۔

ابوالدحداح رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر پہنچے، تو وہ گھر (محل) اب ان کا نہ رہا تھا۔ وہ دیوار سے باہر کھڑے ہوئے اور اپنی اہلیہ کو آواز دی: "اے ام الدحداح! باہر نکل آؤ، میں نے یہ گھر، یہ باغ اور یہ کنواں بیچ دیا ہے۔"

اہلیہ نے پوچھا: "اے ابوالدحداح! کتنے میں بیچا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "میں نے اسے جنت میں ایک ایسے درخت کے بدلے بیچا ہے جس کا سایہ سو سال کی مسافت پر محیط ہے۔"

ایک سچے "اسیرِ جمال" کی بیوی کا جواب بھی لاجواب تھا۔ انہوں نے خوشی سے نعرہ لگایا:

"رَبِحَ الْبَيْعُ أَبَا الدَّحْدَاحِ! رَبِحَ الْبَيْعُ!"۔

(اے ابوالدحداح! تم نے نفع کا سودا کیا ہے! تم نے نفع کا سودا کیا ہے!)

وہ اپنے بچوں کو لے کر اس حال میں باغ سے باہر نکل آئیں کہ بچوں کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ بھی وہیں پھینک دیں کہ اب یہ ہماری نہیں، یہ تو جنت کے سودے میں شامل ہو چکی ہیں۔[1]

---

[1] - تفسیر ابن کثیر: ج 27، ص 240۔ أخرجه أحمد (3/146) وابن حبان (2271-موارد) والطبراني في "المعجم الكبير" (22/300/763) والحاكم (2/20)

محبوب ترین شے کی قربانی:

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور "بَیْرُحَاء" کا سودا

"عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا تقاضا یہ ہے کہ جب محبوب کا رب کوئی حکم صادر فرمائے، تو محب اپنی سب سے قیمتی متاع کو بھی اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔ مدینہ منورہ کے انصاری صحابہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مال و دولت کے اعتبار سے نہایت خوشحال تھے، مگر ان کا دل "جمالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی اسیری میں اس قدر مخمور تھا کہ مال کی محبت وہاں پنپ نہ سکی۔

مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے بالکل سامنے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک نہایت خوبصورت اور لہلہاتا ہوا باغ تھا جس کا نام "بَیْرُحَاء" تھا۔ یہ باغ اپنی ہریالی، گھنے سایوں اور میٹھے پانی کے کنویں کی وجہ سے پورے مدینہ میں مشہور تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے، اس کے ٹھنڈے سائے میں آرام فرماتے اور اس کے کنویں کا نہایت میٹھا اور لذیذ پانی نوش فرماتے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس باغ کی سب سے بڑی قیمت یہ تھی کہ یہ ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرام گاہ اور پسندیدہ جگہ تھی۔

جب قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

"تم ہرگز بھلائی (اور کمالِ ایمان) کو نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمہیں (سب سے زیادہ) محبوب ہے۔"[1]

جیسے ہی یہ آیتِ مبارکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے کانوں سے ٹکرائی، ان کے دل کی بستی میں ایک ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ فوراً اٹھے، بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور والہانہ انداز

[1] -سورہ آل عمران:92-

میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! اللہ فرماتا ہے کہ سب سے محبوب چیز خرچ کیے بغیر نیکی نہیں ملتی، اور مجھے اپنے تمام مال میں "بَیْرُحَاء" سب سے زیادہ محبوب ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ آج سے یہ باغ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے صدقہ ہے، میں اس کا ثواب اور خیر اللہ کے ہاں ذخیرہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ اسے جہاں چاہیں خرچ فرمادیں۔

حضورِ اکرم ﷺ نے جب اپنے ایک ادنیٰ غلام کی یہ عظیم الشان قربانی دیکھی، تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے دمک اٹھا اور آپ ﷺ نے وجد کے عالم میں فرمایا:

"بَخٍ بَخٍ! ذَٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، ذَٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ!"۔[1]

"(واہ واہ! شاباش!) یہ تو بڑے نفع والا مال ہے، یہ تو بڑے ہی نفع والا سودا ہے!"

آپ ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ اس مال کو "تجارتِ رابحہ" (نفع بخش سودا) قرار دیا اور پھر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیں۔

انہوں نے ویسا ہی کیا، مگر رہتی دنیا تک کے لیے یہ پیغام دے گئے کہ "اسیرانِ جمال" کے نزدیک محبوب کی پسند کے سامنے اپنی پسند کی کوئی حیثیت نہیں۔

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بتاتا ہے کہ عشق صرف دعویٰ نہیں، بلکہ "محبوب ترین شے" سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔ انہوں نے وہ باغ اس لیے نہیں لٹایا کہ وہ اس سے تنگ تھے، بلکہ اس لیے لٹایا کہ وہ اسے سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ "اسیرانِ جمال" کا یہ شیوہ رہا ہے کہ جب انہیں محبوب کی رضا اور اپنی پسند میں انتخاب کرنا پڑا، تو انہوں نے ہمیشہ اپنی ہستی اور اپنی متاع کو محبوب کے نقشِ قدم پر قربان کرنے میں ہی بقا جانی۔ ❁❁❁

---

[1] - صحیح بخاری: 1461، صحیح مسلم: 998۔

نصف صاع کا نذرانہ:

سیدنا ابو عقیل رضی اللہ عنہ اور فدائیت کی معراج

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ترازو دنیا کے پیمانوں سے جدا ہے۔ یہاں مقدار نہیں دیکھی جاتی، بلکہ اس درد اور کڑھن کو تولا جاتا ہے جو کسی عمل کی بنیاد بنتا ہے۔ غزوہ تبوک کا کڑا وقت تھا، تپتی دھوپ تھی اور آزمائش کا تازیانہ بلند تھا۔ مدینہ منورہ کے "اسیرانِ جمال" اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک پکار پر اپنا سب کچھ لٹانے کے لیے بے قرار تھے۔

سیدنا ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ کے ان جاں نثاروں میں سے تھے جن کے پاس دنیا کا مال و متاع تو نہ تھا، مگر ان کا سینہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے منور تھا۔ جب جہاد کے لیے مالی تعاون کی اپیل ہوئی، تو ان کے گھر میں فاقہ تھا۔ تڑپ اتنی تھی کہ خالی ہاتھ بیٹھنا گوارا نہ ہوا۔ وہ خاموشی سے نکلے اور ایک یہودی کے باغ میں پہنچ گئے جہاں ساری رات کنویں سے پانی نکال کر درختوں کو سیراب کرتے رہے۔

ساری رات کی اس جاں گسل مشقت کے بدلے صبح صرف "دو صاع" (چند کلو) کھجوریں مزدوری میں ملیں۔

عشق کا امتحان دیکھیے! آدھی کھجوریں اپنے بھوکے بچوں کے لیے گھر چھوڑیں اور باقی "ایک صاع" کھجور لے کر مسجدِ نبوی کی طرف دوڑ پڑے۔

مسجدِ نبوی کے صحن میں جود و سخا کا ایک ہمالہ کھڑا تھا۔ وہاں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کا کل اثاثہ ڈھیر تھا، وہاں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے گھر کا نصف سامان موجود تھا اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دولت کے انبار لگے تھے۔

اسی عظیم الشان ڈھیر کے پاس جب ابو عقیل رضی اللہ عنہ پہنچے، تو حیا اور ندامت سے سر

جھکا ہوا تھا۔انہوں نے اپنی وہ "ایک صاع" کھجوریں پیش کیں جو ان کے خونِ جگر اور رات بھر کے پسینے کی کمائی تھی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے اس مفلس مگر غیور عاشق کی قربانی دیکھی، تو کمالِ ذرہ نوازی فرمائی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کھجوروں کو اٹھایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لائے ہوئے سونے، چاندی اور سامانِ حرب کے سب سے اوپر رکھ دیا!

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں اس ایک صاع کھجور کی قیمت، بظاہر منوں وزنی سونے سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ اس کے پیچھے ایک "اسیرِ جمال" کی پوری رات کی بے خوابی اور تڑپ شامل تھی۔

وہاں موجود منافقین نے تمسخر اڑایا کہ "اللہ کو اس ایک صاع کھجور کی کیا ضرورت؟" مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ اس ایک صاع میں ایک عاشق کی پوری رات کا خونِ جگر شامل ہے۔[1]

غربت صرف مال کی نہیں ہوتی:

* کوئی نیکیوں میں غریب ہے۔
* کوئی حسنِ اخلاق میں مفلس ہے۔
* کوئی عمل اور کردار کی دولت سے محروم ہے۔

ہم اکثر یہ سوچ کر چھوٹا سا نیک عمل چھوڑ دیتے ہیں کہ "اس سے کیا ہوگا؟" مگر یاد رکھیے! ربِ کریم مقدار کا محتاج نہیں، وہ تو خلوص کا طلبگار ہے۔کبھی کبھی ہمارا ایک چھوٹا سا آنسو، ایک چھوٹی سی نیکی یا ایک صاع کھجور جتنا خلوص اللہ کو اتنا پسند آ جاتا ہے کہ وہ اسے

---

[1] -صحیح بخاری: کتاب الزکاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة ۔صحیح مسلم: کتاب الزکاة،باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة (رقم الحدیث:1018)۔

ہماری بخشش کا بہانہ بنا لیتا ہے۔ وہ تو غفور و رحیم ہے، وہ تو بہانے ڈھونڈتا ہے کہ کب میرا بندہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کوئی ادنیٰ سی چیز پیش کرے اور میں اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لوں۔

میدانِ کارزار اور آخری پکار:

یہی ابو عقیل رضی اللہ عنہ جب یمامہ کے میدان میں پہنچے، تو دشمن کے پہلے ہی وار نے ان کا بازو چھلنی کر دیا اور وہ لہولہان ہو کر خیمے میں لائے گئے۔ اسی اثناء میں مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے، تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے پکارا: "یَالَلْاَنْصَار! یَالَلْاَنْصَار!" (اے انصاریو! اپنی بہادری دکھاؤ)۔

حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ، جو زندگی اور موت کی کشمکش میں تھے، اس آواز کو سنتے ہی تڑپ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے کہا:

"ابو عقیل! تم زخمی ہو، تم کہاں جا رہے ہو؟"

اس عاشقِ صادق نے وہ جملہ کہا جو تاریخِ عشق کا عنوان بن گیا:

"أَجِيْبُوا دَاعِيَ اللهِ! لَقَدْ نَادَى بِاسْمِي!"

"اللہ کے پکارنے والے کو جواب دو! اس نے میرا نام لے کر پکارا ہے!"

وہ اپنا کٹا ہوا بازو لٹکائے ہوئے، زخمی حالت میں میدان میں کود پڑے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور زبان پر محبوب ﷺ کا نام۔ انہوں نے وہ شجاعت دکھائی کہ دشمنوں کی صفیں الٹ دیں، یہاں تک کہ خود زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے، تو ابو عقیل رضی اللہ عنہ آخری سانسیں لے رہے تھے۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور لرزتی آواز میں صرف ایک سوال کیا:

"لِمَنِ الدَّبَرَةُ؟" (فتح کس کی ہوئی؟)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا: "اللہ کی قسم! مسلمانوں کی فتح ہوئی۔"

یہ سنتے ہی ابو عقیل رضی اللہ عنہ کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آئی، انہوں نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اسی عالمِ وجد میں اپنی جان "صاحبِ جمال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے رب کے سپرد کر دی۔[1]

ابو عقیل رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عشق صرف مال لٹانے کا نام نہیں، بلکہ "حکمِ محبوب" پر اپنا ٹوٹا ہوا بدن اور آخری سانس تک لٹا دینے کا نام ہے۔ وہ "نصف صاع کھجور" دینے والا ہاتھ جب میدانِ جنگ میں کٹ کر لٹک گیا، تو اس نے ثابت کر دیا کہ "اسیرانِ جمال" کے نزدیک زندگی صرف اس وقت تک عزیز ہے جب تک وہ محبوب کے کام آ سکے۔ جس جان نے محبوب کے پکارنے والے پر لبیک نہ کہا، وہ جان ان کے نزدیک بوجھ تھی۔

❁❁❁

معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما:

دو ننھے شکاری اور ابوجہل کا غرور

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں (لڑنے والوں کی) صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ میں قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا (کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے میرے دونوں جانب بچے

---

[1] - تفسیر ابن کثیر اور البدایہ والنہایہ۔

ہیں یہ میری کیا مدد کر سکیں گے)

اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا چچا جان! تم ابوجہل کو بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں جانتا ہوں۔ تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ اس پاک ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اسے دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا جب تک وہ نہ مر جائے یا میں نہ مر جاؤں مجھے اس کے سوال اور جواب پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے نے بھی ہاتھ پکڑ کر یہی سوال کیا اور جو پہلے نے کہا تھا وہی اس نے بھی کہا۔

اتنے میں میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا نظر آیا میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارے میں تم سوال کر رہے تھے وہ جا رہا ہے۔

دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لیے ہوئے ایک دم بھاگ چلے اور جا کر اس پر تلوار چلانی شروع کر دی یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا پھر وہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قصہ سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم دونوں میں سے اسے کس نے قتل کیا ہے؟ دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم دونوں نے اپنی تلواریں پونچھ لی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا کہ:

"تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے" اور ابوجہل کا سامان حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ فرمایا اور دوسرے نوجوان حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

❁❁❁

---

[1]۔ صحیح بخاری (حدیث: 3141)، المعجم الکبیر للطبرانی (رقم الحدیث: 1258)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ:
عشق کی پہلی تلوار

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی خاطر سب سے پہلے تلوار سونتنے والے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہیں ایک دن وہ دوپہر کو قیلولہ کر رہے تھے (یعنی آرام کر رہے تھے) کہ اچانک انہوں نے یہ آواز سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے۔

(یہ سنتے ہی فورا) سنی ہوئی ننگی تلوار لے کر باہر نکلے۔آپ رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں ایک دوسرے کو بالکل آمنے سامنے آ کر ملے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

اے زبیر تمہیں کیا ہو گیا؟

انہوں نے عرض کیا میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ:

پھر تمہارا کیا کرنے کا ارادہ تھا؟

انہوں نے عرض کیا میرا یہ ارادہ تھا کہ میں (آنکھ بند کر کے) مکہ والوں پر ٹوٹ پڑوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

انہی کے بارے میں اسدی شاعر نے یہ اشعار کہے ہیں۔

هذاكَ أَوَّلُ سَيْفٍ سُلَّ فِي غَضَبٍ
لله سَيْفُ الزُّبَيْرِ الْمُرْتَضَى أَنَفًا

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مرتضی سردار کی تلوار ہی وہ تلوار ہے جو اللہ کی خاطر غصہ کرنے میں سب سے پہلے سونتی گئی ہے۔"

حمية سَبَقَتْ مِنْ فَضْلِ نَجْدَتِهِ
قَدْ يَحْبِسا النَّجَدَاتِ الْمُحْبِسُ الْأَرُفَا

یہ دینی حمیت ہے جو اُن کے زیادہ بہادر ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی زیادہ سننے والا کئی قسم کی بہادریوں کو جمع کرلیا کرتا ہے۔[1]

عشق کی ”لو“ کو کیسے زندہ کریں؟

آج ہماری نسل کے سامنے یہ واقعات ایک سوالیہ نشان ہیں۔ وہ نوعمر لڑکے اور یہ نوجوان زبیر رضی اللہ عنہ ہمیں سکھاتے ہیں کہ ”ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم“ پر پہرہ دینا صرف لفظی دعویٰ نہیں بلکہ ایک جیتے جاگتے احساس کا نام ہے۔

آج اگر ہماری محبت کی لو مدھم پڑ رہی ہے تو ہمیں ان فدایانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تذکروں سے اپنے دلوں کو گرمانا ہوگا۔ ہمارا مرکزِ عقیدت صرف اور صرف تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہونی چاہیے، کیونکہ ان کی محبت کے بغیر ایمان کا چراغ روشن نہیں رہ سکتا۔

خرد نے کہہ بھی دیا ”لا الہ“ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

❁❁❁

[1] -المعجم الکبیر للطبرانی (رقم الحدیث: 1259)، سیر اعلام النبلاء۔

جستجوئے حق سے وصالِ یار تک:

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور وہ سفرِ عشق جس کی منزل مصطفیٰ ﷺ تھے

"کائنات کے اسیرانِ جمال میں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا نام اس مسافرِ صادق کی مانند ہے جس نے اپنے محبوب کی ایک جھلک پانے کے لیے فارس کے محلات کو ٹھکرایا اور صحرائے عرب کی خاک چھانی۔ یہ وہ "اسیرِ جمال" ہیں جنہیں قدرت نے خود چن لیا تھا تاکہ وہ فارسی النسل ہو کر بھی "اہلِ بیت" کا حصہ بن جائیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس کے ایک متمول خاندان کے چشم و چراغ تھے، آتش کدے کے متولی تھے، مگر دل میں حق کی تڑپ تھی۔ جب دل میں سچی طلب پیدا ہو جائے، تو اللہ راستے کھول دیتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عیسائیت اختیار کی، راہبوں کی خدمت کی، اور جب آخری راہب کا وقتِ وصال آیا تو اس نے کہا:

"سلمان! اب زمین پر کوئی ایسا نہیں رہا جس کے پاس میں تمہیں بھیجوں، مگر سنو! اب اس نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے جو سرزمینِ عرب سے اٹھے گا، کھجوروں والے شہر (مدینہ) کی طرف ہجرت کرے گا، وہ ہدیہ قبول کرے گا مگر صدقہ نہیں کھائے گا، اور اس کے دونوں کندھوں کے درمیان "مہرِ نبوت" ہوگی۔"

سلمان رضی اللہ عنہ اس نشانِ منزل کو لے کر نکلے، مگر راستے میں دھوکے سے انہیں غلام بنا کر مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔ وہ شہزادہ جو محلات کا عادی تھا، اب مدینہ کی تپتی دھوپ میں یہودی کے باغ میں مشقت کر رہا تھا۔ مگر ان کی آنکھیں ہر آنے والے مسافر کے چہرے میں اپنے "محبوب" کو تلاش کر رہی تھیں۔

جب سرورِ کائنات ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو سلمان رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے۔ وہ تین بار بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے:

1- پہلی بار کچھ کھجوریں لائے اور کہا: "یہ صدقہ ہے"۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو کھلائیں خود نہ کھائیں۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "یہ پہلی نشانی!"

2- دوسری بار لائے اور کہا: "یہ ہدیہ (تحفہ) ہے"۔ آپ ﷺ نے خود بھی کھائیں اور صحابہ کو بھی کھلائیں۔ سلمان رضی اللہ عنہ پکارے: "یہ دوسری نشانی!"

3- تیسری بار ایک جنازے میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تاکہ پشت پر مہرِ نبوت دیکھ سکیں۔ اس "اسیرِ جمال" کی تڑپ دیکھ کر صاحبِ جمال ﷺ نے خود اپنی چادرِ مبارک ہٹا دی۔ سلمانؓ نے جیسے ہی مہرِ نبوت دیکھی، دیوانہ وار لپٹ گئے، قدموں کو چومنے لگے اور زار و قطار رونے لگے۔[1]

"سلمانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ"- فضلِ عظیم:

غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار میں اس بات پر تکرار ہوئی کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے ہیں، تو رحمتِ عالم ﷺ نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک سلمان رضی اللہ عنہ کی عظمت کا تمغہ بن گیا:

"سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ"۔[2]

"سلمان (کسی اور کا نہیں بلکہ) ہم اہل بیت میں سے ہے!"

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ "اسیریِ جمال" کے لیے عربی ہونا ضروری نہیں، بلکہ تڑپ والا دل ہونا ضروری ہے۔ جس نے حق کی خاطر گھر چھوڑا، خاندان چھوڑا اور غلامی کی ذلت برداشت کی، اللہ نے اسے "اہلِ بیت" کی خوشبو عطا فرما دی۔

* یہ واقعہ اس بات کی گواہی ہے کہ:

---

[1] -المسند احمد: 23737، المستدرک للحاکم: 3/599۔

[2] -المعجم الکبیر للطبرانی: 6041، المستدرک للحاکم: 3/598۔

* جو سچے دل سے تلاش کرتا ہے، وہ پا لیتا ہے۔
* جو محبوب کے لیے غلام بنتا ہے، اسے کائنات کی سرداری ملتی ہے۔
* اور جو "جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کا اسیر ہو جائے، اسے پھر کسی اور آزادی کی تمنا نہیں رہتی۔

❁❁❁

میزبانِ مصطفیٰ ﷺ کا اضطراب:

جب عشق نے سردی اور سختی کو مات دے دی

سفرِ ہجرت کی وہ ساعتیں تاریخِ انسانی کا سب سے خوبصورت موڑ تھیں، جب یثرب کی گلیوں میں "طلع البدر علینا" کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ مدینہ کا ذرہ ذرہ دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھا اور ہر خوش نصیب کی یہ تمنا تھی کہ کائنات کا سب سے معتبر مہمان ان کے آنگن کی رونق بنے۔ مگر یہ قرعہِ فال اس مردِ قلندر کے نام نکلا جسے دنیا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے۔

مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی تشریف آوری ہو چکی ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا دومنزلہ مکان اس وقت کائنات کا سب سے قیمتی محل بن چکا تھا کیونکہ اس کی نچلی منزل میں سرورِ کونین ﷺ مقیم تھے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے ادب کی خاطر اوپر کی منزل اختیار کی تا کہ زائرین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضری کے لیے کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ایمان کا امتحان تب شروع ہوا جب ایک رات بالائی منزل پر پانی کا گھڑا

اچانک ٹوٹ گیا۔ رات خاموش تھی اور سردی اپنے عروج پر۔ پانی فرش پر بہہ نکلا، مگر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ ام ایوب رضی اللہ عنہا کے دل اس خوف سے لرز اٹھے کہ:

"اگر یہ پانی چھت سے رس کر نیچے چلا گیا اور میرے آقا ﷺ کے بسترِ مبارک یا جسمِ اطہر پر ایک قطرہ بھی گر گیا، تو ہم اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

گھر میں پانی جذب کرنے کے لیے کوئی زائد کپڑا موجود نہ تھا۔ اس غریب خانہ میں صرف ایک ہی لحاف تھا جسے میاں بیوی سردی سے بچنے کے لیے اوڑھتے تھے۔ عشقِ صادق نے ذرا بھی تامل نہ کیا؛ انہوں نے اپنا وہ واحد لحاف اٹھایا اور پانی پر ڈال دیا تاکہ وہ جذب ہو جائے۔

وہ پوری رات میاں بیوی نے شدید سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے گزاری۔ ان کے پاس اوڑھنے کو کچھ نہ تھا، مگر ان کے سینوں میں عشقِ رسول ﷺ کی وہ تپش تھی جس نے یخ بستہ رات کی سختی کو ہیچ کر دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہمیں اپنی تکلیف کا غم نہ تھا، بس یہ خوف تھا کہ کہیں پانی نیچے ٹپک کر حضور ﷺ کو ذرا برابر بھی تکلیف نہ پہنچا دے۔"[1]

ہماری زندگی اور مرکزِ عشق:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ادبِ رسول ﷺ ہی ایمان کی بنیاد ہے۔ انہوں نے اپنی راحت، اپنی نیند اور اپنی بنیادی ضرورت کو محبوب ﷺ کے آرام پر قربان کر دیا۔

آج جب ہماری نسلیں آسائشوں کے پیچھے بھاگ رہی ہیں، ہمیں یاد رکھنا چاہیے

---

[1] -المعجم الكبير للطبراني (رقم الحديث: 1260)۔السيرة النبوية لابن هشام۔دلائل النبوة للبيهقي۔

کہ ہماری حقیقی آسائش اور کامیابی صرف اس بات میں ہے کہ ہم اپنے گھروں، اپنے دلوں اور اپنی زندگیوں کو اطاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے میں ڈھال لیں۔

ادب گاہِ ست زیرِ آسماں، از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید، جنید و بایزید ایں جا

ہمارا مرکزِ عشق صرف وہی ذات ہونی چاہیے جن کے پسینے کی خوشبو سے مدینہ مہک اٹھا اور جن کے قدموں کی برکت سے یثرب "مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" بن گیا۔

❀❀❀

پاسبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور رات بھر کی پہرے داری

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس گہری وابستگی اور والہانہ محبت کا عکاس ہے جہاں وہ اپنے آرام اور نیند کو قربان کر کے بھی جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راحت کا پہرا دیتے تھے۔ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل رہتی دنیا تک کے عشاق کے لیے ادب اور پاسبانی کی ایک عظیم مثال ہے۔

سفر کی تھکن ہے، تپتا ہوا صحرا اور رات کا سناٹا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ محوِ سفر ہیں۔ ایک مقام پر پڑاؤ ہوتا ہے، مگر پانی کی قلت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پانی کے انتظام کی ہدایت فرمائی تاکہ صبح کی مشقت سے بچا جا سکے۔ لوگ ادھر ادھر نکل گئے، مگر ایک عاشق ایسا تھا جس کی نظریں صرف اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر تھیں۔

سفر کی طوالت کے باعث رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اونٹ پر ہی استراحت فرمانے لگے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سائے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ رات کے سناٹے میں جب نیند کے جھونکے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اطہر کسی جانب جھکتا، تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فوراً اپنا کندھا اور ہاتھ آگے کر دیتے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرنے سے بچ جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میٹھی نیند میں ذرا برابر بھی خلل نہ آئے۔

وہ پوری رات اسی تڑپ اور احتیاط میں گزر گئی کہ کہیں میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذرا سی بھی تکلیف نہ پہنچے۔

جب صبح کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھلی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ رات بھر اسی طرح پہرہ دے رہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "ابوقتادہ! تم کب سے میرے ساتھ اس طرح کھڑے ہو؟"

انہوں نے نہایت ادب سے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں شام سے اسی طرح آپ کی پاسبانی کر رہا ہوں۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبِ مبارک سے وہ تاریخی دعا نکلی جو کائنات کا سب سے بڑا انعام ہے:

"حفظك الله كما حفظت رسولَهٗ"۔

(اے ابوقتادہ!) اللہ تمہاری حفاظت فرمائے جس طرح تم نے اس کے رسول کی حفاظت کی ہے۔[1]

❀❀❀

[1] -المعجم الكبير للطبراني (رقم الحديث: 1261)۔صحيح مسلم (كتاب المساجد)۔ دلائل النبوة للبيهقي۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

مرضیِ مولیٰ ﷺ اور پاسداریِ نسبت کے چند درخشندہ نمونے

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت جلال اور جمال کا ایک ایسا حسین امتزاج تھی جس کا محور صرف اور صرف عشقِ رسول ﷺ تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا کفر سے اسلام تک کا سفر ہو یا قبولِ اسلام کے بعد حق و باطل کے درمیان "فاروق" بننے کا اعزاز، ہر موڑ پر آپ رضی اللہ عنہ کی وارفتگی پکار پکار کر کہتی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کا جینا اور مرنا صرف مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہے۔

ذیل میں آپ رضی اللہ عنہ کے عشقِ صادق کے ان انوکھے نمونوں کو ایک جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ: جلالِ فاروقی سے جمالِ مصطفوی ﷺ تک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دو رخ ہیں: ایک وہ جب وہ ننگی تلوار لے کر معاذ اللہ نبی پاک ﷺ کے خلاف نکلے تھے، اور دوسرا وہ جب کلمہ پڑھا تو کعبے کے صحن میں قریش کو للکار کر کہا: "جو اپنی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کروانا چاہتا ہے، وہ عمر کے مقابلے میں آئے!"

یہ وہ ایمان تھا جس نے کفر کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا۔

ایمان کی تکمیل: اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت ﷺ میں عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حقیقتِ ایمان واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"عمر! تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمہیں تمہاری جان

سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔"

عشق کے اس سبق نے عمر رضی اللہ عنہ کی کایا پلٹ دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً پکار کر کہا: "یا رسول اللہ! اب آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔" تب زبانِ نبوت سے نکلا: "اب تمہارا ایمان مکمل ہوا، اے عمر!"۔

محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں رشتوں کی قربانی:

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عشق کا یہ انوکھا رنگ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پسند اور ناپسند کا معیار صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشی بن گئی تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار کیا، کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔

حجرِ اسود سے گفتگو اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا:

"اے پتھر! میں جانتا ہوں کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں کبھی تجھے نہ چومتا۔"

یہ کلمات ظاہر کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی عبادت اور محبت کا ہر عمل صرف "اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کے گرد گھومتا تھا۔

وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اضطراب:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کی خبر آئی، تو جبلِ استقامت کہلانے والے عمر رضی اللہ عنہ کا کلیجہ پھٹ گیا۔ عشق کی مغلوبیت کا یہ عالم تھا کہ تلوار سونت لی اور فرمایا: "جو کہے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انتقال کر گئے ہیں، میں اس کا سر قلم کر دوں گا!" یہ انکار حقیقت سے نہیں تھا، بلکہ اس

صدمے سے تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا جینے کا سہارا نظروں سے اوجھل کیسے ہو سکتا ہے۔

گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور منکرِ فیصلہ کا انجام:

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقاضا صرف نرمی نہیں، بلکہ گستاخوں کے خلاف جلال بھی ہے۔ جب ایک منافق نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور حضرت عمرؓ کے پاس انصاف لینے آیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا، عمر اس کا فیصلہ اسی تلوار سے کرتا ہے۔"

اور ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ذرا سی بے ادبی بھی فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناقابلِ معافی جرم تھی۔[1]

فراقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خشک تنے کا گریہ:

جب وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یقین ہو گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ستون (استوانہ حنانہ) کو یاد کر کے رقت آمیز کلمات کہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی میں رویا تھا:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر اختیار کیا تو وہ لکڑی کا تنا آپ کی جدائی میں بلک بلک کر رونے لگا۔ اگر ایک بے جان لکڑی کا یہ حال ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو تو اس سے کہیں زیادہ نالہ و فریاد کرنے کا حق پہنچتا ہے"۔[2]

اپنے بیٹے پر محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب کو ترجیح:

اپنے دورِ خلافت میں جب وظائف مقرر کرنے کا وقت آیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] -تاریخ الخلفاء، 88: تفسیر ابن کثیر۔

[2] -صحیح بخاری۔

نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ رکھا۔ جب بیٹے نے وجہ پوچھی، تو فرمایا:

"اسامہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تم سے زیادہ پیارا تھا، اور اسامہ کا باپ (حضرت زید رضی اللہ عنہ) تمہارے باپ سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو محبوب تھا۔ پس میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دی"۔[1]

قرابتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بے مثال لحاظ:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شفاء بنت عبداللہ العدویہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا وہ آئیں تو دیکھا کہ عاتکہ بنت اسید رضی اللہ عنہا پہلے سے موجود تھیں کچھ دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک ایک چادر دی لیکن شفاء کی چادر کی قیمت کم تھی۔

انہوں نے کہا کہ میں آپ کی چچازاد بہن ہوں قدیم الاسلام ہوں آپ نے مجھے خاص اسی مقصد کیلئے بلایا ہے۔ عاتکہ تو یونہی آ گئی تھیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا واقعی یہ چادر میں نے تمہیں دینے کیلئے رکھی تھی لیکن جب عاتکہ آ گئیں تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قرابت داری کا لحاظ کرنا پڑا۔[2]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ہر ورق پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ایمان کی بنیاد صرف اور صرف "تعظیمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" اور "رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" ہے۔ آج کی نئی نسل کے لیے سبق یہی ہے کہ اگر ہم دنیا و آخرت میں وقار چاہتے ہیں، تو ہمیں اپنے تمام مفادات اور رشتوں کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک اشارہِ ابرو پر قربان کرنا سیکھنا ہوگا۔

❀❀❀

---

[1] - ترمذی، کتاب المناقب

[2] - اصابہ، تذکرہ بنت اسید-

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی عقیدت:

میدانِ بدر میں "عریشِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی تعمیر

میدانِ بدر میں جب لشکرِ اسلام اور کفارِ مکہ آمنے سامنے تھے، تو انصار کے عظیم سپہ سالار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور ایک ایسی تجویز پیش کی جو تاریخِ عشق میں سنہری حروف سے لکھی گئی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا نبی اللہ! کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چھپر (سائبان) تیار نہ کر دیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھیں؟ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواریاں بھی وہیں تیار رکھیں گے، پھر ہم دشمن سے لڑنے نکلیں گے"۔

انہوں نے اپنی اس تجویز کی جذباتی اور منطقی وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کی:

"یا رسول اللہ! اگر اللہ نے ہمیں فتح دی تو یہ ہماری خوش بختی ہوگی، لیکن اگر (خدانخواستہ) معاملہ اس کے برعکس ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سواریوں پر سوار ہو کر مدینہ منورہ میں موجود اپنے ان بھائیوں کے پاس تشریف لے جایئے گا جو پیچھے رہ گئے ہیں"۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں رہ جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وکالت کرتے ہوئے ایک عظیم بات کہی:

"یا رسول اللہ! وہ لوگ جو مدینہ میں ہیں، وہ ہم سے کم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہیں کرتے۔ اگر انہیں ذرا بھی علم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ درپیش ہے، تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے خیر خواہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے والے ہیں"۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ مخلصانہ گفتگو سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس محبت بھری تجویز کو بہت سراہا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ چنانچہ میدانِ بدر میں ایک بلند مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وہ چھپر (عریش) تیار کیا

گیا جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوری رات گڑگڑا کر اللہ کے حضور فتح کی دعا فرمائی۔[1]

جان ہے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں

❁❁❁

راحتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پہرہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوقِ ادب اور جنازہ کے احکام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک خوبصورت پہلو ان کی وہ فکری بصیرت اور نزاکتِ طبع تھی جس کے ذریعے وہ ہر لمحہ اس بات کی جستجو میں رہتے کہ ان کے کسی عمل سے جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ذرہ برابر بھی جسمانی مشقت یا تکلیف نہ پہنچے۔

مدینہ منورہ کی ابتدائی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تڑپ تھی کہ ان کے ہر مرنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعائے مغفرت اور نمازِ جنازہ نصیب ہو۔لیکن اس تڑپ کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں ادب اور شفقتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو احساس تھا، وہ بے مثال تھا۔

شروع میں دستور یہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہونے لگتا، صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لاتے، استغفار فرماتے اور بسا اوقات دفن تک وہیں موجود رہتے۔اس عمل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو طویل وقت دینا پڑتا اور کافی مشقت ہوتی۔

---

[1] -اسنده ابن اسحاق كذا فی البداية ،ج:3،ص:268.السيرة النبوية لابن هشام (جلد 2، صفحه620)

جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ ان کی محبت کی وجہ سے آپ ﷺ کو تکلیف ہو رہی ہے، تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا:

"ہمیں اپنے آقا ﷺ کو اتنی مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ اب ہم ایسا کریں گے کہ جب روح پرواز کر جائے گی، تب آپ ﷺ کو اطلاع دیں گے تاکہ آپ ﷺ کا وقت زیادہ صرف نہ ہو۔"

کچھ عرصہ بعد ان جاں نثاروں نے سوچا کہ ابھی بھی آپ ﷺ کو ہمارے گھروں تک چل کر آنا پڑتا ہے، کیوں نہ ہم اس زحمت کو بھی ختم کر دیں؟ انہوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر طے کیا:

"ہم جنازہ اٹھا کر خود حضور ﷺ کے درِ دولت پر لے جایا کریں گے، تاکہ آپ ﷺ اپنے گھر کے قریب ہی نمازِ جنازہ پڑھا دیں اور آپ ﷺ کو چلنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"[1]

❁❁❁

---

[1] -المعجم الكبير للطبراني (رقم الحديث: 1270)۔مسند احمد بن حنبل۔مجمع الزوائد للهيثمي۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور تعظیم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ عملی شاہکار ہیں جہاں ادب، ہیبت، فدائیت اور غیرتِ ایمانی اپنی معراج پر نظر آتی ہے۔ ان کے نزدیک کائنات کی ہر نسبت، ہر رشتہ اور ہر تعلق صرف اور صرف ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد گھومتا تھا۔

ذیل میں ان ایمان افروز واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب اور ہیبت:

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایات بتاتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل کیسی ہوتی تھی۔ جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوتے تو قدسیوں کی اس جماعت پر ایسا سکون طاری ہوتا جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ ذرا سی جنبش سے اڑ جائیں گے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دل میں سوال ہوتا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت و جلال کا یہ عالم تھا کہ دو دو سال بیت جاتے اور زبان ہمت نہ پاتی۔[1]

ادب گاہِ ست زیرِ آسماں، از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید، جنید و بایزید ایں جا

تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت:

جنگِ بدر و احد کے معرکے انسانی جذبوں کے کٹھن امتحان تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے مشرک باپ کو بار بار سامنے آنے پر قتل کر دیا، کیونکہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن تھا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے

---

[1] - المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: 1407، 1409۔

یہ کہنا کہ "اگر تم میری تلوار کے نیچے آجاتے تو میں منہ نہ پھیرتا"، یہ ثابت کرتا ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اللہ کے دشمن کے سامنے باپ بیٹے کا رشتہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔[1]

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط خیز و قمار بازی

ناموسِ رسالت ﷺ پر پہرہ :

جب ایک شخص نے اپنے باپ کو صرف اس لیے قتل کر دیا کہ اس نے زبانِ اقدس کے خلاف سخت بات کہی تھی، تو رحمتِ عالم ﷺ کی خاموشی اس بات کی تائید تھی کہ گستاخِ رسول کے لیے کوئی رعایت نہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اپنے منافق باپ (عبداللہ بن ابی) کا سر قلم کرنے کی اجازت مانگنا، اس جذبے کی عکاسی ہے کہ ایک سچے مومن کو اپنے باپ کی زندگی سے زیادہ اپنے نبی ﷺ کی عزت عزیز ہوتی ہے۔[2]

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

❁❁❁

[1] - المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: 1461، 1465۔

[2] - المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: 1463، 1464۔

شہادت کی خبر سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رونا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگِ احد کے دن اہلِ مدینہ کو شکست ہو گئی تو لوگوں نے کہا (حضرت) محمد (ﷺ) قتل ہو گئے ہیں (یہ خبر سن کر سب مردوں اور عورتوں نے رونا شروع کر دیا) اور مدینہ کے کونے کونے سے رونے والی عورتوں کی آوازیں بہت آنے لگیں۔[۱]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگِ احد کے دن میں حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہا۔ اس دن حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی مدینہ منورہ میں نہیں رہا تھا (سارے ہی جنگ میں شریک تھے جنگ بہت سخت تھی) اور شہداء کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اتنے میں ایک آدمی نے چیخ کر کہا محمد (ﷺ) شہید ہو گئے ہیں (یہ سن کر) عورتیں رونے لگ گئیں۔ ایک عورت نے کہا رونے میں جلدی نہ کرو میں دیکھ کر آتی ہوں۔ چنانچہ وہ عورت پیدل چل پڑی اور اس کو صرف حضور ﷺ کا ہی غم تھا اور وہ صرف حضور ﷺ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔[۲]

❁❁❁

[۱]- اخرجه الحاكم، ج:3، ص:461.

[۲]- عند البزار قال الهيثمي ٦:١١٥ وفيه عمر بن صفوان وهو مجهول انتهى۔

عدل کے بہانے عشق کی جیت:

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا والہانہ انداز

یہ واقعہ محبت اور فدائیت کی ایک ایسی لازوال داستان ہے جو قیامت تک آنے والے عشقِ رسول ﷺ کے دعویداروں کے لیے ایک خوبصورت مثال ہے۔

مدینہ منورہ کی ایک پُرنور محفل سجی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمہ تن گوش ہیں اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنی خوش گفتاری سے محفل میں شگفتگی بکھیر رہے ہیں۔ اسی دوران رحمتِ عالم ﷺ نے کمالِ شفقت سے ان کے پہلو میں ایک چھوٹی سی لکڑی سے کچوکا دیا۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا جسے حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی مراد پانے کے لیے غنیمت جانا۔

اسی لمحے عشق نے ایک انوکھی چال چلی۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے (شوخی اور محبت کے ملے جلے انداز میں) عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، مجھے اس کا بدلہ (قصاص) چاہیے!

قربان جایئے اس عظیم نبی ﷺ کے عدل اور کسرِ نفسی پر! آپ ﷺ نے ذرا بھی تامل نہ فرمایا اور فوراً ارشاد فرمایا: "اے اسید! تم اپنا بدلہ لے لو"۔

لیکن عشق کی پیاس ابھی باقی تھی۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے ایک اور شرط رکھی: "اے اللہ کے حبیب ﷺ جب آپ نے مجھے کچوکا دیا تو میرے جسم پر قمیص نہ تھی، جبکہ آپ نے قمیص پہن رکھی ہے"۔ جیسے ہی محسنِ انسانیت ﷺ نے اپنا پیراہنِ مبارک اوپر اٹھایا، کائنات کے ذرے ذرے نے وہ منظر دیکھا ہوگا جس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہوں گے۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے لیے نہیں، بلکہ بچھڑنے کے خوف اور وصال کی تڑپ میں تڑپ رہے تھے۔ جیسے ہی جسمِ اطہر سے کپڑا ہٹا، وہ دیوانہ وار آگے بڑھے، آپ ﷺ کے پہلوئے مبارک سے چمٹ گئے اور والہانہ انداز میں بوسے لینے لگے۔ ان کی

آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور زبان پر یہ اعترافِ حقیقت تھا:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرا مقصد بدلہ لینا ہرگز نہ تھا، میں تو بس اس بہانے آپ کے جسمِ اطہر کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا چاہتا تھا۔"[1]

مرکزِ عشق و عقیدت:

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل ہمیں بتاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا اعزاز اور شفاء، جانِ کائنات ﷺ کے جسمِ مبارک کا لمس پانا تھا۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ جہاں عقل ختم ہوتی ہے، وہاں سے عشق کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

آج جب ہماری نسلیں مادیت کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں، ہمیں اپنے نوجوانوں کو بتانا ہوگا کہ ہماری نجات اور سکون کا واحد مرکز تاجدارِ کائنات ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اگر ہم ان کی سنتوں کو اپنا لیں اور ان کی محبت کو اپنے دلوں میں بسا لیں، تو کائنات کی کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی۔

وہ جسمِ اطہر کہ جس کو چھو کر ہوا بھی خوشبو بنی ہوئی ہے
وہ زلفِ عنبر کہ جس کی نکہت چمن کا گیسو بنی ہوئی ہے

❁❁❁

[1] -المعجم الكبير للطبراني (رقم الحديث: 1415 - 14)۔سنن أبي داود (كتاب الادب)۔المستدرك للحاكم۔

نشانِ منزل کی تلاش:

اتباعِ نبوی ﷺ کا بے مثال تسلسل

عشقِ صادق کی معراج یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی صرف بڑی باتوں کا ہی نہیں، بلکہ اس کی نشست و برخاست، اس کے چلنے پھرنے اور اس کے خاموش لمحات کا بھی اسیر ہو جائے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الشفاء" میں امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سنہری قول نقل کرتے ہیں: "المحبۃ اتباع رسول اللہ ﷺ" یعنی: اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع و پیروی کا نام ہی درحقیقت محبتِ رسول ﷺ ہے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک محبت کا مفہوم محض الفاظ تک محدود نہ تھا۔ وہ کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور سونے جاگنے تک میں حضور ﷺ کے "نقشِ پا" کو تلاش کرتے تھے۔

نسل در نسل عشق کا سفر: ایک حیرت انگیز واقعہ:

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسا واقعہ بیان کرتے ہیں جو عشق کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے:

وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ دورانِ سفر راستے میں خاص مقامات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز ادا کرتے تھے۔ جب اس عقیدت کی وجہ پوچھی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک مبارک زنجیر ہے جو براہِ راست صاحبِ لولاک ﷺ تک پہنچتی ہے:

---

[1] - الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ۔

* حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ وہاں اس لیے نماز پڑھتے تھے کہ انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

* حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں اس لیے سجدہ ریز ہوتے تھے کہ انہوں نے اپنے والد سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

* اور حضرت عمر فاروق وہاں اس لیے پیشانی ٹیکتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی ان آنکھوں سے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔[1]

اتباعِ سنت: عشق کا عملی ثبوت :

غور کیجیے! یہ وہ مقامات تھے جہاں نماز پڑھنا شرعی طور پر "**واجب**" نہیں تھا، لیکن عشاق کے نزدیک جس جگہ کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم چھو جائیں، وہ جگہ عقیدت کا قبلہ بن جاتی ہے۔ وہ محبت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر نہ چلائے، وہ بے روح جسم ہے۔ وہ عشق جو سنتِ مطہرہ کی خوشبو سے محروم ہو، وہ ادھورا ہے۔ وہ زندگی جو اسوۂ حسنہ کے سانچے میں نہ ڈھلے، وہ بے مقصد ہے۔

اے اللہ! ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین جیسا وہ جذبۂ صادق عطا فرما کہ ہماری زندگی کا ہر سانس اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزرے۔ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی سے چھوٹی سنت کو بھی دنیا کی تمام نعمتوں پر ترجیح دے سکیں۔ آمین یا رب العالمین!

❁❁❁

[1]-حوالہ: صحیح بخاری: 483، صحیح مسلم: 1257 - باب فی صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مواضع من طریق المدینہ

عشقِ رسول ﷺ کا سچا معیار:
اتباعِ مرتضوی کی روشنی

میں محبت محض دعووں کا نام نہیں، محبت تو ایک طرزِ زندگی ہے جہاں عاشق کی اپنی کوئی پسند یا ناپسند باقی نہیں رہتی، بلکہ وہ اپنے محبوب کے ہر نقشِ قدم کو اپنی زندگی کا حاصل بنا لیتا ہے۔ اللہ جل جلالہ کا فرمانِ عالیشان ہے: "قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ"[1]

اے نبی! فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا)۔

ایک خوبصورت منظر: سنتِ نبوی کی بے مثال پیروی:

روایات کے مصلے پر ایک ایمان افروز منظر دیکھیے جو رہتی دنیا تک کے عشاق کے لیے مشعلِ راہ ہے: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب سواری پر تشریف فرما ہوئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسنون دعا پڑھی اور پھر اچانک آپ رضی اللہ عنہ کے لبوں پر ایک دلنواز مسکراہٹ بکھر گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حیرت سے پوچھا: اے امیر المومنین! اس موقع پر مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو عشق واطاعت کا نچوڑ ہے:

میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا تھا کہ جب وہ سواری پر تشریف فرما ہوتے تو اسی طرح دعا پڑھتے اور پھر مسکراتے تھے۔ لہٰذا میں نے بھی حضور ﷺ کی اتباع میں مسکرانا پسند کیا۔[2]

---

[1] -(آل عمران: 31)

[2] -جامع ترمذی: 3446، سنن ابی داؤد: 2602۔

محبت اور سنت کا لازوال رشتہ:

رسول اللہ ﷺ نے خود محبت کا وہ پیمانہ عطا فرما دیا جس پر ہم سب کو اپنا ایمان پرکھنا چاہیے: ”مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ“

ترجمہ: جس نے میری سنت سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ (جنت میں) میرے ساتھ ہوگا۔[1]

محبت یا محض لفاظی؟ ایک لمحہ فکریہ:

آج ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا ہوگا کہ ہمارا دعویٰ کس حد تک سچا ہے:

فریب: وہ محبت جو سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنا نہ سکھائے، محض دھوکہ اور فریب ہے۔

نفاق: وہ محبت جو رسول اکرم ﷺ کی اطاعت و پیروی نہ سکھائے، محض لفاظی اور نفاق ہے۔

ریا: وہ محبت جو رسول اللہ ﷺ کی غلامی کے عملی آداب نہ سکھائے، محض ریا اور دکھاوا ہے۔

جھوٹ: وہ محبت جو سنتِ رسول ﷺ کے علم کو سربلند نہ کرے، حبِ رسول ﷺ کا محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔

سچی محبت تو وہ ہے جو انسان کو اپنی انا مٹانے کا ہنر سکھا دے اور محبوب کی ہر ہر ادا کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا دے۔

❀❀❀

---

[1] -جامع ترمذی: 2678، مشکاۃ المصابیح: 175۔

محبت کا انوکھا انداز:

سونے کی انگوٹھی پھینک دی:

یہ قصہ ہے اس والہانہ محبت کا، جہاں زبان سے حکم ملنے کا انتظار نہیں کیا جاتا بلکہ صرف محبوب کی ادا دیکھ کر زندگی کے فیصلے بدل لیے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ اپنے پیارے آقا ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی شوق اور محبت میں سونے کی انگوٹھیاں بنوا لیں۔ سب کے ہاتھوں میں وہ انگوٹھیاں چمک رہی تھیں، کیونکہ ان کا مقصد صرف زینت نہیں بلکہ اپنے محبوب آقا ﷺ کی مشابہت تھا۔

پھر ایک دن ایک عجیب منظر تاریخ نے دیکھا۔ اللہ کے نبی ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے، آپ ﷺ نے اپنی وہ سونے کی انگوٹھی اتاری اور اسے اپنے ہاتھ سے دور پھینک دیا!

آپ ﷺ نے دوٹوک لفظوں میں اعلان فرمایا:

"میں نے یہ انگوٹھی بنوائی تھی (لیکن اب) میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔

قربان جائیے ان وفا کے پیکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر! انہوں نے نہ کوئی سوال کیا، نہ کوئی دلیل مانگی اور نہ ہی یہ سوچا کہ یہ سونا کتنا قیمتی ہے۔ جیسے ہی دیکھا کہ ان کے آقا ﷺ کے ہاتھ میں انگوٹھی نہیں رہی، تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ہی لمحے میں اپنی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔

یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ "اتباعِ رسول ﷺ" اصل بندگی یہ ہے کہ جس چیز کو میرا

نبی ﷺ ناپسند فرمائے، وہ مومن کے دل سے خودبخود اتر جائے۔

بے مثال وفاداری: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ نہیں کہا کہ "ہم اسے بیچ کر صدقہ کر دیں گے" یا "گھر جا کر اتار دیں گے"، بلکہ اسی وقت اپنے ہاتھوں سے جدا کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک آقا ﷺ کی پسند کے سامنے سونے کی کوئی قیمت نہ تھی۔[1]

❁❁❁

جہاں بادشاہوں کے سر جھکتے ہیں:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے مثال وارفتگی

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب مکہ کے سرداروں نے اپنے ایک بہت ہی زیرک اور تجربہ کار سفیر، عروہ بن مسعود کو مسلمانوں کی خبر لینے اور ان کا رعب دیکھنے کے لیے بھیجا۔ عروہ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے دربار دیکھے تھے، اس نے روم کے قیصر، فارس کے کسریٰ اور حبشہ کے نجاشی جیسے جاہ و جلال والے بادشاہوں کی شان و شوکت کا مشاہدہ کیا تھا۔

مگر جب وہ مدینہ کے تاجدار، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ محبت میں پہنچا، تو اس کی آنکھیں وہ منظر دیکھ کر دنگ رہ گئیں جو کسی دنیاوی بادشاہ کے نصیب میں نہ تھا۔

عروہ نے دیکھا کہ وہاں بادشاہت نہیں، بلکہ عشق و جنون کی حکمرانی ہے۔ اس نے مشاہدہ کیا کہ:

اگر اللہ کے نبی ﷺ اپنا لعابِ دہن مبارک زمین پر گرنے دیتے، تو صحابہ

---

[1] -أخرجه البخاري، مسلم۔

اسے زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں تھام لیتے اور اسے برکت کے لیے اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے۔

جب آپ ﷺ وضو فرماتے، تو وضو سے بچا ہوا پانی حاصل کرنے کے لیے صحابہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تڑپ ہوتی؛ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ اس پانی کی ایک ایک بوند پر قربان ہونے کو تیار ہوں۔

جب آپ ﷺ کوئی حکم دیتے، تو تعمیل میں دیر نہ ہوتی۔لب ملنے کی دیر ہوتی اور صحابہ اسے زندگی کا مقصد بنا لیتے۔

جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے، تو پورے مجمع پر ایسی خاموشی طاری ہو جاتی جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، کسی کی ہمت نہ تھی کہ آواز بلند کرے۔

اور ادب کا یہ عالم کہ مارے احترام کے کوئی آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف نظر بھر کر دیکھتا بھی نہ تھا۔

جب عروہ بن مسعود اپنے ساتھیوں (کفارِ مکہ) کے پاس واپس پہنچا، تو اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا اور بدن پر لرزہ تھا۔ اس نے جا کر کہا:

"اے میری قوم! خدا کی قسم! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں، میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی شان و شوکت دیکھی ہے، لیکن اللہ کی قسم! میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے درباری اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی محمد (ﷺ) کے غلام ان کی تعظیم کرتے ہیں۔"[1]

❁❁❁

---

[1] -صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب خاتم الذہب (حدیث نمبر: 5865)۔صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم خاتم الذہب علی الرجال (حدیث نمبر: 2091)۔

صدیقِ اکبر کی استقامت:

جب دین کی حفاظت کے لیے تنہا پہاڑ بن گئے

یہ وہ کٹھن گھڑی تھی جب کائنات کے سب سے روشن سورج، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ فرما چکے تھے۔ پورا عرب صدمے میں تھا اور فتنے چاروں طرف سے سر اٹھا رہے تھے۔ کچھ قبائل اسلام سے پھر گئے اور کچھ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "ہم نماز تو پڑھیں گے، مگر زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔"

ایسے نازک وقت میں، جب اپنوں کے حوصلے ٹوٹ رہے تھے اور دشمنوں کے وار تیز تھے، تاریخِ اسلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ روپ دیکھا جس نے قیامت تک کے لیے حق اور باطل کا معیار مقرر کر دیا!

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جو خود جلال اور بہادری کی علامت تھے، وہ بھی مصلحت کے پیشِ نظر نرمی کا مشورہ دے رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: "اے ابوبکر! آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے جنہوں نے کلمہ پڑھ رکھا ہے؟" حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا اس کی جان و مال محفوظ ہو گئی۔" لیکن صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین کی غیرت اس وقت ایک ایسے مقام پر تھی جہاں سمجھوتہ ناممکن تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک کے لیے مشعلِ راہ بن گیا:

"خدا کی قسم! میں ہر اس شخص کے خلاف اعلانِ جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا۔"

آپ رضی اللہ عنہ کے جوش و جذبے کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کمالِ جرات سے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر یہ لوگ (زکوٰۃ میں) ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جو

وہ اللہ کے رسول ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اس رسی کے بدلے بھی ان سے جنگ کروں گا!"

یہ محض ایک رسی کی بات نہیں تھی، یہ حضور ﷺ کے لائے ہوئے نظامِ دین کی حرمت کا سوال تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آقا ﷺ کے جانے کے بعد دین کی ایک چھوٹی سی کڑی بھی ٹوٹ جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو اس فیصلے پر تذبذب میں تھے، جب انہوں نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ عزم اور ان کے چہرے پر حق کی چمک دیکھی، تو پکار اٹھے:

"**خدا کی قسم!** میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے (اس فیصلے کے لیے) ابوبکر کا سینہ کھول دیا ہے، اور میں جان گیا کہ حق وہی ہے جو ابوبکر کہہ رہے ہیں۔"

اس واقعے کا پیغام یہ ہے کہ:

- **دین کامل ہے:** دین میں اپنی مرضی سے کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔
- **خلافتِ صدیقی کا مقام:** اگر اس دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لچک دکھاتے تو شاید آج دین کی شکل ہی کچھ اور ہوتی۔
- **غیرتِ ایمانی:** مومن وہ ہے جو حضور ﷺ کے بتائے ہوئے راستے سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کرے۔[1]

❁❁❁

[1] -صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ (حدیث نمبر: 1400)۔صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ (حدیث نمبر: 20)۔

محبت کا امتحان:

جس چیز کو آپ ﷺ نے پھینکا اسے میں نہیں اٹھاؤں گا:

یہ کہانی ہے ایک ایسے سچے عاشق کی، جس کے لیے کائنات کی ہر قیمتی شے اپنے محبوب ﷺ کے اشارے پر قربان تھی۔

مدینہ منورہ کی فضاؤں میں ایک روز اللہ کے رسول ﷺ کی نظر ایک شخص کے ہاتھ پر پڑی جس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آپ ﷺ کو اپنے امتی کی یہ ادا پسند نہ آئی، کیونکہ مرد کے لیے سونا حرام قرار دیا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے جلال اور محبت کے ملے جلے انداز میں اس کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی اتاری اور زمین پر پھینک دی۔

آپ ﷺ کے الفاظ میں ایک تنبیہ تھی:

"کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ آگ کا انگارہ اپنے ہاتھ میں لے لے؟"

وفاداری کا عروج رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ مٹی میں پڑی وہ سونے کی انگوٹھی چمک رہی تھی، مگر اس صحابی کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہ رہی۔ پاس کھڑے لوگوں نے ہمدردی میں کہا:

"میاں! اسے اٹھا لو، پہنو نہیں مگر اسے بیچ کر نفع تو کما سکتے ہو، اپنی ضرورت تو پوری کر سکتے ہو۔"

اس وقت اس عاشقِ صادق نے جو جواب دیا، وہ تاریخ کے ماتھے کا جھومر بن گیا۔ اس نے تڑپ کر کہا:

"خدا کی قسم! جس چیز کو میرے آقا ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اتار کر پھینک دیا ہو، اسے (فائدے کے لیے بھی) اٹھانا میری غیرتِ عشق کو گوارا نہیں۔"

یہ صرف ایک انگوٹھی کا واقعہ نہیں ہے، یہ اس جذبے کی عکاسی ہے کہ جب انسان اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کو اپنی مرضی بنا لیتا ہے، تو پھر دنیا کے بڑے سے بڑے فائدے اور خزانے اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔

❁❁❁

جب عشق پکارا:

"آقا! آپ حکم دیں تو ہم سمندروں کا سینہ چاک کر دیں"

یہ وہ گھڑی تھی جب حق اور باطل کے پہلے بڑے معرکے (بدر) کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ ایک طرف کفر کا تکبر تھا اور دوسری طرف ایمان کی بے سروسامانی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور مشورہ طلب فرمایا۔ آپ ﷺ دیکھنا چاہتے تھے کہ کڑے وقت میں جاں نثاروں کے ارادے کیا ہیں۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا، مگر آپ ﷺ کی نظریں بار بار مجمع کی طرف اٹھتی تھیں، جیسے کسی خاص جواب کی منتظر ہوں۔

انصارِ مدینہ (مدینہ کے مقامی لوگ) یہ بھانپ گئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کا روئے سخن ان کی طرف ہے، کیونکہ میثاقِ مدینہ میں ان کا عہد دفاعی تھا، لیکن آج معاملہ شہر سے باہر نکل کر لڑنے کا تھا۔

انصار کے قائد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (بعض روایات میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر ہے) کھڑے ہوئے اور ان کا لب و لہجہ محبتِ رسول ﷺ سے لبریز تھا۔ انہوں نے عرض کی:

"**یا رسول اللہ!** شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ **اللہ کی قسم!** ہم وہ نہیں جو (بنی اسرائیل کی طرح) یہ کہیں کہ "آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں"، بلکہ ہم تو وہ ہیں جن کے دل آپ کے قدموں میں بچھے ہیں۔"

ان کی آواز میں ایمان کی گونج تھی جب انہوں نے یہ تاریخی جملے کہے:

"**یا رسول اللہ!** اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں، تو ہم ایک لمحہ سوچے بغیر سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں کود جائیں گے۔ اور اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنی اونٹنیوں کو دوڑاتے ہوئے "**برک الغماد**" (یمن کے دور دراز پہاڑوں) تک لے جائیں، تو ہم تب بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

یہ بے مثال جذبہ دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے دمک اٹھا اور آپ ﷺ نے جہاد کا اعلان فرما دیا۔ یہ وہ جذبہ تھا جس نے بدر کے میدان میں تین سو تیرہ کو ہزار پر بھاری کر دیا۔[1]

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیے بغیر غزوۂ بدر کے مشورے کی یہ داستان ادھوری رہتی ہے۔ جب انصار کی طرف سے حضرت سعد نے جاں نثاری کا یقین دلایا، تو اس سے پہلے مہاجرین کی جانب سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے وہ کلمات کہے جنہیں سن کر صحابہ کے چہرے چمک اٹھے۔

ملاحظہ فرمائیں وہ منظر جب ایک طرف تپتا ہوا صحرا تھا اور دوسری طرف عشق کا سمندر:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ: "ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں"۔

---

[1] - صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ بدر، حدیث نمبر: 1779۔

جب اللہ کے رسول ﷺ نے مشورہ طلب کیا تو فضا میں ایک خاموشی اور سنجیدگی تھی۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ یہ جنگ محض ایک لڑائی نہیں بلکہ حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ ہے۔ ایسے میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، ان کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر تھا اور نگاہیں اللہ کے نبی ﷺ کے چہرۂ انور پر تھیں۔

انہوں نے بڑے پر جوش اور تڑپتے ہوئے انداز میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! جو حکم اللہ نے آپ کو دیا ہے، آپ اسے کر گزریے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ: "تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔"

پھر انہوں نے اپنے جذبات کا رخ موڑا اور نہایت بلند آواز میں کہا:

"یا رسول اللہ! ہم تو آپ کے دائیں سے بھی لڑیں گے، آپ کے بائیں سے بھی لڑیں گے، آپ کے سامنے سے بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے سے بھی لڑیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ ہمیں آگ کے شعلوں میں بھی لے جائیں گے تو ہم آپ کے پیچھے وہاں بھی چلے جائیں گے۔"

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا اور آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ یہ وہ الفاظ تھے جنہوں نے لشکرِ اسلام کی ہمت کو ہمالیہ سے بلند کر دیا اور ہر صحابی کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگے۔[1]

❁❁❁

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ بدر حدیث نمبر 1779۔

نقشِ قدم کی جستجو:

"میں وہی کرتا ہوں جو میرے محبوب ﷺ نے کیا":

یہ کہانی ہے اس والہانہ اتباع کی، جہاں عقل خاموش ہو جاتی ہے اور صرف محبت بولتی ہے۔ جہاں منزل سے زیادہ اس راستے کی اہمیت ہے جس پر اللہ کے نبی ﷺ کے قدموں کے نشان ثبت ہوں۔

حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک بستی کی طرف نکلا۔ جب ہم منزل کے قریب پہنچے تو ابھی ہم نے صرف سترہ یا اٹھارہ میل کا فاصلہ ہی طے کیا تھا (جو کہ عام طور پر مکمل مسافر بننے کی مسافت سے کم معلوم ہوتا تھا)۔ مگر شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ نے وہاں رک کر دو رکعت (قصر) نماز پڑھی۔

جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں سوال ابھرا کہ ابھی تو سفر اتنا طویل نہیں ہوا، پھر یہ دو رکعت کیوں؟ انہوں نے ادب سے پوچھا: "آپ نے یہاں دو رکعت کیوں ادا فرمائیں؟"

شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا، وہ رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ انہوں نے کسی لمبی چوڑی فقہی بحث میں پڑنے کے بجائے اپنے مشاہدے اور محبت کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے فرمایا:

"میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا تھا۔ جب وہ ذوالحلیفہ (مدینہ کے قریب ایک مقام) پہنچے تو انہوں نے بھی وہاں دو رکعت پڑھی تھیں۔ میں نے بھی ان سے یہی سوال کیا تھا کہ اے عمر! آپ یہاں دو رکعت کیوں پڑھ رہے ہیں؟"

تب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو ایمان کی بنیاد ہے:

"میں تو بس وہی کرتا ہوں جو میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"[1]

❁❁❁

جب عرش والے کی قسم نے فضا کو رلا دیا:

"خوشخبری ان کے لیے جو گناہوں سے بچ گئے"

یہ مدینہ منورہ کی وہ گھڑی تھی جب صحابہ کرام اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد پروانوں کی طرح جمع تھے، مگر اچانک فضا بدل گئی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے، چہرہ مبارک پر جلال اور کیفیتِ استغراق تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اس ہستی کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے!"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نہیں، دو بار نہیں، بلکہ تین بار یہ قسم دہرائی۔ قسم کے ان الفاظ میں ایسی ہیبت تھی کہ صحابہ کے دل لرزنے لگے کہ نہ جانے آج کون سا بڑا حکم آنے والا ہے یا کون سی سخت وعید سنائی جانے والی ہے۔

ابھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قسم کی وجہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک رحمتِ عالم

---

[1] -صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب قصر الصلاۃ بذی الحلیفہ، حدیث نمبر: 690۔سنن نسائی: کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر، باب القصر فی السفر، حدیث نمبر: 1432۔مسند امام احمد: جلد 1، صفحہ 54 (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مسند میں)۔

ﷺ (خوفِ خدا یا تڑپ کی وجہ سے) اپنے چہرۂ انور کے بل سجدہ ریز ہو گئے۔ اپنے آقا ﷺ کو یوں گریہ وزاری کرتے اور سجدے میں گرے دیکھ کر صحابہ کرام کی ہمت جواب دے گئی۔ عشق کا تقاضا یہی تھا کہ جہاں آقا ﷺ ہوں، غلام بھی وہیں ہوں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ:

"ہم میں سے بھی ہر شخص (اپنے آقا کی دیکھا دیکھی) منہ کے بل گر پڑا اور زار و قطار رونے لگا۔"

مسجدِ نبوی سسکیوں اور آہوں سے بھر گئی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ گریہ کیوں ہے، بس سب اپنے محبوب ﷺ کے غم میں شریک تھے۔

کچھ دیر بعد جب آپ ﷺ نے اپنا سرِ مبارک اٹھایا، تو منظر بدل چکا تھا۔ اب چہرۂ انور پر اداسی نہیں بلکہ رونق اور خوشی کے آثار تھے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے چہرے کی وہ مسکراہٹ ہمیں دنیا کی قیمتی ترین دولت (سرخ اونٹوں) سے بھی زیادہ پیاری لگی۔

تب آپ ﷺ نے وہ خوشخبری سنائی جس کے لیے یہ تمام کیفیت طاری ہوئی تھی:

"جو شخص پانچ نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کرے اور سات بڑے گناہوں (کبیرہ) سے بچا رہے، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔"[1]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے آقا ﷺ سے تعلق کتنا گہرا تھا۔ وہ صرف آپ ﷺ کے الفاظ کے نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی کیفیات کے بھی

---

[1]- سنن نسائی: کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث نمبر: 2438۔ سنن نسائی الکبریٰ: حدیث نمبر: 2315۔ صحیح ابن حبان: جلد 8، صفحہ 24، حدیث نمبر: 3251۔

تابع تھے۔اگر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روتے تو وہ بھی رو پڑتے ،اوراگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے تو ان کی عید ہو جاتی۔

❁❁❁

حکمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جاں نثاری:

”جب تک وہاں نہ پہنچو،نماز نہ پڑھنا“

غزوہِ خندق کا کڑا وقت ابھی گزرا ہی تھا،مجاہدین کے جسموں سے تھکن کی گرد بھی نہیں ڈھلی تھی اور ابھی ہتھیار اتار کر رکھے ہی گئے تھے کہ اچانک مدینہ کی فضا بدل گئی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے ہی تھے کہ اچانک ایک شخص (حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں) نمودار ہوا۔ یہ اللہ کے فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو پیغام لائے تھے کہ:”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے تو اسلحہ اتار دیا، مگر ہم فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں رکھے۔ ابھی بنو قریظہ (غداروں) کا حساب باقی ہے۔“

اپنے رب کا حکم پاتے ہی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً کھڑے ہو گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پکارا اور ایک ایسا حکم دیا جس نے سب کے جذبات کو مہمیز کر دیا:

”تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک کہ وہ بنو قریظہ کے پاس نہ پہنچ جائے۔“

یہ حکم پاتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلے بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں سورج ڈھلنے لگا،شام کے سائے گہرے ہونے لگے اور عصر کا وقت ختم ہونے

کے قریب آ گیا۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک عجیب کشمکش تھی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ بن گئے، اور دونوں کی نیت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا تھی:

- پہلا گروہ (احتیاط والے): انہوں نے سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد ہمیں جلدی پہنچانا تھا، نماز قضا کرنا مقصود نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے راستے میں ہی نماز ادا کر لی تا کہ اللہ کا فریضہ وقت پر پورا ہو سکے۔
- دوسرا گروہ (دیوانے اور جاں نثار): انہوں نے کہا: "خدا کی قسم! ہمارے کانوں میں ابھی تک آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ الفاظ گونج رہے ہیں کہ "نماز نہ پڑھنا جب تک وہاں نہ پہنچ جاؤ"۔ چاہے سورج غروب ہو جائے یا وقت نکل جائے، ہم اپنے محبوب کے لفظوں سے سرِ مو انحراف نہیں کریں گے۔" انہوں نے نماز ترک کر دی اور منزل پر پہنچ کر ہی ادا کی۔

جب یہ سارا معاملہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، تو کائنات کے سب سے بڑے معلم نے ایک حسین فیصلہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو وقت پر نماز پڑھنے والوں کو برا بھلا کہا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر لفظ بہ لفظ عمل کرتے ہوئے نماز مؤخر کرنے والوں کو جھڑکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں گروہوں کی نیتوں کی قدر فرمائی اور کسی کو بھی گناہ گار قرار نہیں دیا۔[1]

❁❁❁

[1] - المستدرک علی الصحیحین (امام حاکم): کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 125، حدیث نمبر: 2541۔۔ صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب،

عقل قربانِ رسول ﷺ:

"اے پتھر! میں تو بس اپنے آقا ﷺ کی ادا دہرا رہا ہوں"

یہ حج کا پُرکیف موقع تھا، بیت اللہ کے گرد پروانوں کا ہجوم تھا اور فضا اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج رہی تھی۔ اسی دوران تاریخِ عالم کی وہ عظیم ہستی قریب آئی جسے دنیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے وہ عمر جن کی ہیبت سے باطل کانپتا تھا اور جن کی عقل پر وحیِ الٰہی کی مہر لگتی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حجرِ اسود (جنت کے سیاہ پتھر) کے سامنے آ کر رک گئے۔ آپ کی نظریں اس پتھر پر جمی تھیں، مگر آپ کے دل میں توحید کی وہ تڑپ تھی جو ذرے ذرے میں صرف اللہ کا نور دیکھتی تھی۔ آپ نے حجرِ اسود کو مخاطب کر کے وہ جملے کہے جو قیامت تک کے لیے اتباعِ سنت کا دستور بن گئے:

"اے پتھر! سن لے، میں خوب جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے، نہ تو کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

یہ توحید کا وہ اعلان تھا جس نے بت پرستی کی ہر جڑ کاٹ دی، مگر اگلے ہی لمحے عشق کی وہ انتہا ظاہر ہوئی جس نے عقل کو حیران کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پتھر کو چوما اور پھر بڑے والہانہ انداز میں فرمایا:

"اگر میں نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

آپ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میرا یہ عمل اس لیے نہیں کہ تو کوئی معبود ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ اس جگہ میرے محبوب ﷺ کے لبِ مبارک لگے تھے۔ جس پتھر کو میرے آقا

ﷺ نے پیار کیا، وہ میری آنکھوں کا تارہ ہے؛ جس راستے پر وہ چلے، وہ میری منزل ہے

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: "یہ وہ کام ہے جسے حضور ﷺ نے ادا فرمایا ہے، پس ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔"

یہ واقعہ سکھاتا ہے کہ اسلام میں اصل چیز "دلیل" نہیں بلکہ "اتباع" ہے۔ جہاں اللہ کے رسول ﷺ کا فعل آ جائے، وہاں مومن اپنی پسند اور ناپسند کو قربان کر دیتا ہے۔[1]

❁❁❁

نقشِ قدم کی پیروی:

"جہاں میرے آقا ﷺ مڑے، وہیں میرا راستہ ہے"

یہ سفر کی ایک تپتی دوپہر تھی یا شاید شام کا دھندلکا، جب صحابہ کا ایک قافلہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ راستہ بالکل سیدھا اور ہموار تھا، لیکن اچانک ایک مقام پر پہنچ کر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی سواری کا رخ موڑا اور سیدھے راستے کو چھوڑ کر ایک طرف سے ہو کر گزر گئے۔

ساتھ چلنے والے ساتھی حیران رہ گئے! وہاں نہ تو کوئی گڑھا تھا، نہ کوئی رکاوٹ اور نہ ہی کوئی ظاہری وجہ کہ ایک مسافر سیدھی راہ چھوڑ کر گھوم کر جائے۔ کسی نے اشتیاق اور حیرت سے پوچھا:

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الاسود، حدیث نمبر: 1597۔ صحیح مسلم: کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر الاسود، حدیث نمبر: 1270۔

"اے ابنِ عمر! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ راستہ تو سیدھا تھا، پھر آپ بلا وجہ اس جگہ سے ہٹ کر کیوں چلے؟" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی آنکھوں میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادوں کے دیپ جل اٹھے۔ آپ نے بڑے والہانہ اور پُر یقین لہجے میں فرمایا:

"میں نے اسی مقام پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنا راستہ بدلا تھا اور یہاں سے ہٹ کر چلے تھے۔ بس! میری محبت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جس جگہ سے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کترا کر گزرے ہوں، وہاں سے میں سیدھا گزر جاؤں۔"

بے مثال وابستگی:

سبحان اللہ! یہ اتباع کی وہ انتہا ہے جہاں یہ سوال بھی دم توڑ دیتا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے کیوں ہٹے تھے؟" (ہوسکتا ہے اس وقت وہاں کوئی کانٹا ہو یا کوئی جانور بیٹھا ہو جواب موجود نہیں)۔ مگر ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے لیے وجہ اہم نہیں تھی، ان کے لیے تو بس "عملِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہی اصل دلیل تھی۔ ان کا ایمان یہ تھا کہ کامیابی منزل تک پہنچنے میں نہیں، بلکہ منزل کی طرف جانے والے اس راستے میں ہے جو قدمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منور ہو چکا ہو۔[1]

ایک تربیتی نکتہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سفر میں ان درختوں کے نیچے بھی کچھ دیر سستانے کے لیے رک جایا کرتے تھے جہاں کبھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] - مسند امام احمد: جلد 2، صفحہ 131۔ (امام احمد نے اسے ثقہ راویوں کے ساتھ روایت کیا ہے)۔ مجمع الزوائد (ہیثمی): جلد 1، صفحہ 170۔

نے آرام فرمایا ہوتا تھا، تاکہ کل روزِ قیامت وہ درخت گواہی دیں کہ اس غلام نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی ہر ہر موڑ پر لاج رکھی۔

❁❁❁

یادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ:
"جہاں میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے، وہیں مجھے سکون آئے گا"

تصور کریں مکہ اور مدینہ کے درمیان تپتا ہوا ریگستان ہے، سورج آگ برسا رہا ہے اور مسافر سائے کی تلاش میں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک خاص درخت کے پاس رکتے ہیں اور وہیں دوپہر کا آرام (قیلولہ) فرماتے ہیں۔

لوگ حیران ہوتے کہ شاید یہاں ٹھنڈک زیادہ ہے یا زمین نرم ہے، مگر جب پوچھا گیا تو آپ کی آنکھوں میں محبت کی چمک لہرائی۔ آپ نے فرمایا: "بس بات اتنی سی ہے کہ میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سفر کے دوران اسی درخت کے نیچے آرام فرماتے دیکھا تھا، میرا جی چاہتا ہے کہ جہاں میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدنِ مبارک لگا تھا، وہیں میں بھی لیٹ جاؤں۔"

یہ وہ پیار تھا جس میں درخت کا سایہ نہیں، بلکہ یادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹھنڈا سایہ ڈھونڈا جاتا تھا۔[1]

---

[1]-اسے امام طبرانی نے 'المعجم الکبیر' میں اور امام بزار نے اپنی 'مسند' میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا (مجمع الزوائد: 1/170)۔

بے ساختہ ادا: ”میں تو بس اپنے محبوب ﷺ کی نقل کر رہا ہوں“:

ایک مقام پر دیکھا گیا کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اپنی اونٹنی کو ایک خاص دائرے میں گھما رہے ہیں۔ نہ وہاں کوئی راستہ بند تھا، نہ کوئی مصلحت۔ دیکھنے والوں نے پوچھا: ”اے ابنِ عمر! یہ اونٹنی کیوں گھمائی؟

آپ نے نہایت سادگی اور سچائی سے جواب دیا: ”مجھے نہیں معلوم کہ ایسا کیوں کرنا ہے، میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ میں نے اس مقام پر حضور ﷺ کو اپنی اونٹنی اسی طرح گھماتے دیکھا تھا۔ میرا کام دلیل ڈھونڈنا نہیں، اپنے آقا ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنا ہے۔“[1]

سبحان اللہ! عقل کہتی ہے کیوں؟ اور عشق کہتا ہے بس یہی میرے آقا کی ادا ہے۔

محبت کا انوکھا سفر: صرف سلام کے لیے!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک شاگرد بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بازار جانے کا ارادہ فرمایا۔ میں بھی عقیدت کے ساتھ آپ کے ہمراہ ہولیا۔

ہم بازار پہنچے، بازار کی گہما گہمی عروج پر تھی۔ دکانیں سجی تھیں، خریداروں کا ہجوم تھا اور ہر طرف خرید و فروخت کا شور تھا۔ لیکن میں نے ایک عجیب منظر دیکھا! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پورے بازار میں گھومتے رہے، مگر:

نہ کسی دکان پر سودا کرنے کے لیے رکے۔

نہ کسی چیز کی قیمت (بھاؤ) معلوم کی۔

---

[1] -مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 131۔ امام منذری نے اسے 'الترغیب' میں جیّد سند کے ساتھ نقل کیا۔

نہ کچھ خریدا اور نہ کچھ بیچا۔

آپ کا بس ایک ہی کام تھا: جو بھی مسلمان سامنے آتا، آپ مسکرا کر اسے "السلام علیکم" کہتے۔ بازار کے ہر گوشے میں آپ کی زبان سے سلام کی خوشبو پھیلتی رہی۔ جب ہم واپس آنے لگے تو میں نے حیرت سے پوچھا:

"اے اللہ کے بندے! آپ بازار تشریف لے گئے، اتنی مشقت اٹھائی، لیکن نہ کچھ خریدا نہ بیچا، یہاں تک کہ کسی دکان پر ٹھہرے بھی نہیں، پھر اس سفر کا مقصد کیا تھا؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے کمالِ محبت اور سادگی سے جواب دیا:

"میرے پیارے شاگرد! ہم اس بازار میں خرید و فروخت کے لیے نہیں، بلکہ صرف اس لیے گئے تھے کہ وہاں مسلمان بھائی ملیں گے اور ہم انہیں سلام کر سکیں گے۔"[1]

عشقِ رسول ﷺ کا والہانہ انداز:

یہ محض ایک چکر نہیں تھا، بلکہ اتباعِ سنت کا وہ والہانہ جذبہ تھا جو صحابہ کرام کے رگ و پے میں بسا ہوا تھا۔ انہوں نے سیکھ لیا تھا کہ: سنت پر عمل کرنے کے لیے کسی بڑے موقع کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ سلام پھیلانا محض ایک رسم نہیں، بلکہ دلوں کو جوڑنے والا وہ عمل ہے جس کی تاکید خود حضور ﷺ نے فرمائی تھی۔

ایک عاشق کے لیے بازار کی رونقیں ہیچ ہیں، اصل رونق تو سنتِ نبوی ﷺ کو زندہ کرنے میں ہے۔

❁❁❁

---

[1] -مؤطا امام مالک: باب: باب السلام، حدیث نمبر: 1836۔

ادھوری کٹی آستین:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نئی قمیض پہنی، جو ہاتھ سے کچھ لمبی تھی۔ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آستینیں انگلیوں کے پوروں تک کھینچ کر زائد کپڑا چھری سے کاٹ دو۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے جب کپڑا کاٹا تو دھاگے لٹک رہے تھے اور کنارے ناہموار تھے۔

بیٹے نے عرض کی: "ابا جان! اگر اجازت دیں تو قینچی سے اسے برابر کر دوں تاکہ خوبصورت لگے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر فرمایا:

"نہیں میرے بیٹے! اسے ایسے ہی رہنے دو، کیونکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی حالت میں دیکھا تھا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص کی آستینیں بھی اسی طرح کٹی ہوئی تھیں)۔"[1]

وہ خلیفہ وقت جس کے اشارے پر قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے، اس نے اپنی آستین کے لٹکتے دھاگوں کو فیشن پر ترجیح دی، کیونکہ ان دھاگوں میں سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو بسی تھی۔

❁❁❁

---

[1] -اسے امام احمد نے 'کتاب الزہد' میں اور ابنِ سعد نے 'الطبقات الکبریٰ' (328/3) میں روایت کیا ہے

عہد کی پاسداری اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

"منصوبے مٹ سکتے ہیں، مگر فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں"

یہ وہ دور تھا جب اسلامی پرچم رومی سلطنت کی سرحدوں پر لہرا رہا تھا۔ ایک طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے زیرک حکمران تھے اور دوسری طرف رومیوں کی مکاریاں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ساتھ ایک عارضی صلح کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ آپ کی بصیرت نے ایک ایسا منصوبہ بنایا جو بظاہر فتح کی یقینی ضمانت تھا۔ آپ نے سوچا کہ صلح کی مدت ختم ہوتے ہی حملہ کرنے کے بجائے، صلح کے آخری ایام میں ہی فوجوں کو سرحد کی طرف حرکت دے دی جائے، تاکہ جیسے ہی معاہدہ ختم ہو، مسلمان دشمن کے سر پر موجود ہوں اور رومیوں کو تیاری کا موقع نہ مل سکے۔

فوجیں روانہ ہوئیں، مجاہدین کے دلوں میں فتح کی تڑپ تھی اور منصوبہ بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا۔ رومیوں کو گمان بھی نہ تھا کہ معاہدہ ختم ہوتے ہی موت ان کے دروازے پر دستک دے گی۔

عین اس وقت جب لشکرِ اسلام فتح کے قریب تھا اور رومی پسپا ہو رہے تھے، پیچھے سے ایک شہسوار گھوڑا دوڑاتا ہوا نمودار ہوا۔ اس کی آواز میں ایسی کڑک اور درد تھا کہ لشکر کے قدم رک گئے۔ وہ پکار رہا تھا:

"اللہ اکبر! اللہ اکبر! مومن وفا کرتا ہے، دھوکہ نہیں دیتا!" (**وفاءٌ لا غدر**)

یہ شہسوار جلیل القدر صحابی حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ قریب پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے وہ حدیث سنائی جس نے پورے منظرنامے کو بدل کر رکھ دیا۔

حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ:

"جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو، وہ اس میں ذرہ برابر تبدیلی نہ کرے، یہاں تک کہ مدت پوری ہو جائے یا وہ کھلم کھلا اعلان کر دے۔" (یعنی صلح کے دوران جنگ کی تیاری کے لیے فوج کی پیش قدمی بھی معاہدے کی روح کے خلاف ہے)۔

اب ایک طرف برسوں کی محنت، فوجی مشقت، فتح کی یقینی امید اور مفتوحہ علاقہ تھا، اور دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی تاویل نہ تھی، کوئی مصلحت نہ تھی۔ جیسے ہی کانوں میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان پڑا، تمام جنگی منصوبے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم دیا: "لشکر واپس مڑ جائے!"

وہ علاقہ جو جیتا جا چکا تھا، وہ دشمن کو واپس کر دیا گیا۔ وہ فوج جو فتح کے جھنڈے گاڑ رہی تھی، وہ سر جھکائے واپس لوٹ آئی۔ کیوں؟ اس لیے کہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان دنیا کی ہر سلطنت سے زیادہ قیمتی ہے[1]۔

❁❁❁

---

[1]- سنن ابی داؤد: کتاب الجهاد، باب فی الامام یکون بینه وبین العدو عهد فیسیر الیه، حدیث نمبر: 2759۔ مسند امام احمد: جلد 4، صفحہ 113۔

مکہ کی وہ شام اور عشق کا امتحان

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب مکہ کی گلیاں ابھی اسلام کے نور سے پوری طرح منور نہیں ہوئی تھیں اور ایمان لانے والوں پر آزمائشوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ جو ہجرت کر کے مدینہ جا چکے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر ایک اہم مہم کے لیے خفیہ طور پر مکہ تشریف لائے۔

مکہ کی تاریک رات میں ان کا سامنا عناق سے ہو، وہ عورت جس سے اسلام لانے سے قبل ان کے مراسم تھے۔ عناق نے جب اپنے پرانے ساتھی کو دیکھا، تو وہی پرانی یادیں اور تعلق کا واسطہ دے کر انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اب مرثد وہ مرثد نہیں رہے؛ اب ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت نے گھر کر لیا ہے، جس کے سامنے دنیا کی ہر کشش ہیچ ہے۔

جب عناق نے قربت چاہی، تو حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے کمالِ استقامت سے فرمایا:

"اے عناق! اب اسلام میرے اور تمہارے درمیان دیوار بن چکا ہے"

یہ جملہ صرف ایک انکار نہیں تھا، بلکہ ایک اعلانِ بندگی تھا۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ ایک مومن کا دل اب اپنی خواہشات کا غلام نہیں، بلکہ رب کے احکامات کا پابند ہے۔

عناق نے جب دیکھا کہ گناہ کی راہ مسدود ہے، تو اس نے نکاح کی پیشکش کی۔ انسانی فطرت کے ناطے حضرت مرثد کے دل میں نرمی پیدا ہونا ممکن تھی، لیکن ان کی وفاداری کا معیار دیکھئے! انہوں نے فرمایا کہ میں نکاح پر راضی تو ہوں، لیکن جب تک اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت نہ لے لوں، کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ایک صحابی کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمایاں ہوتا ہے۔ انہوں

نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اپنی پسند پر نہیں، بلکہ "رضائے مصطفیٰ ﷺ" پر چھوڑ دیا۔

جب حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں سارا ماجرا عرض کیا، تو زمین کے اس واقعے پر آسمان سے وحی نازل ہوئی۔ اللہ رب العزت نے قیامت تک کے لیے اصول طے فرما دیا:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (سورۃ البقرہ، آیت 221)

ترجمہ: "اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں"۔

جیسے ہی یہ حکمِ الٰہی سنا، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اپنے دل کی ہر خواہش کو قربان کر دیا اور اس رشتے کا خیال ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔[1]

استقامت کا کوہِ گراں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا اصل حسن یہی تھا کہ وہ: خوفِ ملامت سے بے نیاز تھے: دنیا کیا کہے گی؟ لوگ مذاق اڑائیں گے؟ ان سوالوں کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی۔ سنت کے گرویدہ تھے: وہ حضور ﷺ کی ہر ادا کو اپنی زندگی میں ڈھالنا عبادت سمجھتے تھے۔ ماحول سے مرعوب نہیں ہوتے تھے: چاہے ماحول کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو، ان کے قدم جادۂ حق سے نہیں ڈگمگاتے تھے۔

❁❁❁

---

[1] -سنن ابی داؤد: کتاب النکاح، باب (قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً)، حدیث نمبر 2051-سنن ترمذی: ابواب التفسیر (سورۃ النور)، حدیث نمبر 3177۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو "حسن غریب" قرار دیا ہے۔سنن نسائی: کتاب النکاح، باب (تَزْوِيجِ الزَّانِيَةِ)، حدیث نمبر 3228۔

قیصرِ روم کا دربار

اور صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ وہ دور تھا جب اسلام کا پرچم حجاز کی سرحدوں سے نکل کر عالمی طاقتوں کے ایوانوں میں دستک دے رہا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت جثامہ بن مساحق رضی اللہ عنہ کو رومی سلطنت کے عظیم الشان بادشاہ "ہرقل" کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔

تصور کیجیے! ایک طرف دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا دربار ہے، جہاں رعب و دبدبہ، ریشم و کمخواب اور سونے چاندی کی ریل پیل ہے۔ دوسری طرف سادگی کا پیکر، صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جن کی آنکھوں میں دنیا کی چمک نہیں بلکہ مدینے والے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا نور ہے۔

ہرقل نے مسلمانوں کے اس سفیر کا اکرام کرنا چاہا اور اپنے شاہی آداب کے مطابق انہیں سونے کی ایک کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔ حضرت جثامہ رضی اللہ عنہ سفر کی تھکن یا بے خیالی میں اس پر بیٹھ گئے۔

لیکن ذرا اس لمحے کی کیفیت دیکھیے! جیسے ہی انہیں احساس ہوا کہ جس کرسی پر وہ براجمان ہیں وہ "سونا" ہے، ان کے رگ و پے میں ایمانی بجلی کوند گئی۔ وہ فوراً اس سے ایسے اتر کھڑے ہوئے جیسے کسی نے انگاروں پر قدم رکھ دیا ہو۔

روم کا طاقتور بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا! اس نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا:

"اے جثامہ! ہم نے تو اس بیش قیمت کرسی کے ذریعے تمہارا اکرام کرنا چاہا تھا، تم اس سے اتر کیوں گئے؟ کیا تمہیں ہماری مہمان نوازی پسند نہیں آئی؟"

دربار میں موجود درباریوں کی نظریں اس بظاہر سادہ سے مسافر پر جمی تھیں، مگر حضرت جثامہ رضی اللہ عنہ کے لہجے میں ذرا سی بھی لغزش نہ آئی۔ انہوں نے بڑے وقار اور جرات سے جواب دیا:

"اے بادشاہ! تیرا اکرام اپنی جگہ، لیکن میرے کانوں میں ابھی تک میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ آواز گونج رہی ہے، میں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ سونے (کی چیزوں) کے استعمال سے بچو۔"

اس منظر میں کئی ایسے اسباق پوشیدہ ہیں جو آج بھی ہمارے ایمان کو تازیانہ لگاتے ہیں:

- **محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر:** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول پتھر کی لکیر تھا۔ وہ بادشاہوں کے دربار میں بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو نہیں بھولتے تھے۔
- **دنیا کی بے ثباتی:** جہاں دنیا کے بڑے بڑے سورما سونے کی کرسی کے لیے لڑتے مرتے تھے، وہاں ایک مسلمان کے لیے وہ کرسی اس لیے ناپسندیدہ تھی کیونکہ اس کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا تھا۔
- **غیرتِ ایمانی:** حضرت جثامہ رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا کہ مسلمان کا اعزاز بادشاہوں کی بخشی ہوئی کرسیوں میں نہیں، بلکہ احکامِ الٰہی کی پابندی میں ہے۔[1]

❁❁❁

[1] - یہ واقعہ مستند تاریخی و سیرت کی کتب میں مذکور ہے، خاص طور پر "تاریخ دمشق" (ابن عساکر) اور "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" (ابن حجر عسقلانی) میں حضرت جثامہ بن مساحق الکنانی رضی اللہ عنہ کے حالات میں اس سفارت اور اس واقعے کا تذکرہ ملتا ہے۔

عشق کی انتہا:

"محبوب کا پیارا، میرا بھی پیارا"

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ جانثار خادم تھے جن کی زندگی کا کل اثاثہ ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ جس شخص سے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت کرتا ہے، اس کی ناراضگی مول لینا درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنا ہے۔

ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تلخی ہوگئی۔ اسی دوران صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے کوئی سخت لفظ نکل گیا جو حضرت ربیعہ کو گراں گزرا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جو تقویٰ کا پیکر تھے، فوراً نادم ہوئے اور بڑے عجز سے فرمایا:

"اے ربیعہ! تم بھی مجھے ویسا ہی سخت لفظ کہہ دو تا کہ حساب برابر ہو جائے اور بدلہ ہو جائے۔"

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کا دل لرز اٹھا۔ انہوں نے سوچا کہ یہ وہ زبان ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "ابوبکر غار میں میرے ساتھی تھے"۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور عرض کیا:

"خدا کی قسم! میں آپ کو ایسا لفظ کبھی نہیں کہوں گا۔"

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا، یہاں تک کہ فرمایا کہ اگر تم نے بدلہ نہ لیا تو میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمہاری شکایت کروں گا (تا کہ وہ تمہیں بدلہ لینے کا حکم دیں)۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کی طرف چل دیے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے (بنو اسلم) کے لوگ جمع ہو گئے اور کہنے لگے: "یہ کیسی بات ہے؟ زیادتی بھی انہوں نے کی اور اب شکایت کرنے بھی خود ہی جا رہے ہیں؟"

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر اپنے قبیلے والوں سے وہ تاریخی جملہ کہا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے:

"تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق ہیں۔ اگر یہ مجھ سے ناراض ہو گئے، تو اللہ کا لاڈلا رسول ﷺ مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ اور اگر اللہ کا رسول ناراض ہو گیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ربیعہ ہلاک ہو جائے؟"

جب یہ معاملہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا، تو آپ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کے اس ادب کو بے حد پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"اے ربیعہ! ٹھیک ہے، تم بدلے میں ویسا سخت لفظ نہ کہو، بلکہ اس کے جواب میں یوں کہہ دو: "اے ابوبکر! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔"[1]

جدائی کا غم اور ہجرت:

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ سے تعلق اتنا گہرا تھا کہ جب تک آپ ﷺ دنیا میں موجود رہے، ربیعہ نے مدینہ کی گلیوں کو نہیں چھوڑا۔ لیکن جب وصالِ نبوی ﷺ کا صدمہ ہوا، تو مدینہ کی وہ گلیاں جہاں محبوب ﷺ کے نقشِ قدم تھے، ربیعہ کے لیے یادوں کا تازیانہ بن گئیں۔ آپ ﷺ کے بغیر مدینہ میں رہنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا، چنانچہ وہ اپنے قبیلے میں چلے گئے اور وہیں سنہ 63ھ میں وفات پائی۔

❁❁❁

---

[1] -مسند احمد بن حنبل: (جلد 4، صفحہ 58)۔مجمع الزوائد (ہیثمی): (جلد 10، صفحہ 269)۔

ادائے محبوب کی نقالی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا والہانہ انداز

عشقِ رسول ﷺ اور اتباعِ سنت کا یہ ایک ایسا لطیف اور خوبصورت نمونہ ہے جو بتاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے حضور ﷺ کی ہر حرکت، ہر مسکراہٹ اور ہر ادا زندگی کا کل سرمایہ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل محض ایک اتفاق نہیں، بلکہ اس گہری محبت کا اظہار ہے جہاں عقل خاموش ہو جاتی ہے اور صرف "تقلیدِ محبوب" باقی رہ جاتی ہے۔

سفر کی تیاری مکمل تھی، سواری تیار کھڑی تھی۔ مولا علی کائنات رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کمالِ ادب کے ساتھ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے۔ سوار ہوتے ہی آپ کی زبانِ مبارک پر وہی کلمات جاری ہوئے جو بندگی کی معراج ہیں:

"سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، اَللهُ اَكْبَرُ"۔

ابھی ذکر کی یہ خوشبو فضا میں بکھری ہی تھی کہ آپ نے اپنے اونٹ کو ایک ہلکی سی قمچی (کوڑا) ماری اور پھر... اچانک آپ کے لبوں پر ایک دلنواز مسکراہٹ بکھر گئی۔ آپ کھلکھلا کر ہنس دیے۔

دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ نہ وہاں کوئی ہنسانے والی بات تھی، نہ کوئی خوش خبری ملی تھی، بس ایک خاموش سفر کا آغاز تھا۔ کسی نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا:

"اے امیر المومنین! اس بے ساختہ ہنسی کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے کلمات پڑھے، قمچی ماری اور پھر مسکرا دیے، اس کے پیچھے کیا راز ہے؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں یادِ مصطفیٰ ﷺ کی چمک آ گئی اور آپ نے تڑپ کر فرمایا:

"میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا کہ جب وہ اسی طرح اونٹ پر سوار ہوئے تھے، تو انہوں نے بالکل یہی کلمات پڑھے تھے، اسی طرح اونٹ کو تھپکی ماری تھی اور پھر اسی طرح ہنسے تھے۔ میں تو بس اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی ادا کی نقل کر رہا ہوں۔"[1]

وضاحت:

حدیث کے مکمل متن میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں ہنسے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہی سوال کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس بات سے خوش ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ "اے اللہ! میرے گناہ بخش دے"، اللہ فرماتا ہے کہ "میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی خوشی اور اتباع میں مسکراہٹ بکھیری تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی تو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ آپ کی ہر سانس سنتِ نبوی کے تابع تھی۔ آیئے اتباعِ سنت کا ایک اور ایسا واقعہ دیکھتے ہیں جہاں عقل حیران رہ جاتی ہے اور محبت جیت جاتی ہے۔

وہی جگہ، وہی ادا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا "وضو اور مسکراہٹ"

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ "رحبہ" (کوفہ کے ایک کھلے میدان) میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے پانی منگوایا اور لوگوں کے سامنے وضو کرنا شروع کیا۔ آپ نے وضو کے ہر عمل کو اتنی توجہ اور ترتیب سے کیا کہ دیکھنے والے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

---

[1] - جامع ترمذی: حدیث نمبر 3446 (ابواب الدعوات)۔ سنن ابی داؤد: حدیث نمبر 2602 (کتاب الجہاد)۔

وضو مکمل کرنے کے بعد آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لیا۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔ لوگ حیران ہوئے کیونکہ عام طور پر لوگ بیٹھ کر پانی پینے کے عادی تھے، اور وضو کے بعد اس طرح مسکرانے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی حیرت بھانپ لی اور تڑپ کر فرمایا:

"**لوگو!** تم دیکھ رہے ہو کہ میں نے کیا کیا؟ میں نے بالکل اسی طرح وضو کیا ہے جیسے میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ اور میں نے کھڑے ہو کر پانی ویسے ہی پیا جیسے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیا تھا۔ اور میں اب ویسے ہی مسکرا رہا ہوں جیسے وہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس عمل کے بعد مسکرائے تھے۔"[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ہمیں سکھاتا ہے کہ:

- سنت صرف "**فرض و واجب**" کا نام نہیں، بلکہ محبوب کی عادت کو اپنی فطرت بنا لینے کا نام ہے۔
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اصل خوشی کسی دنیاوی فائدے میں نہیں تھی، بلکہ اس احساس میں تھی کہ "میرا یہ عمل میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے مل گیا ہے"۔

---

[1] -صحیح بخاری: کتاب الوضو، باب "وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا"۔ مسند احمد: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرویات کے تحت۔

محبت کی پکار:

"لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی "فنا فی السنت" کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی۔ وہ صرف احادیث کے راوی ہی نہیں تھے، بلکہ ان احادیث کے ایسے عاشق تھے کہ بھوک، پیاس اور غربت کی حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ادا کو اپنی جان سے عزیز رکھتے تھے۔ پیش ہے ان کی زندگی کا ایک نہایت رقت آمیز اور سبق آموز واقعہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر کئی دن ایسے گزرتے کہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہو جاتے۔ لوگ سمجھتے کہ شاید انہیں مرگی کا دورہ پڑا ہے، لیکن حقیقت میں وہ صرف نقاہت ہوتی تھی۔

ایک دن بھوک انتہا کو پہنچ گئی، آپ مسجدِ نبوی کے راستے میں بیٹھ گئے کہ شاید کوئی گزرے اور اللہ کا سپاہی کسی کھانے کی طرف اشارہ کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گزرے، آپ نے ان سے قرآن کی ایک آیت کا مطلب پوچھا (مقصد صرف یہ تھا کہ شاید وہ اپنی گفتگو میں آپ کو ساتھ لے جائیں اور کچھ کھلا دیں) لیکن وہ جواب دے کر آگے بڑھ گئے۔

اچانک کائنات کے والی، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ انتخاب اپنے اس فاقہ مست عاشق پر پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور حضرت ابوہریرہ کے دل کا حال جان لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا: "**ابا ھر!**" (اے ابوہریرہ!) حضرت ابوہریرہ تڑپ کر اٹھے اور عرض کیا:

"**لبیك یا رسول الله!**"

آپ ﷺ انہیں اپنے گھر لے گئے، وہاں دودھ کا ایک پیالہ ہدیہ آیا ہوا تھا۔ ابو ہریرہ کی آنکھوں میں چمک آ گئی کہ اب بھوک مٹے گی، لیکن حضور ﷺ نے حکم دیا:

"جاؤ! اہل صفہ (مسجد کے چبوترے پر رہنے والے غریب طلباء) کو بلا لاؤ"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے جی میں آیا کہ اس ایک پیالے سے اتنے لوگوں کا کیا بنے گا؟ حق تو یہ تھا کہ پہلے میں پی لیتا تا کہ مجھ میں کچھ جان آتی، لیکن..." اطاعتِ رسول ﷺ" سب پر غالب تھی۔ آپ گئے اور سب کو بلا لائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "اے ابو ہریرہ! لو، ان سب کو پلاؤ"۔

ابو ہریرہ ایک ایک کو پیالہ دیتے، وہ سیر ہو کر پیتا، پھر دوسرے کو دیتے۔ یہاں تک کہ سب پی چکے۔ اب صرف حضور ﷺ اور ابو ہریرہ باقی رہ گئے۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر دیکھا اور فرمایا:

"اب میں اور تم باقی ہیں، بیٹھ جاؤ اور پیو!"

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اور پیو!" میں نے اور پیا۔ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا:

"خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اب میرے اندر ایک قطرے کی بھی جگہ نہیں رہی۔"

تب حضور ﷺ نے وہ بچا ہوا پیالہ لیا، اللہ کی حمد کی، بسم اللہ پڑھی اور خود نوش فرمایا۔[1]

---

[1] -صحیح بخاری: کتاب الرقاق، باب "کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ" حدیث نمبر: 6452-

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

حضرت ابوہریرہ کا یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ:

- سنت پر عمل کرنے میں اپنی عقل اور اپنی ضرورت کو پیچھے چھوڑ دینا ہی اصل کامیابی ہے۔
- حضور ﷺ کی ایک پکار پر اپنی بھوک کو بھول جانا صحابہ کا شیوہ تھا۔
- برکت اتباعِ سنت اور حضور ﷺ کے جھوٹے (بچے ہوئے پانی یا کھانے) میں پوشیدہ ہے۔

❁❁❁

خون کے آنسو اور رحمتِ عالم ﷺ کی دعا

یہ واقعہ محبت، دعا کی قبولیت اور ماں کے احترام کا ایک ایسا شاہکار ہے جو ہر پڑھنے والے کی آنکھوں کو نم کر دیتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اپنی والدہ سے محبت اور پھر حضور ﷺ کا ان کے لیے تڑپ کر دعا کرنا، ایمان کو تازگی بخشتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں انہیں مسلسل اسلام کی دعوت دیتا رہتا تھا، مگر وہ انکار کر دیتیں۔ ایک دن میں نے حسبِ معمول انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف بلایا، تو انہوں نے جواب میں حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں کچھ ایسے نازیبا کلمات کہے جو مجھ سے برداشت نہ ہوئے۔

میں روتا ہوا، ہچکیاں لیتا ہوا حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ

نے میری بے قراری دیکھی تو پوچھا: "ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ کیوں روتے ہو؟"

میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا، آج انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں وہ بات کہہ دی جو مجھے سخت ناگوار گزری۔ میرا دل پھٹ رہا ہے، یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کر دیجیے کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لبِ مبارک ہلے اور کائنات کی سب سے قیمتی دعا نکلی:

"اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا مانگی، میں خوشی سے اچھل پڑا اور روتا ہوا گھر کی طرف بھاگا۔ اب یہ رونا غم کا نہیں بلکہ خوشی کا تھا، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جس کے لیے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کر دی، اب اسے ہدایت مل کر رہے گی۔

میں جب گھر کے دروازے پر پہنچا تو دروازہ بند تھا۔ اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی (میری ماں غسل کر رہی تھیں)۔ انہوں نے میرے قدموں کی چاپ سنی تو پکارا: "ابو ہریرہ! وہیں ٹھہر جاؤ، اندر نہ آنا"۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا، میری ماں باہر آئیں، انہوں نے ابھی دوپٹہ صحیح سے اوڑھا بھی نہ تھا اور ان کی زبان پر وہ کلمات تھے جن کے لیے میں برسوں سے تڑپ رہا تھا۔ انہوں نے بلند آواز سے پڑھا:

"أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ"

میں دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف بھاگا، اب کی بار میرے آنسوؤں میں خوشی کا طوفان تھا۔ میں نے جا کر خوشخبری سنائی:

"یا رسول اللہ! مبارک ہو، اللہ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دی۔"[1]

ماں کی قدر اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام:

اس واقعے سے ہمیں تین بڑے سبق ملتے ہیں:

- **والدین کی خیرخواہی:** چاہے والدین کسی بھی حال میں ہوں، اولاد کو ان کی ہدایت اور بھلائی کی فکر کرنی چاہیے۔
- **دعا کی طاقت:** جب اپنی کوششیں تھک جائیں، تو اللہ کے حضور اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگنی چاہیے۔
- **تبدیلیِ قلب:** اللہ جب چاہے کسی کے بھی دل کو پلٹ سکتا ہے، بس ایک سچی تڑپ کی ضرورت ہوتی ہے۔

❁❁❁

[1] -صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب ، من فضائل ابی ہریرہ الدوسی ،حدیث نمبر: 2491۔مسند احمد: جلد 2، صفحہ 319۔

پسندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی پسند کی قربانی:

ایک تاریخی منظر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عشق اور فدائیت کا یہ واقعہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مثال ہے جو رہتی دنیا تک کے لیے ایک معیارِ حق ہے۔ یہ محض ایک کپڑا ہٹانے کا عمل نہیں تھا، بلکہ اپنی پسند کو محبوب کی ناپسند پر قربان کر دینے کا نام تھا۔ آیئے اس ایمان افروز منظر کو ایک بار پھر اپنی آنکھوں کے سامنے لاتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک قافلہ سفر پر رواں دواں تھا۔ اس لشکر میں کائنات کے سردار، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ منظر بڑا دلکش تھا؛ یمنی اونٹوں پر سرخ رنگ کی خوبصورت چادریں پڑی ہوئی تھیں، جن کی سرخی دور سے نظر آ رہی تھی اور وہ پورا لشکر ایک خاص رنگ و روپ میں نظر آ رہا تھا۔

ایسے میں زبانِ نبوت سے ایک جملہ نکلا، جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں عشق کی ایک لہر دوڑا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس منظر کو دیکھ کر صرف اتنا ارشاد فرمایا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں اس سرخی (دنیا کی زینت) کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں۔"

ابھی جملہ مکمل ہی ہوا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ایک عجیب ہلچل مچ گئی۔ انہوں نے نہ تو یہ پوچھا کہ "یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟" اور نہ یہ عرض کیا کہ "سفر ختم ہو جائے تو ہم انہیں اتار دیں گے"۔

عشق کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس چیز کی طرف اشارہ کر کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسندی کا اظہار کر دیا، وہ اب صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے کسی کام کی نہ رہی۔ چشمِ فلک نے دیکھا کہ:

- ❁ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اونٹوں سے نیچے کود پڑے۔
- ❁ انہوں نے ان قیمتی سرخ چادروں کو اونٹوں کی پشت سے کھینچا۔
- ❁ غصے اور جذبے میں آ کر ان چادروں کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یہاں تک کہ بعض اونٹ بدکنے لگے، لیکن صحابہ کو صرف ایک ہی فکر تھی کہ ہمارے پاس وہ چیز نہ رہے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی نہیں لگی۔[1]

کمالِ اتباع:

یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ:

- ❁ **اشارہ ہی کافی ہے:** سچا عاشق حکم کے الفاظ کا انتظار نہیں کرتا، بلکہ محبوب کے اشارے اور اس کی ناپسندیدگی کو بھانپ کر عمل کرتا ہے۔
- ❁ **دنیوی نقصان کی پرواہ نہ کرنا:** وہ چادریں قیمتی تھیں، یمن سے آئی تھیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جملے کے سامنے ان کی قیمت زیرو (صفر) ہو گئی۔
- ❁ **فوری اطاعت:** دین میں "**کل**" یا "**بعد میں**" نہیں ہوتا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی وقت اس چیز کو اپنی زندگی سے نکال باہر کیا۔

❁❁❁

---

[1]-سنن ابی داؤد: کتاب اللباس، باب "فی الکرایۃ للمراد۔سنن ابن ماجہ: ابواب اللباس۔شعب الایمان (امام بیہقی):

ناپسندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فاروقی غیرت:

ایک بے مثال قربانی

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ عشقِ صادق اور غیرتِ ایمانی کی ایک ایسی مثال ہے جو روح کو تڑپا دیتی ہے۔ یہ واقعہ محض ایک لباس کو جلانے کا نہیں، بلکہ اس جذبے کا اظہار ہے کہ جس چیز پر محبوب کی ناپسندیدگی کی مہر لگ جائے، ایک عاشق کی نظر میں اس کی حیثیت راکھ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ آیئے اس واقعے کی پُردرد اور جذباتی منظرکشی دیکھتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جن کے رعب سے باطل کانپتا تھا، ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک خوبصورت جبہ پہن کر حاضر ہوئے۔ وہ جبہ ریشم کا بنا ہوا تھا۔ جیسے ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اس پر پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عمر! یہ ریشم تو مردوں کے لیے جائز نہیں ہے۔"

ادھر زبانِ نبوت سے یہ جملہ نکلا، ادھر عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دل پر بجلی گر گئی۔ انہیں اس بات کا دکھ نہیں تھا کہ ایک قیمتی لباس ضائع ہو رہا ہے، بلکہ تڑپ اس بات کی تھی کہ "میں نے وہ لباس کیوں پہنا جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے فوراً اٹھے، سیدھے گھر پہنچے جہاں روٹیاں پکانے کا تنور دہک رہا تھا۔ آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ یہ جبہ کتنا قیمتی ہے یا اسے کسی ضرورت مند کو دیا جا سکتا ہے، بلکہ اس وقت آپ کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ:

"جو چیز میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں ناپسندیدہ ہے، وہ میرے گھر میں رہنے کے قابل نہیں، اسے تو جل کر راکھ ہو جانا چاہیے"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے وہ جبہ اٹھایا اور دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا!

کچھ دیر بعد جب آپ دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: "عمر! اس جبے کا کیا کیا؟" عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں نے اسے جلا کر راکھ کر دیا"۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (شفقت کے طور پر) فرمایا: "عمر! اسے جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تمہارے لیے ناجائز تھا لیکن تم اسے گھر کی خواتین یا بچیوں کے لیے رکھ لیتے، ان کے لیے تو یہ جائز تھا"۔[1]

سچا عشق کیا کہتا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ہمیں ایک بہت بڑا سبق دیتا ہے۔ جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رچ بس جائے، اس کے لیے نفع اور نقصان کے معنی بدل جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ "چلو میرا نہیں تو کسی اور کا فائدہ ہو جائے"، بلکہ اس کے نزدیک محبوب کی ناپسندی ہی اس چیز کی سب سے بڑی برائی بن جاتی ہے۔ جو لباس آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کو نہ بھایا، وہ عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کو کیسے بھا سکتا تھا؟

نوٹ: مختلف روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے ریشمی جبے کے مختلف واقعات ملتے ہیں، جن کا لبِ لباب یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے سامنے اپنی ہر پسند کو قربان کر دی۔

❁❁❁

---

[1]-صحیح بخاری: کتاب اللباس ۔صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ۔مشکوٰۃ المصابیح:باب اللباس۔

عشق کی دیوانگی:
جہاں قدم تھم گئے!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس واقعے میں اتباعِ سنت کی وہ روح پوشیدہ ہے جو عقل کی حدود سے کہیں بلند ہے۔ یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اطاعت کوئی "فلسفہ" نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی کیفیت تھی جو ان کے پورے وجود پر طاری رہتی تھی۔

مدینہ منورہ کی فضا ہے، مسجدِ نبوی میں جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہے اور منبرِ رسول ﷺ پر کائنات کے سب سے سچے معلم جلوہ افروز ہیں۔ مسجد کے کناروں پر کچھ لوگ کھڑے تھے، جس سے مجلس کے نظم و ضبط میں خلل آ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک مختصر مگر جامع حکم دیا:

"اِجْلِسُوا" (بیٹھ جاؤ!)

اسی لمحے، مسجد سے باہر گلی میں ایک عاشقِ صادق، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلے آ رہے تھے۔ ابھی ان کا ایک قدم مسجد کی دہلیز سے باہر ہی تھا کہ ہوا کے دوش پر آقا ﷺ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی: "بیٹھ جاؤ!"

جیسے ہی یہ آواز کان میں پڑی، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے قدموں میں جیسے زنجیریں پڑ گئیں۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ:

میں تو مسجد کے اندر نہیں ہوں، حکم تو اندر والوں کے لیے ہے۔

گلی میں راستہ چلنے والوں کو تکلیف ہوگی۔

چلو، چند قدم چل کر مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ جاتا ہوں۔

نہیں! وہ تو یہ جانتے تھے کہ جس زبان سے "قرآن" نکلا ہے، اسی زبان سے "بیٹھ

جاؤ" نکلا ہے۔ وہ وہیں تپتی ہوئی سڑک پر، گلی کے بیچوں بیچ بیٹھ گئے۔

خطبہ ختم ہوا، نماز ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو گلی میں ہی بیٹھ گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر پوچھا: "اے عبداللہ! میں نے تو مسجد والوں کو بیٹھنے کا کہا تھا، تم تو باہر تھے، تم وہاں کیوں بیٹھ گئے؟"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا، وہ رہتی دنیا تک کے تشنہ لبوں کے لیے محبت کا سبق ہے۔ عرض کیا:

"یارسول اللہ! جب آپ کا یہ حکم میرے کانوں میں پڑ گیا کہ "بیٹھ جاؤ"، تو پھر مجھ میں اتنی ہمت اور مجال نہیں تھی کہ میں اس حکم کے بعد ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا۔"[1]

❁❁❁

[1] -سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب "الامام یکلم الرجل فی خطبتہ۔المستدرک للحاکم: (جلد3، صفحہ313)۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، فاتح ایران، جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو اس نے مذاکرات کے لئے آپ کو اپنے دربار میں بلایا، آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لاکر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کونسے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھالو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اسکو صاف کرلو، اور پھر کھالو۔

چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ رضی اللہ عنہ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ تو دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ:۔ ”

أَأَتْرُكُ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لِهٰؤُلَآءِ الْحُمْقٰی؟ “

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، عزت کریں، یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکارِ دو

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔[1]

سچی عزت کس میں ہے؟

* سنت کی اہمیت: نوالہ بظاہر چھوٹی چیز ہے، لیکن اس کے پیچھے ”اطاعت“ کا بہت بڑا پہاڑ کھڑا ہے۔

* دنیا کا خوف: جب آدمی کے دل میں محبوب کی عظمت بیٹھ جاتی ہے، تو پھر اسے کسی کے مذاق اڑانے یا برا سمجھنے کی پرواہ نہیں رہتی۔

* احمق کون؟: حضرت حذیفہ نے ان لوگوں کو ”احمق“ کہا جو ظاہری چمک دمک کو اصل عزت سمجھتے تھے اور اس حقیقی برکت (سنت) سے محروم تھے جو دینِ اسلام نے عطا کی ہے۔

❀❀❀

[1] -سنن ابن ماجہ: کتاب الاطعمۃ۔ مسند احمد بن حنبل۔ شعب الایمان (امام بیہقی)۔

مکہ کے سردار اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی پنڈلی تک اونچی قمیض

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حیا اور وقار پوری دنیا میں مشہور ہے، لیکن ان کی اس حیا کے پیچھے درحقیقت عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تڑپ تھی جو انہیں کسی بھی حال میں سنت سے پیچھے ہٹنے نہیں دیتی تھی۔ صلح حدیبیہ کا یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ایک سچا مومن اپنے رب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے سامنے زمانے کے ہر دستور اور رواج کو ٹھکرا دیتا ہے۔

صلح حدیبیہ کا نازک موقع ہے، فضا میں تناؤ ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر بن کر مکہ کی سنگلاخ گلیوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے چچا زاد بھائی کے ہاں قیام پذیر ہیں۔ جب صبح مذاکرات کے لیے نکلنے لگے، تو آپ رضی اللہ عنہ کا لباس سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق تھا یعنی آپ کا تہبند (یا پاجامہ) ٹخنوں سے اوپر، آدھی پنڈلی تک تھا۔

آپ کے چچا زاد بھائی نے جب یہ منظر دیکھا تو گھبرا کر کہا:

"اے عثمان! آپ مکہ کے ان مغرور سرداروں سے بات کرنے جا رہے ہیں جن کے ہاں بڑائی کا معیار لباس کی لمبائی ہے۔ یہاں جس کا تہبند جتنا زمین پر لٹکتا ہے، اسے اتنا ہی بڑا سردار مانا جاتا ہے۔ اگر آپ اس طرح اونچی پنڈلی تک لباس پہن کر جائیں گے، تو وہ آپ کا مذاق اڑائیں گے، آپ کی بات کی کوئی وقعت نہیں رہے گی اور مذاکرات ناکام ہو سکتے ہیں۔ مصلحت کا تقاضا ہے کہ آج اپنا لباس نیچا کر لیں"۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، جنہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ذوالنورین" کا لقب دیا، ان کے دل میں عشق کی تڑپ جاگ اٹھی۔ آپ نے مصلحت کے تمام بتوں کو پاش پاش

کرتے ہوئے وہ جملہ کہا جو رہتی دنیا تک اتباعِ سنت کا مینار بن گیا:

"لَا! هٰكَذَا كَانَتْ إِزْرَةُ صَاحِبِي ﷺ"

ترجمہ: ہرگز نہیں! میں اپنا ازار نیچا نہیں کر سکتا، کیونکہ میرے آقا اور صاحب ﷺ کا تہبند مبارک بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کمالِ بے نیازی سے فرمایا کہ یہ لوگ مجھے حقیر سمجھیں یا ذلیل، میری عزت کریں یا بے عزتی، مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میری عزت تو صرف اس میں ہے کہ میرا انداز وہی ہو جو میرے محبوب ﷺ کا تھا۔[1]

مصلحتوں پر سنت کی فوقیت:

* **سنت ہی اصل عزت ہے:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ثابت کیا کہ دنیا کی نظر میں بڑا بننے سے بہتر ہے کہ انسان اپنے نبی ﷺ کی نظر میں مقبول ہو جائے۔
* **فدائیت کا جذبہ:** سفارتی معاملات اور سیاسی دباؤ بھی ایک عاشق کو اس کے محبوب کی ادا سے دور نہیں کر سکتے۔
* **لباس کی اہمیت:** جس لباس کو دنیا "**قدامت پسندی**" یا "**عجیب**" کہتی ہے، اگر وہ سنت ہے تو ایک مومن کے لیے وہی سب سے بہترین فیشن اور وقار ہے۔

❁❁❁

---

[1] - مسند احمد بن حنبل: (جلد 4، صفحہ 324)۔ دلائل النبوۃ (امام بیہقی): صلح حدیبیہ کا تذکرہ۔

جب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لہو بن کر رگوں میں دوڑتا ہے!

تاریخِ عالم نے بڑے بڑے فاتح دیکھے، عظیم حکمران دیکھے اور عدل وانصاف کے پیکر دیکھے، لیکن سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہ دیکھا۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کے نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوان لرزتے تھے، ان کے دل کی بستی کا حال یہ تھا کہ زندگی کی آخری سانسوں تک اتباعِ سنت کی شمع فروزاں رہی۔

تصور کیجیے! خنجر کے زخموں سے چور، زندگی کی شام ڈھل رہی ہے، جسم سے خون بہہ رہا ہے، مگر روح محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم تلاش کر رہی ہے۔ ایک نوجوان عیادت کے لیے آتا ہے، جب وہ واپس مڑنے لگتا ہے تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عقابی نظر اس کے پاجامے (چادر) پر پڑتی ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہے۔

درد کی شدت ایک طرف، مگر شریعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاسبان پکار اٹھتا ہے:

"اے بھتیجے! اپنی چادر اوپر کر لو، اس سے تمہارا کپڑا بھی صاف رہے گا اور تمہارے رب کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی۔[1]

یہ ہے وہ تڑپ کہ موت کی ہچکیوں میں بھی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

❁❁❁

---

[1] -صحیح بخاری، کتاب الفضائل، باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان۔

عشق کا جنون:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

باپ اگر اتباع کا ہمالیہ تھا تو بیٹا عشق کا سمندر! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حال یہ تھا کہ وہ محض سنت پر عمل نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ محبوب ﷺ کی اداؤں کی "نقل" اتارنے کو زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔

* **سفرِ حج:** جس موڑ پر حضور ﷺ رکے، وہیں رکتے۔
* **سایۂ شجر:** جس درخت کے نیچے آقا ﷺ نے ستانے کے لیے سر رکھا، ابنِ عمر رضی اللہ عنہما وہیں لیٹتے۔
* **محبت کی انتہا:** جہاں حضور ﷺ نے قضائے حاجت فرمائی، ابنِ عمر رضی اللہ عنہما وہاں بھی جا کر بیٹھتے چاہے ضرورت نہ بھی ہو، صرف اس لیے کہ میرے محبوب ﷺ یہاں اس طرح بیٹھے تھے۔

یہ دیوانگی نہیں تھی، یہ وہ "**فنا فی الرسول**" ہونے کا جذبہ تھا جس نے رہتی دنیا تک اتباعِ سنت کے معیار مقرر کر دیے۔

کردار کی خوشبو:

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے جنہوں نے سیرتِ طیبہ کو کتابوں کے صفحات سے نکال کر اپنی زندگیوں کا عنوان بنالیا۔ وہ جب کسی نئے ملک میں قدم رکھتے، تو وہاں کے لوگ ان کی زبان نہیں سمجھتے تھے، لیکن ان کا اخلاق، ان کا لباس اور ان کا معاملات میں سچ بولنا پکار پکار کر کہتا تھا کہ ان کا "رہبر" کتنا عظیم ہوگا!

- وہ بن کہے تبلیغ کرتے تھے۔

❁ ان کے چہروں پر جمالِ محمدی ﷺ کی جھلک تھی۔

❁ ان کی دیانتداری دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگے۔

حقیقت تو یہ ہے:

سیرتِ نبوی ﷺ کی وہ کشش جو آج بھی دلوں کو گرماتی ہے، انہی غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے عمل کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اسلام تلوار سے نہیں، بلکہ مصطفیٰ ﷺ کی سنتوں کو سینے سے لگانے والے کردار سے پھیلا ہے۔

اتباعِ سنت: کتابی ورق سے عملی زندگی تک:

آج ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جہاں معلومات کی بہتات ہے، لائبریریاں سیرتِ طیبہ کی کتابوں سے بھری پڑی ہیں اور زبانیں عشقِ رسول ﷺ کے دعووں سے تھکتی نہیں، مگر سچ تو یہ ہے کہ عشق محض نعرہ نہیں، سراپا عمل کا نام ہے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بسترِ مرگ پر بھی ایک نوجوان کو ٹخنوں سے اوپر لباس رکھنے کی تلقین فرمائی۔ یہ محض ایک کپڑے کا معاملہ نہیں تھا، یہ اس بات کا اعلان تھا کہ:

"اے مسلمان! زندگی کی آخری سانس تک اپنے محبوب ﷺ کی ادائیں نہ چھوڑنا، کیونکہ تمہاری پہچان تمہارا اپنا فیشن نہیں، بلکہ محمد عربی ﷺ کی سنت ہے"۔

کیا ہم بھی وہی "عاشق" ہیں؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دیوانگی ہمیں بتاتی ہے کہ سنت پر عمل کرنا صرف "فرض وواجب" کی لکیر پیٹنا نہیں، بلکہ محبوب کی ہر ادا سے پیار کرنا ہے۔

* وہ درخت تلاش کرتے تھے جہاں آقا ﷺ بیٹھے۔

* ہم وہ "برانڈ" تلاش کرتے ہیں جہاں مغرب کی چھاپ ہو۔

* وہ آقا ﷺ کے چلنے کے انداز کی نقل اتارتے تھے۔

* ہم فلمی ستاروں اور کھلاڑیوں کے حلیے اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

سنت: بقا کا واحد راستہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اجنبی ملکوں میں گئے تو ان کے پاس لغت نہیں تھی، مگر ان کے پاس "محمدی کردار" کی خوشبو تھی۔ آج ہم دنیا کو اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں، مگر ہماری اپنی زندگیوں میں سنت کا نور مفقود ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کا وہی رعب اور وہی جمال دوبارہ دنیا پر چھا جائے، تو ہمیں:

* اپنے حلیے کو سنت کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔
* اپنے اخلاق میں وہی نرمی لانی ہوگی جو رحمت للعالمین ﷺ کا شیوہ تھا۔
* اپنے معاملات (تجارت، لین دین) کو سچائی کے اس معیار پر لانا ہوگا جہاں دشمن بھی "صادق و امین" پکار اٹھیں۔

یاد رکھیے! سیرتِ مصطفیٰ ﷺ صرف پڑھنے کے لیے نہیں، بلکہ اوڑھنے اور بچھانے کے لیے ہے۔ جب ایک امتی اپنے نبی ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے، تو زمین کے کانٹے اس کے لیے ریشم بن جاتے ہیں اور کائنات کی تسخیر اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

❁❁❁

عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اضطراب

وہ عمر جس کے جاہ وجلال سے زمین لرزتی تھی، جس کے عدل کی گواہی تاریخ کے پنّے دیتے ہیں، جب اس عمر رضی اللہ عنہ کو پتا چلتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے نادانستے میں ایک ایسی چیز کو جنبش ہوئی ہے جسے "سیدِ عالم ﷺ" کے دستِ مبارک نے چھوا تھا، تو اس جلیل القدر خلیفہ کی حالت دیدنی ہوجاتی ہے۔

ایک روز امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز کے لیے نئے لباس میں ملبوس نکلے۔ راستے میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے چچا) کا گھر تھا، جس کا پرنالہ گلی کی طرف گرتا تھا۔ اتفاق سے پرنالے سے خون آلود پانی گرا (بعض روایات کے مطابق پرندوں کے ذبیحہ کا پانی تھا) جس سے خلیفہ وقت کا لباس آلودہ ہوگیا۔

بشری تقاضے اور نظمِ حکومت کے تحت آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: "اس پرنالے کو اکھیڑ دیا جائے!"

آپ رضی اللہ عنہ واپس گئے، لباس بدلا اور نماز پڑھائی۔ لیکن جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آکر ایک ایسی بات کہی جس نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پیروں تلے سے زمین نکال دی:

"اے عمر! خدا کی قسم! یہ پرنالہ تو اس جگہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے نصب فرمایا تھا!"

یہ سننا تھا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ جو قیصر وکسریٰ کے سامنے نہیں جھکا، وہ حضور ﷺ کی نسبت کے سامنے ڈھیر ہوگیا۔ ندامت سے آواز بھرا گئی اور فرمایا:

"عمر کی یہ مجال کہ اس چیز کو ہٹا دے جسے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگایا ہو؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے التجا کی:

"میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ میری کمر پر سوار ہوں اور اس پرنالے کو دوبارہ اسی جگہ لگائیں جہاں میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگایا تھا۔"[1]

دنیا نے وہ منظر دیکھا کہ وقت کا حکمران، لاکھوں مربع میل کا حاکم، جھکا ہوا ہے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ان کے کندھوں پر پاؤں رکھ کر اس پرنالے کو دوبارہ نصب کر رہے ہیں۔ یہ جھکنا عمر رضی اللہ عنہ کی کمزوری نہیں تھی، یہ "عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے سامنے ایک عاشق کا سرِ تسلیم خم تھا۔

❀❀❀

[1] -مسند احمد، جلد 1، صفحہ 210؛ دلائل النبوۃ للبیہقی؛ تاریخِ دمشق لابن عساکر۔

جب عشقِ الٰہی میں دو عظیم ہستیاں آمنے سامنے ہوئیں!

مدینہ منورہ کی فضاؤں میں جہاد کی پکار گونجی اور محسنِ انسانیت ﷺ نے جانثاروں کو اللہ جل جلالہ کی راہ میں مال پیش کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہ موقع تھا جہاں ہر صحابی اپنے محبوب آقا ﷺ پر سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جن کا رعب دنیا پر تھا، ان کے دل میں ایک آرزو مچل رہی تھی۔ وہ فرماتے ہیں:

"آج میرے پاس مال ہے، اگر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے!"

وہ گھر گئے، اپنے مال کے دو حصے کیے، ایک حصہ گھر والوں کے لیے رکھا اور دوسرا حصہ (نصف مال) لے کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو گئے۔

جب رحمتِ عالم ﷺ نے پوچھا: "اے عمر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟"

عرض کی: "آقا! اتنا ہی مال ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں (یعنی نصف مال)"۔ یہ قربانی کی ایک عظیم مثال تھی، مگر ابھی تو عشق کا امتحان باقی تھا۔

اسی لمحے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں جو کچھ تھا، وہ سب کا سب حضور ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ وہی سوال جو عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، وہی سوال ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوا:

"اے ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے پیچھے کیا چھوڑا ہے؟"

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے لبوں پر ایک ایسی بات آئی جس نے تاریخِ انسانیت کے ہوش اڑا دیے۔ فرمایا:

"آقا! میں ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) چھوڑ آیا ہوں۔"

جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سنا، تو ان کی آنکھیں چھلک پڑیں اور دل پکار اٹھا:
" خدا کی قسم! میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کسی بھی معاملے میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا"۔[1]

❁❁❁

عشقِ عثمان رضی اللہ عنہ:

جب غلامی معراج بن گئی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اپنے آقا کریم ﷺ کے ساتھ تعلق صرف عقیدت کا نہیں بلکہ وارفتگی اور خودسپردگی کا وہ مقام تھا جہاں انسان اپنی مرضی اور اپنی پہچان کھو دیتا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد کے ایک ایسے دروازے پر تشریف فرما ہوئے جہاں سے لوگوں کی کثیر تعداد گزر رہی تھی۔ اس عام گزرگاہ پر بیٹھ کر آپ نے گوشت کا ایک ٹکڑا تناول فرمانا شروع کیا۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوئی کہ وقت کا خلیفہ، وہ ہستی جس کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں، وہ اس طرح راستے میں بیٹھ کر کھانا کیوں کھا رہے ہیں؟

لوگوں نے مخلصانہ عرض کی: "اے امیر المومنین! یہ تو عام راستہ ہے، یہاں بیٹھ کر کھانا بظاہر مناسب معلوم نہیں ہوتا، لوگ اسے دیکھ کر کیا کہیں گے؟"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں عشق کی چمک لہرائی اور آپ نے وہ تاریخی جواب دیا جو رہتی دنیا تک عشاق کے لیے مشعلِ راہ ہے:

" خدا کی قسم! مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی کیا کہے گا یا کیا سمجھے گا۔ مجھے تو بس اتنا

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ؛ جامع ترمذی، کتاب المناقب؛ مشکاۃ المصابیح۔

یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے آقا و مولا ﷺ یہاں تشریف فرما ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے اسی جگہ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا تھا۔ آج میری نظر میں دنیا کی کوئی مصلحت نہیں، صرف اپنے محبوب ﷺ کی وہ ادا ہے، اور میں اسی ادا کی نقل کر رہا ہوں۔"[1]

یہ ہے وہ اطاعتِ کاملہ جہاں ایک عاشق یہ بھول جاتا ہے کہ وہ خلیفہ ہے یا کوئی بڑا منصب رکھتا ہے، اسے تو بس اپنے محبوب کے نقشِ قدم کی تلاش ہوتی ہے۔

❁❁❁

انتخابِ رسول ﷺ پر فداکاری:
عشق و اطاعت کا بے مثال نمونہ

مدینہ منورہ کی گلیوں میں ایک ایسے صحابی رضی اللہ عنہ رہا کرتے تھے جن کے پاس دنیا کی چمک دمک تو نہ تھی، مگر ان کا سینہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے نور سے منور تھا۔ یہ حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ غربت کا یہ عالم تھا کہ ظاہری اسباب کو دیکھنے والی دنیا میں کوئی اپنی بیٹی کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دینے کو تیار نہ تھا۔

مگر جب معاملہ دربارِ رسالت ﷺ میں پہنچا، تو کائنات کے سب سے بڑے غمگسار ﷺ نے اپنے اس غریب مگر غیور امتی کی دلجوئی فرمائی۔ آپ ﷺ نے ایک انصاری قبیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جاؤ! اور ان سے کہو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے تمہاری بیٹی کے رشتے کے

---

[1] - امام احمد بن حنبل، المسند (فضائل الصحابہ)۔ امام بیہقی، شعب الایمان۔ علامہ ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ۔

لیے بھیجا ہے۔"

حکمِ نبوی ﷺ سر آنکھوں پر! حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ جب اس گھر پہنچے اور پیغام سنایا، تو ایک لمحے کے لیے گھر والے تذبذب کا شکار ہو گئے۔ باپ کی نظر بیٹی کے مستقبل اور ربیعہ کی ظاہری مفلسی پر گئی، تو قدم ڈگمگانے لگے۔

لیکن قربان جائیں اس مومنہ بیٹی کے فہم و فراست اور جذبۂ اطاعت پر، جس نے تاریخ ساز جملہ ارشاد فرما کر رہتی دنیا تک کے لیے بندگی کا معیار طے کر دیا۔ اس نے تڑپ کر کہا:

"**ابا جان!** آپ یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ آنے والا کتنا غریب ہے؟ آپ تو یہ دیکھیں کہ انہیں بھیجنے والی ہستی کتنی عظیم ہے! جس ربیعہ رضی اللہ عنہ کو میرے آقا ﷺ نے پسند فرما لیا، اب مجھے کائنات کی کسی اور شے کی پرواہ نہیں۔"[1]

سبحان اللہ! یہ تھا وہ کامل یقین اور اطاعتِ رسول ﷺ کا وہ جذبہ، جس نے مادی معیاروں کو خاک میں ملا دیا۔ اس بیٹی نے سکھایا کہ جب محبوب ﷺ کا اشارہ ہو جائے، تو پھر عقل کے ترازو توڑ دیے جاتے ہیں اور مصلحتوں کے چراغ گل کر دیے جاتے ہیں۔ باپ کا سر فخر سے بلند ہو گیا اور چشمِ زدن میں یہ نکاح طے پا گیا۔

❁❁❁

---

[1] - مسند احمد بن حنبل: 4/58۔ المعجم الکبیر للطبرانی: (ج5، روایت نمبر 4571)

جب فیصلہ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا:

فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کی بے مثال تسلیم ورضا

تاریخِ اسلام کے سنہرے اوراق میں ایک ایسی جلیل القدر صحابیہ رضی اللہ عنہا کا نام جگمگا رہا ہے جن کا حسن و جمال اور فہم و فراست پورے مدینے میں ضرب المثل تھا۔ یہ حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا تھیں، جن کے لیے اس دور کے سب سے متمول اور عالی شان صحابی، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر شخص کا پیغامِ نکاح آیا۔

دنیاوی لحاظ سے یہ ایک خوابناک رشتہ تھا، مگر اس صاحبِ ایمان بیٹی نے اپنے مستقبل کا فیصلہ اپنی عقل یا مادی معیاروں پر کرنے کے بجائے اسے بارگاہِ رسالت ﷺ کی دہلیز پر لا رکھا۔ جب آپ ﷺ سے مشورہ طلب کیا گیا، تو رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی بصیرتِ کاملہ سے ارشاد فرمایا:

"تم (زید کے بیٹے) اسامہ سے نکاح کرلو"۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، جو "محبِ رسول ﷺ" (اللہ کے رسول کے چہیتے) کہلاتے تھے، مگر ظاہری طور پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں غریب اور ایک آزاد کردہ غلام کے بیٹے تھے۔ ایک لمحے کے لیے انسانی سوچ تذبذب کا شکار ہوسکتی تھی، مگر حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کے عشقِ صادق نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک اطاعت کا معیار بن گیا:

یا رسول اللہ ﷺ! میرا معاملہ اب آپ کے اختیار میں ہے۔ میں نے خود کو اور اپنی قسمت کو آپ ﷺ کے حکم کے سپرد کر دیا۔ جس سے آپ ﷺ چاہیں میرا نکاح فرما دیں، میرے لیے یہی خوشی اور سعادت کافی ہے کہ میرا رشتہ میرے آقا ﷺ کی زبانِ

مبارک سے طے ہو رہا ہے۔[1]

سبحان اللہ! یہ تھا وہ مقامِ بندگی جہاں مصلحتیں مٹ جاتی ہیں اور صرف "قال اللہ وقال الرسول" کی صدارہ جاتی ہے۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ ایک مومن کے لیے سب سے بڑی دولت اور بہترین قسمت وہ ہے، جس پر محمدِ عربی ﷺ کی مہرِ پسند ثبت ہو جائے۔

تیری رضا میں ہے میری رضا تیری خوشی میں میری خوشی
جو تو کہے وہی حق ہے، جو تو چاہے وہی زندگی

❁❁❁

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
اور اتباع سنت:

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے پہلے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کفن مبارک میں کتنے کپڑے تھے اور آپ کی وفات کس دن ہوئی؟ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی یہ انتہائی تمنا تھی کہ زندگی کے ہر ہر لمحات میں تو میں نے اپنے تمام معاملات میں حضورِ اکرم ﷺ کی مبارک سنتوں کی مکمل طور پر اتباع کی ہے۔ مرنے کے بعد کفن اور وفات کے دن میں بھی مجھے آپ کی اتباعِ سنت نصیب ہو جائے۔[2]

---

[1] -صحیح مسلمحدیث نمبر: 1480، سنن نسائی: حدیث نمبر 3245. سنن ابی داؤد: حدیث نمبر 2284.

[2] -بخاری: باب موت یوم الاثنین، ج1، ص۱۸۶۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک بار وضو کرنے کے بعد مسکرائے ان سے سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ یہاں بیٹھ کر وضو فرمایا اور اس کے بعد مسکرائے اسی لیے میں نے بھی ایسے کیا۔[1]

❁❁❁

عشق واطاعت کا بے مثال نمونہ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہانڈی

مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودی جا رہی تھی۔ سردی کی لہریں اور فاقوں کی شدت ایسی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ جب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نظر رحمتِ عالم ﷺ کے شکمِ مبارک پر پڑی اور وہاں دو پتھر بندھے دیکھے، تو وہ تڑپ اٹھے۔ فوراً گھر پہنچے اور اپنی زوجہ سے کہا:

"مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ کی یہ بھوک برداشت نہیں ہوتی، گھر میں کچھ ہے؟"

گھر میں صرف ایک صاع (تقریباً ڈھائی کلو) جو کا آٹا اور بکری کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بکری ذبح کی اور آٹا گوندھا۔ پھر خاموشی سے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور کان میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ تھوڑا سا کھانا تیار ہے، آپ ﷺ اپنے ساتھ صرف دو چار

---

[1] ۔مسند احمد، ص415، ملخصاً۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لے چلیں۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ کھانا قلیل ہے، مگر کائنات کے محسن ﷺ کا ظرف تو دیکھیے۔ آپ ﷺ نے بلند آواز سے پکارا:

"اے خندق والو! چلو، جابر کے ہاں تمہاری دعوت ہے!"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ایک ہزار کا لشکر اور کھانا صرف چند افراد کا! وہ پریشان حال گھر پہنچے اور اہلیہ کو بتایا۔ مگر ان کی اہلیہ (جو عظیم صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں) نے پوچھا:

"کیا آپ نے حضور ﷺ کو کھانے کی مقدار بتا دی تھی؟"

جب انہوں نے کہا کہ "ہاں"، تو وہ اطمینان سے بولیں:

"پھر اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں"۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

"جب تک میں نہ آجاؤں، نہ ہانڈی چولہے سے اتارنا اور نہ روٹیاں پکانا۔"

آپ ﷺ نے آٹے اور ہانڈی میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر وہ ہوا جو عقلِ انسانی سے بالاتر ہے:

* صحابہ رضی اللہ عنہم دس دس کی ٹولیوں میں آتے، پیٹ بھر کر کھانا کھاتے اور چلے جاتے۔
* ایک ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔
* حضرت جابر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب سب کھا کر فارغ ہوئے تو ہماری ہانڈی اسی طرح جوش مار رہی تھی اور آٹا ویسے کا ویسا ہی تھا جیسے ابھی پکنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔

اطاعتِ رسول ﷺ کے باب سے ہمیں کیا سبق ملا؟

یہ واقعہ صرف پیٹ بھرنے کی کہانی نہیں، بلکہ اطاعت اور سپردگی کا درس ہے:

* **مکمل سپردگی:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی عقل پر نہیں بلکہ حضور ﷺ کے فیصلے

پر بھروسہ کیا۔ جب انسان اپنی تدبیر چھوڑ کر رسول ﷺ کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے، تو اللہ جل جلالہ اپنی غیبی قدرت سے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔

* **بے مثال برکت:** جہاں حضور ﷺ کے قدم لگ جائیں اور جہاں آپ ﷺ کا حکم آ جائے، وہاں مقدار معنی نہیں رکھتی، وہاں معیار اور برکت کا دور دورہ ہوتا ہے۔

* **ایمان کا ثمر:** اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ گھبرا کر دروازہ بند کر لیتے تو یہ معجزہ کبھی رونما نہ ہوتا۔ ان کی اطاعت نے رہتی دنیا تک کے لیے یہ پیغام دے دیا کہ:

"تیری رضا میں میری رضا ہے، تو جو چاہے وہی ہو کر رہے گا۔"

کامیابی وسائل کی کثرت میں نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت میں چھپی ہے۔ جب ہم زندگی کے کٹھن موڑ پر اپنی ناقص عقل کے بجائے نبی کریم ﷺ کی سنت اور حکم کو تھام لیں گے، تو ہمارے "**تھوڑے**" میں بھی وہ "**بہت**" پیدا ہو جائے گا جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

❁❁❁

عشقِ عثمان رضی اللہ عنہ:

کعبہ سامنے تھا مگر نظریں جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی پیاسی تھیں

صلحِ حدیبیہ کا موقع تھا، فضاؤں میں جدائی کی تپش تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل بیت اللہ کی زیارت کے لیے تڑپ رہے تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے جاں نثار صحابی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا تا کہ قریش سے مذاکرات کیے جا سکیں۔

جب آپ مکہ پہنچے تو کفار نے مسلمانوں کو داخلے سے تو روک دیا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

"عثمان! تم آ گئے ہو تو شوق سے کعبہ کا طواف کر لو، ہم تمہیں نہیں روکیں گے، مگر تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) کو اس سال آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

ذرا اس لمحے کی نزاکت کا تصور کیجیے! چھ سال کی ہجرت، وطن کی یاد، کعبہ کی تڑپ اور آج وہ کعبہ سامنے تھا، کوئی روکنے والا نہ تھا، طواف کی کھلی اجازت تھی۔۔۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عشق نے تڑپ کر جواب دیا:

"ما کنتُ لأطوف بہ حتی یطوف بہ رسول اللہ ﷺ"

"میں اس وقت تک طوافِ کعبہ کی سعادت حاصل نہیں کروں گا، جب تک میرے آقا و مولا ﷺ خود طواف نہ فرما لیں!"[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات، اپنی خواہش اور کعبہ کی کشش کو اپنے محبوب ﷺ کے قدموں پر قربان کر دیا۔ آپ نے کفار کو یہ باور کرا دیا کہ:

* ہمارا کعبہ سے رشتہ بھی مصطفیٰ ﷺ کی نسبت سے ہے۔

---

[1] - البدایہ والنہایہ (ابنِ کثیر): جلد 4، صفحہ 192۔ سیرت ابنِ ہشام: جلد 2، صفحہ 315۔ ۳۔ دلائل النبوہ (امام بیہقی): جلد 4، صفحہ 132۔

* بغیرِ رسول ﷺ کے طواف میں وہ کیف وسرور کہاں؟
* مسلمان کے لیے کعبہ کی دیواریں نہیں، بلکہ نبی ﷺ کی رضا اصل قبلہ ہے۔

آپ نے برسوں کی حسرت کو ایک لمحے میں ٹھکرا دیا کیونکہ آپ کے نزدیک وہ طواف، طواف ہی نہیں تھا جس میں امامِ کائنات ﷺ شامل نہ ہوں۔ یہی وہ ادا تھی جس کی گواہی اللہ کے رسول ﷺ نے یوں دی کہ اپنے ایک ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی۔

❁❁❁

جبری غلامی سے مرضی کی اسیری تک:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

تاریخ کے اوراق میں محبت کے کئی افسانے رقم ہیں، مگر جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اسیروں کی داستانِ وفا سب سے منفرد ہے۔ انھی اسیروں میں ایک درخشندہ نام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ہے، جن کا تعلق یمن کے معزز قبیلے بنو قضاعہ سے تھا۔ قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جاتے ہوئے راہزنوں کے ہتھے چڑھے اور مکہ کے بازارِ عکاظ میں غلام بنا کر بیچ دیے گئے۔

حکیم بن حزام نے انہیں خریدا اور اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی نذر کر دیا، جہاں سے یہ نونہال سرورِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پہنچا۔ یہ بظاہر غلامی تھی، مگر درحقیقت ستارۂ اقبال کی وہ بلندی تھی جس پر ہزاروں آزادیاں اور کائنات کی تمام شاہنشاہیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔

دوسری طرف یمن کی بستیوں میں ایک باپ کا جگر چھلنی تھا۔ حارثہ بن شرجیل اپنے لختِ جگر کی جدائی میں نڈھال تھے۔ ان کی آنکھوں سے بہنے والے اشکوں نے شاعری کا روپ دھار لیا۔ وہ آفتاب کے طلوع و غروب میں اپنے بیٹے کو تلاش کرتے اور ہوا کے جھونکوں سے زید کی خوشبو مانگتے۔ حارثہ کے دلگداز اشعار ان کی تڑپ کا آئینہ دار تھے:

"کاش میں جان پاتا کہ کیا تیرا لوٹنا ممکن ہے؟ اے زید! تیرا ایک بار واپس آ جانا ہی میری پوری کائنات ہے۔ میں دنیا چھان ماروں گا، یہاں تک کہ میرے اونٹ تھک جائیں یا مجھے موت آ جائے، مگر میں تیری جستجو سے باز نہ آؤں گا"۔

برسوں بعد حج کے موقع پر جب حارثہ کے قبیلے کے کچھ لوگوں نے مکہ میں زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو یعقوب صفت باپ کو یوسفِ گم گشتہ کی نوید ملی۔ حارثہ اپنے بھائی کے ساتھ فوراً مکہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر لجاجت سے عرض کی:

"اے ابنِ عبدالمطلب! آپ حرم کے مجاور اور دکھیاروں کے دستگیر ہیں۔ ہم فدیے کی بھاری سے بھاری رقم لائے ہیں، بس ہمارا بچہ ہمیں لوٹا دیجیے"۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ شفقت سے فرمایا:

"فدیے کی ضرورت نہیں، زید کو بلاؤ، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو اسے بخوشی لے جاؤ، اور اگر وہ مجھے چن لے تو میں اسے جانے پر مجبور نہیں کروں گا"۔

حارثہ یہ سن کر نہال ہو گئے کہ معاملہ اب مال کا نہیں، محبت کا ہے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بلائے گئے۔ ایک طرف وہ باپ تھا جس کے سینے میں برسوں کی تڑپ تھی، دوسری طرف وہ چچا اور خاندان تھا جہاں عزت اور سرداری ان کی منتظر تھی، اور بیچ میں وہ "غلامی" تھی جس کی خوشبو نے زید رضی اللہ عنہ کے ریشے ریشے کو معطر کر رکھا تھا۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "زید! تم ان کو پہچانتے ہو؟ یہ تمہارے باپ

اور چچا ہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے، چاہے ان کے ساتھ جاؤ یا میرے پاس رہو“۔

زید رضی اللہ عنہ نے ایک لمحہ بھی تامل نہ کیا اور وہ جملہ کہا جو تاریخِ وفا کا عنوان بن گیا:

”یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ ہی میرے ماں باپ ہیں اور آپ ہی میرا کل اثاثہ۔ حضور! آپ کی خاطر میں ماں باپ اور خاندان تو کیا، ساری کائنات چھوڑ سکتا ہوں!“۔

یہ سن کر باپ اور چچا ششدر رہ گئے۔ پکار اٹھے: ”زید! افسوس تم پر کہ تم آزادی اور اپنوں پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟“ زید رضی اللہ عنہ کی بصیرت پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ یہ وہ غلامی ہے جو انسان کو نفس کی قید سے آزاد کر دیتی ہے اور وہ جمال دیکھا ہے جس کے سامنے دنیا کی ہر رونق ہیچ ہے۔

صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اپنے اس جانثار کی غیر متزلزل وفاداری دیکھی، تو آپ کا دلِ مبارک بھی جوشِ محبت سے لبریز ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فوراً کعبہ کے پاس جا کر اعلان فرمایا:

”گواہ رہنا! آج سے زید میرا بیٹا ہے، میں اس کا وارث ہوں اور وہ میرا وارث“۔

یہ سن کر حارثہ کا غم خوشی میں بدل گیا۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کا بیٹا کسی ظالم کے قبضے میں نہیں بلکہ رحمت کے آغوش میں ہے۔ وہ مطمئن ہو کر لوٹ گئے۔ یہ عشق و محبت کا وہ مقام تھا کہ لوگ انہیں ”زید بن محمد“ کہنے لگے۔ اگرچہ بعد میں حکمِ الٰہی سے انہیں ان کے حقیقی والد کی طرف منسوب کیا گیا، مگر یہ اعزاز انہی کا ہے کہ قرآنِ پاک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ان کا نام صراحت کے ساتھ ذکر ہوا۔[1]

---

[1] الإصابة في تمييز الصحابة (حافظ ابن حجر عسقلانی): جلد و صفحہ: جلد 2، صفحہ 492، مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جھلک انسان کو ایسا اسیر کرتی ہے کہ پھر اسے نہ اپنی جان کا ہوش رہتا ہے نہ جہان کا۔ ایک بار جو اس در کا غلام بن گیا، پھر وہ کائنات تو ٹھکرا سکتا ہے، مگر دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چھوڑ سکتا۔

یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کسی عورت کے خون سے نہیں رنگ سکتی:

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسیروں اور جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانوں کا ذکر ہو تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا نامِ نامی فدا کاری کے افق پر ایک درخشندہ ستارے کی طرح چمکتا نظر آتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اصل نام سماک بن خرشہ انصاری ہے، جو صفِ اول کے ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی رضائے الٰہی اور خوشنودیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی جلالتِ قدر کا یہ عالم تھا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے سفر پر تشریف لے گئے، تو مدینہ منورہ میں اپنی نیابت کا تاج حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے سر پر سجایا۔ آپ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر سے لے کر حجۃ الوداع تک ہر موڑ پر سایہِ مصطفیٰ بن کر ساتھ رہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب یہ مردِ جری میدانِ کارزار میں اترتا تو تنِ تنہا ایک ہزار شہسواروں پر بھاری ہوتا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت شناس نگاہوں نے بھی آپ کے جوہرِ شجاعت کو

پہچانا۔ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے چار ہزار کا لشکر روانہ کیا، تو فرمایا کہ یہ چار ہزار در حقیقت آٹھ ہزار ہیں، کیونکہ ان میں چار ایسی ہستیاں شامل ہیں جن میں سے ہر ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے۔ ان عظیم جرنیلوں میں ایک نام ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

غزوہ احد کے تپتے میدان میں جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار بلند کی اور پکارا: "اس کا حق کون ادا کرے گا؟" تو بڑے بڑے جری صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے، لیکن دستِ نبوی نے اس عظیم امانت کے لیے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، جو کہ خود شجاعت کے کوہِ گراں تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا میں آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ کا بیٹا ہوں، قریشی ہوں، مہاجر ہوں، پھر یہ اعزاز ابو دجانہ کو کیوں؟ میں نے ان کا پیچھا کیا تاکہ دیکھوں کہ یہ تلوار کا حق کیسے ادا کرتے ہیں۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی وہ مشہور "سرخ پٹی" نکالی اور اسے سر پر باندھا، تو انصار پکار اٹھے: "ابو دجانہ نے موت کی پٹی باندھ لی ہے!" پھر آپ ﷺ کا یہ جانثار انصاری ان اشعار کو گنگناتا ہوا دشمن کی صفوں میں بجلی بن کر گرا:

أَنَا الَّذِي عَاهَدَنِي خَلِيلِي ... وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَى النَّخِيلِ
أَنْ لَا أَقُومَ الدَّهْرَ فِي الْكِيُولِ .. أَضْرِبْ بِسَيْفِ اللهِ وَالرَّسُولِ

ترجمہ: "میں وہ ہوں جس سے میرے خلیل ﷺ نے نخلستان کے دامن میں عہد لیا ہے کہ میں کبھی صفوں کے پیچھے نہیں رہوں گا، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تلوار چلاؤں گا"۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام تک جا پہنچے جہاں قریش کی عورتیں اپنے جنگجوؤں کو ابھار رہی تھیں اور یہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقٍ... نَمْشِي عَلَى النَّمَارِقِ

وَالْمِسْكُ فِي الْمَفَارِقِ... إِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِقِ

أَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِقِ... فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقِ

جب شیرِ خدا کا یہ سپاہی ان کے قریب پہنچا تو عورتیں بدحواس ہو کر بھاگنے لگیں۔ ہندہ (زوجہ ابوسفیان) آپ کی زد میں آ گئی۔ آپ نے تلوار بلند کی، ہندہ نے چیخ ماری، مگر عین اسی لمحے ابودجانہ نے اپنی تلوار واپس کھینچ لی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، جو یہ منظر دیکھ رہے تھے، حیرت سے پکار اٹھے: "ابودجانہ! یہ کیا کیا؟ اسے کیوں چھوڑ دیا؟"

حالانکہ جنگ میں شریک ایسی عورت کو قتل کرنا جائز تھا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا، وہ رہتی دنیا تک "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے لیے مشعلِ راہ ہے:

"اے زبیر! میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ اس تلوار کا حق ادا کروں گا۔ اس تلوار کی شان اتنی بلند ہے کہ میں اسے ایک عورت کے خون سے رنگین کر کے اس کی توقیر کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا! یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ہے، یہ کسی عورت کے خون سے نہیں رنگ سکتی!"

یہ کہہ کر آپ دوبارہ پلٹے اور کفار کے لشکر پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ جب مشرکین کے ایک نامور جنگجو سے مقابلہ ہوا، جس نے آپ کو زخمی بھی کیا، تو ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی بھرپور ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر میدانِ جنگ کے بیچوں بیچ اپنے سر سے خود (لوہے کی ٹوپی) اتاری اور للکار کر کہا:

"مَا تَرَاهُ؟ أَنَا أَبُو دُجَانَةَ!" (کیا دیکھتے ہو؟ میں ہوں ابودجانہ!) [1]

❁❁❁

[1] - السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ذکر غزوہ احد۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر۔

اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے معمولی تکلیف بھی گوارا نہیں!

سچی، حقیقی اور واقعی محبت کا طبعی وفطری تقاضا یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کو معمولی سے معمولی تکلیف، رنج یا ادنیٰ سی اذیت میں دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسیروں کے ہاں تو یہ جذبہ اس انتہا پر تھا کہ وہ اپنی جانوں کے نذرانے کو ہیچ اور محبوب کے تلوے میں چبھنے والے ایک کانٹے کو بھی اپنی موت سے بڑھ کر سنگین سمجھتے تھے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ 4 ہجری میں دو عرب قبائل کی درخواست پر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک تبلیغی وفد روانہ فرمایا، تا کہ وہ انہیں دین کی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ بھی اسی قافلۂ حق کے مسافر تھے۔ مگر راستے میں ان قبائل کی بدعہدی اور غداری کی بنا پر یہ قافلہ قبیلہ بنولحیان کے دھوکے کا شکار ہو گیا اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ گرفتار کر لیے گئے۔

مشرکین نے آپ کو مکہ کے بازار میں لے جا کر فروخت کر دیا۔ مکہ کے مشہور رئیس صفوان بن امیہ نے آپ کو اس غرض سے خریدا تا کہ غزوہ بدر میں جہنم رسید ہونے والے اپنے باپ امیہ بن خلف کا بدلہ لے سکے۔ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے صفوان نے اپنے غلام نسطاس کے ذریعے آپ کو حدودِ حرم سے باہر "تنعیم" کے مقام پر بھیج دیا تا کہ وہاں آپ کو شہید کر دیا جائے۔

جب قتل کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو قریش کے مجمع میں سے ابوسفیان بن حرب (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) آگے بڑھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک ایسا سوال کیا جو بظاہر نفسیاتی دباؤ تھا، مگر وہ درحقیقت عشق کا امتحان بن

گیا۔ابوسفیان نے کہا:

"اے زید! تجھے خدا کی قسم! سچ سچ بتانا، کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ اس وقت تیرے بجائے (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قبضے میں ہوتے، ہم ان کی گردن مارتے اور تو اپنے گھر میں بال بچوں کے ساتھ ہشاش بشاش اور آرام سے ہوتا؟"

موت کے سائے تلے کھڑے اس اسیرِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے استقلال میں لرزش تو کیا آتی، آپ کا چہرہ غیرتِ ایمانی سے تمتما اٹھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو کائنات کے ہر محب کے لیے دستورِ عشق بن گیا:

"واللہ! ابوسفیان! تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی بات کرتے ہو؟ خدا کی قسم! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میں اپنے گھر میں بال بچوں کے ساتھ آرام سے بیٹھا رہوں اور میرے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے!"

یہ تڑپ اور فدائیت دیکھ کر ابوسفیان جیسا دشمنِ اسلام بھی دنگ رہ گیا اور بے ساختہ پکار اٹھا:

"میں نے لوگوں میں سے کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا، جیسی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھی ان سے کرتے ہیں۔"

بالآخر ظالموں نے اس عاشقِ صادق کو شہید کر دیا، مگر حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک زندگی وہی ہے جو محبوب کے نام پر قربان ہو جائے اور موت وہی ہے جس میں محبوب کو ذرا برابر بھی ٹھیس پہنچے۔[1]

سیرتِ صحابہ کے یہ سنہرے نقوش محض داستانیں نہیں بلکہ ہمارے ایمان کی بنیاد اور عمل کی اساس ہیں۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی وہ شجاعت کہ "نبی کی تلوار عورت کے خون

---

[1] -السيرة النبوية لابن هشام، ذكر يوم الرجيع۔ دلائل النبوة للبيهقي۔

سے نہیں رنگ سکتی" اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا وہ والہانہ پن کہ "محبوب کے تلوے میں کانٹا چبھنا بھی گوارا نہیں"، آج کی امت سے چند سوالات کرتے ہیں:

* کیا ہمارا دعویٰ محبت محض زبانی ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ثابت کیا کہ محبت صرف جذباتی نعروں کا نام نہیں، بلکہ محبوب ﷺ کے اشارے پر اپنی انا، اپنی پسند اور اپنی جان تک کو قربان کر دینے کا نام ہے۔

آج جب عالمِ کفر نت نئے طریقوں سے شعائرِ اسلام اور ذاتِ اقدس ﷺ کی توہین کی ناپاک جسارت کرتا ہے، تو کیا ہمارے اندر ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جیسی غیرتِ ایمانی موجود ہے؟ کیا ہم اپنی صلاحیتوں، قلم، زبان اور مال کو "سیفِ رسول" (رسول کی تلوار) بنا کر حقِ نمک ادا کرنے کے لیے تیار ہیں؟

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو تو آقا ﷺ کے قدمِ مبارک میں کانٹا چبھنا گوارا نہ تھا، مگر افسوس! آج ہم اپنے عمل سے، سنتوں کو ترک کر کے اور غیروں کی تہذیب اپنا کر آقا ﷺ کے قلبِ اطہر کو کتنی ٹھیس پہنچاتے ہوں گے؟

اے امتِ مسلمہ کے جوانو!

آج وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے دلوں کو دوبارہ "جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کا اسیر بنائیں۔ ہماری تجارت ہو یا سیاست، ہماری خلوت ہو یا جلوت، ہر جگہ یہ احساس غالب رہے کہ:

"میری جان، میرا مال اور میری آبرو میرے آقا ﷺ کی عزت اور ان کی سنت پر قربان ہے!"

آیئے عہد کریں کہ ہم اپنی زندگیوں کو اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے نقشِ قدم پر ڈھالیں گے۔ اگر ہم نے سچے دل سے آقا ﷺ کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیا، تو کائنات کی کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکے گی۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است!

(اپنے آپ کو محمد ﷺ کی ذات تک پہنچا دے کہ دین سراسر وہی ہے، اگر ان تک نہ پہنچ سکا تو سب ابولہبی ہے)

❁❁❁

پیکرِ تسلیم ورضا:

آپ ﷺ سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو ہم حاضر ہیں!

عشق ومستی کے قافلے جب جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اسیر ہو کر نکلتے ہیں، تو پھر ان کی نگاہ میں طوفانوں کی کوئی وقعت رہتی ہے نہ سمندروں کی طغیانی کی۔ معرکہِ بدر کی تاریخ کا یہ وہ ورق ہے جہاں جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ نے رہتی دنیا تک کے لیے سپردگی اور اطاعت کا ایک نیا نصاب مرتب کر دیا۔

حضرت علقمہ بن وقاص لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضورِ اکرم ﷺ بدر کی سمت روانہ ہوئے اور مقامِ "روحاء" پر پہنچے، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ان کی رائے طلب فرمائی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت ادب سے کفار کی کثرت اور ان کے جنگی ساز وسامان کی اطلاع عرض کی۔ مگر جب حضور ﷺ نے تیسری بار اپنی زبانِ مبارک سے وہی سوال دہرایا، تو انصار کے قائد سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور بھانپ گئے کہ روئے سخن ہماری طرف ہے۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا والہانہ خطاب:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید آپ ہماری رائے لینا چاہتے ہیں؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو شرف بخشا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی! اگر آپ یمن کے دور دراز مقام "برک الغماد" تک تشریف لے جائیں گے تو ہم آپ کے قدم سے قدم ملا کر وہاں تک جائیں گے، اور اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو خدا کی قسم! ہم ضرور اس میں گر پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔"

آپ رضی اللہ عنہ نے کمالِ ایمانی کے ساتھ عرض کیا کہ ہم ان لوگوں کی طرح ہرگز نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا:

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾

ترجمہ: آپ جائیں اور آپ کا رب جائے، آپ دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارا نعرۂ مستانہ یہ ہے:

﴿إِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَّبِعُونَ﴾

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے چلیں اور آپ کا رب بھی، آپ دونوں قتال فرمائیں اور ہم آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ کے ساتھ لڑیں گے۔

امام اموی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مغازی" میں اس ایمان افروز مکالمے میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارا جتنا مال آپ چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں ہمیں عطا کر دیں۔ اللہ کی قسم! جو مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے (اپنے مشن کے لیے) لے لیں گے، وہ ہمیں اس مال سے کہیں زیادہ محبوب ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے۔ ہمارا ہر معاملہ آپ کے حکم کے تابع ہے۔"

ابنِ اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مزید عرض کیا:

”ہم آپ ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں، آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور گواہی دے چکے ہیں کہ آپ جو لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم آپ کو سمع و طاعت کا عہد دے چکے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے جس چیز کا ارادہ فرمایا ہے اسے کر گزریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کل میدانِ جنگ میں اللہ جل جلالہ ہمارے ہاتھوں آپ کو وہ کارنامہ دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔“

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ عشقِ صادق سے لبریز جواب سن کر حضورِ اکرم ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے دمک اٹھا اور آپ ﷺ کی طبیعت مبارک میں بے پناہ نشاط پیدا ہوا۔ آپ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”**چلو!** اور تمہیں خوشخبری ہو، کیونکہ اللہ جل جلالہ نے مجھ سے دو جماعتوں (قافلہ یا لشکر) میں سے ایک پر غلبے کا وعدہ فرمایا ہے۔ **اللہ کی قسم!** میں اس وقت ان جگہوں کو دیکھ رہا ہوں جہاں کل کافر قتل ہو کر گریں گے۔“

اسی موقع پر قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ كَمَآ أَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيۡتِكَ بِٱلۡحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقٗا مِّنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ لَكَٰرِهُونَ ﴾۔ ”جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی“[1]

---

[1] - السيرة النبوية لابن هشام: (ذكر غزوة بدر الكبرىٰ، ج 2، ص 253)۔ مغازی الاموی: (كما ذكره ابن كثير فی البداية والنهاية)۔ تفسير ابن كثير: (تحت الآية 5، سورة الانفال)۔ البداية والنهاية لابن كثير: (ذكر غزوة بدر، ج 3، ص 320)۔

عہدِ وفا کی تجدید:

اے اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ جذبہِ اطاعت ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ایمان صرف کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں، بلکہ اپنے مال، جان، جذبات اور خواہشات کو محبوب ﷺ کے اشارے پر قربان کر دینے کا نام ہے۔

* **وقت کا تقاضا:** آج اگرچہ ہم بدر کے میدان میں موجود نہیں، مگر زندگی کا ہر لمحہ ایک میدانِ کارزار ہے۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سامنے آ جائے، تو کیا ہمارے اندر اتنی ہمت ہے کہ ہم دنیا کے مفادات کو سمندر میں غرق کر سکیں؟

* **اطاعتِ کاملہ:** صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا کہ "جو آپ ہم سے لے لیں گے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہوگا"۔ کیا ہم بھی اپنی زکوٰۃ، صدقات اور اپنا وقت دینِ متین کے لیے پیش کرتے ہوئے یہی تڑپ رکھتے ہیں؟

* **جذبِہ عمل:** آیئے! حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ عہد کریں کہ ہم "**بیٹھے رہنے والوں**" میں سے نہیں بلکہ "**اتباع کرنے والوں**" میں سے بنیں گے۔ ہماری زندگی کا ہر عمل ایسا ہو کہ اگر آج حضور ﷺ اسے دیکھیں تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

اگر ہم نے اپنی زندگیوں میں "**سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا**" (ہم نے سنا اور ہم نے مانا) کا وہی رنگ پیدا کر لیا، تو نصرتِ الٰہی آج بھی ہمارے قدم چومنے کو تیار ہے۔

❁❁❁

اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

نصرتِ نبوی پر بیعتِ جاں نثاری

تاریخِ عالم نے بہت سے وفادار دیکھے ہوں گے، مگر جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے ان اسیروں جیسی وفاداری کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، جنہوں نے اس وقت "دستِ حق" پر بیعت کی جب پورا عرب دشمنی پر تلا ہوا تھا اور اسلام کا نام لینا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس دورِ ابتلا کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مکہ میں دس سال اس حال میں گزارے کہ آپ ﷺ حج کے ایام میں عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں لوگوں کے خیموں تک تشریف لے جاتے اور فرماتے:

"کون ہے جو مجھے ٹھکانہ دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟ اور اس کے بدلے میں اسے جنت ملے گی۔"

مگر عالمِ کفر کی مخالفت کا یہ عالم تھا کہ یمن و مضر سے آنے والے مسافروں کو ان کے رشتہ دار پہلے ہی خبردار کر دیتے کہ قریش کے اس نوجوان سے بچ کر رہنا، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔ لوگ آپ ﷺ کی طرف انگلیوں سے اشارے کرتے، مگر آپ ﷺ استقامت کا ہمالیہ بنے دعوتِ حق دیتے رہے۔

بالآخر یثرب کے خوش نصیبوں کے لیے ہدایت کا سورج طلوع ہوا۔ انصارِ مدینہ ایک ایک کر کے ایمان لائے، قرآن سیکھا اور اپنے گھروں کو نورِ اسلام سے منور کیا۔ جب مدینہ کے ہر محلے میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی، تو عشقِ رسول ﷺ نے انہیں بے چین کر دیا۔ انہوں نے مشورہ کیا: "آخر کب تک ہم اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ کے پہاڑوں میں یونہی دھتکارا جاتا اور ڈرایا جاتا چھوڑے رکھیں گے؟"

حج کے موقع پر ستر (70) جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ چھپتے چھپاتے "شعبِ عقبہ" میں اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ سے کن شرائط پر بیعت کریں؟" آقا کریم ﷺ نے ان اسیرانِ جمال کے سامنے جاں نثاری کا وہ نصاب رکھا جو جنت کی ضمانت تھا:

1- ہر حال میں (تنگی ہو یا فراخی) حکم سننا اور ماننا۔

2- تنگی اور کشادگی میں مال خرچ کرنا۔

3- نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

4- اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔

5- اور سب سے اہم یہ کہ جب میں تمہارے ہاں آ جاؤں، تو میری حفاظت اس طرح کرنا جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

جب بیعت کے لیے ہاتھ بڑھنے لگے، تو ستر آدمیوں میں سب سے کم عمر نوجوان، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی قوم کو جھنجھوڑا:

"اے اہلِ یثرب! ٹھہرو! آج تم جن کا ہاتھ تھام رہے ہو، اس کا مطلب پورے عرب سے دشمنی مول لینا ہے، اپنے بہترین لوگوں کا قتل اور تلواروں کی کاٹ برداشت کرنا ہے۔ اگر تمہارے اندر یہ صبر ہے تو انہیں لے چلو، اجر اللہ کے ذمہ ہے، اور اگر جان کا خطرہ ہے تو ابھی بتا دو۔"

عشق کے اسیروں نے جب یہ سنا تو تڑپ کر جواب دیا:

"اے اسعد! تم پیچھے ہٹ جاؤ! اللہ کی قسم! نہ ہم اس بیعت کو چھوڑیں گے اور نہ ہی اسے کبھی ختم کریں گے۔"

پھر ان ستر جاں نثاروں نے کمالِ شوق سے بیعت کی، اور محبوب ﷺ نے ان

کے ذمہ کام لگائے اور بدلے میں "جنت" کا ابدی وعدہ فرمایا۔[1]

میرے عزیزوں! بیعتِ عقبہ کا یہ واقعہ ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اسلام صرف آسانیوں کا نام نہیں، بلکہ یہ کڑے وقت میں محبوب ﷺ کا ساتھ دینے کا نام ہے۔

* **ہماری ترجیح کیا ہے؟** انصارِ مدینہ نے جان، مال اور اولاد کی قربانی کی شرط پر بیعت کی تھی۔ آج اگر ہمیں دین کی خاطر تھوڑی سی ملامت، معاشی تنگی یا دنیاوی نقصان کا سامنا ہو، تو کیا ہمارے پائے استقلال میں لرزش تو نہیں آتی؟

* **نصرتِ دین کا جذبہ:** انصار نے آقا ﷺ کو تنہا دیکھ کر بے چینی محسوس کی تھی۔ آج دینِ اسلام کو، شعائرِ اسلام کو اور سنتِ نبوی کو ہماری نصرت کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اپنے گھروں اور محلوں میں اسلام کو اسی طرح رائج کرنے کے لیے تیار ہیں جیسے انصار نے کیا تھا؟

* **جنت کا سودا:** اللہ کے رسول ﷺ نے انصار سے جو وعدہ فرمایا تھا، وہ آج بھی ہر اس شخص کے لیے ہے جو اپنے عہدِ وفا پر قائم رہے۔

آیئے! اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی طرح یہ عزم کریں کہ حالات چاہے تنگی کے ہوں یا فراخی کے، ملامت کرنے والے ملامت کرتے رہیں، مگر ہم اتباعِ سنت اور نصرتِ دین کے راستے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

❁❁❁

---

[1] -(اخرجه احمد وقد رواه احمد ایضاً والبیهقی من غیر هذا الطریق أیضاً وهذا اسناد جید علی شرط مسلم ولم یخرجوه كذا في البداية ۱۵۹/۳۔دلائل النبوة للبيهقي: (باب قصة بيعة العقبة الثانية، ج2، ص442)۔

وفا کے پیکر اور اسیرِ عشق:

سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ

عشقِ رسول ﷺ کی وادی میں جہاں جاں نثاری کے معرکے ملتے ہیں، وہیں "حکمِ محبوب" کے سامنے اپنی تڑپ اور جذبات کو قربان کر دینے کی لازوال مثالیں بھی نظر آتی ہیں۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اسی عشقِ صادق کی ایک چلتی پھرتی تصویر تھے۔

جب ابو جندل رضی اللہ عنہ نے اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستگی اختیار کی، تو مکہ کے مشرکین نے ان پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ تاریخ کانپ اٹھی۔ اس جاں نثارِ پیغمبر ﷺ کو بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ دیا گیا، قیدِ تنہائی میں ڈالا گیا، مگر ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ وہ جسمانی طور پر مشرکین کی قید میں تھے، مگر روح کے اعتبار سے "جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کے اسیر ہو چکے تھے۔

6 ہجری میں جب مقامِ حدیبیہ پر صلح کا معاہدہ تحریر ہو رہا تھا، عین اسی وقت ابو جندل رضی اللہ عنہ کفار کی قید سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور بیڑیوں سمیت گھسٹتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ منظر انتہائی دلدوز تھا کہ ان کا ایک بھائی زنجیروں میں جکڑا ہوا فریاد کر رہا ہے، لیکن دوسری طرف معاہدے کی وہ شرط تھی کہ مکہ سے آنے والے مسلمان کو واپس کیا جائے گا۔

حضورِ اکرم ﷺ کو ابو جندل رضی اللہ عنہ سے کمال ہمدردی تھی، مگر "ایفائے عہد" اور نبوی اصولوں کی پاسداری مقدم تھی۔ آپ ﷺ نے دل پر پتھر رکھ کر، تڑپتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا اور وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک اطاعت کا معیار بن گیا:

"اے ابو جندل! ہمارے اور اس قوم کے درمیان صلح مکمل ہو گئی ہے، اس لیے تم

صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشائش اور نکلنے کی راہ پیدا کر دے"۔[1]

ابو جندل رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لمحہ کسی بڑے امتحان سے کم نہ تھا۔ ایک طرف ظالم مشرکین کی دوبارہ وہی قید اور وہ اذیتیں تھیں، اور دوسری طرف آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم۔ مگر اسیرِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کر دیا کہ محب کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سر جھکا دیا اور بیڑیوں کی جھنکار میں واپس مکہ روانہ ہو گئے، تاکہ "**اطاعت و اتباع**" کی ایک ایسی داستان رقم ہو جو تاریخ کے ماتھے کا جھومر بن جائے۔

❁❁❁

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور غیرتِ ایمانی:

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ

کائناتِ عشق کا یہ عجیب منظر ہے کہ جہاں خونی رشتے ہیچ ہو جاتے ہیں اور نسبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اصل رشتہ قرار پاتی ہے۔ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست میں حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا نام اس لیے منفرد ہے کہ انہوں نے ثابت کیا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا اگر سگا باپ بھی ہو، تو وہ بھی گردن زدنی ہے۔

عبداللہ بن ابی "رئیس المنافقین" تھا، جس کے دل میں ریاستِ مدینہ اور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بغض و عناد کی آگ سلگ رہی تھی۔ وہ درپردہ سازشوں کا جال بنتا

---

[1]-صحیح البخاری: (کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب، حدیث نمبر 2731)۔السیرة النبویة لابن هشام: (قصة صلح حدیبیة وامر ابو جندل، ج2، ص318)۔

اور مسلمانوں کے درمیان طبقاتی کشمکش پیدا کرنے کی ناپاک کوششیں کرتا رہتا۔ مگر قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ اسی بدبخت کے گھر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسا مخلص، جانثار اور عاشقِ رسول ﷺ بیٹا پیدا ہوا، جس نے اپنی پوری زندگی جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی پہرے داری کے لیے وقف کر رکھی تھی۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کی اسلام دشمن سرگرمیاں دیکھیں، تو ان کی غیرتِ ایمانی جوش مارنے لگی۔ وہ دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ! مجھے حکم دیجئے کہ میں اس فتنے کی جڑ (اپنے باپ) کو ہی ختم کر دوں تا کہ دین کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے"۔

روایت کے الفاظ شاہد ہیں:

"أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ ﷺ أَنْ يَقْتُلَ أَبَاهُ، قَالَ: لَا تَقْتُلْ أَبَاكَ"۔[1]

ترجمہ: "انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے باپ کو قتل نہ کرو"۔

ایک اور موقع پر جب اس بدبخت باپ نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہا، تو جاں نثار بیٹے نے تڑپ کر عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مکرم بنایا، اگر آپ چاہیں تو میں اس کا سر قلم کر کے آپ کے قدموں میں حاضر کر دوں!"

مگر قربان جائیے آقا ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ پر، آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں! اپنے والد کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرمی سے پیش آؤ۔"[2]

---

[1] -تفسیر ابن کثیر، تحت الآیۃ 8، سورۃ المنافقون۔

[2] -مجمع الزوائد، ج9، ص 317۔

عزت وذلت کا معیار:

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر جب ابن ابی نے انتہائی گستاخانہ کلمات کہے اور مدینہ پہنچ کر معزز ین (نعوذ باللہ) کے ذریعے ذلیل لوگوں کو نکالنے کی بات کی، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت لی اور مدینہ کے راستے میں اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے للکار کر کہا:

"خدا کی قسم! میں اس وقت تک تلوار میان میں نہیں رکھوں گا جب تک تو اپنی زبان سے یہ اقرار نہ کر لے کہ محمد ﷺ معزز ترین ہیں اور تو ذلیل ترین ہے!"

باپ نے بیٹے کی آنکھوں میں عشقِ رسول ﷺ کا وہ جلال دیکھا تو کانپ اٹھا اور وہی الفاظ کہے جو بیٹے نے چاہے تھے۔ جب یہ خبر بارگاہِ رسالت ﷺ میں پہنچی تو آپ ﷺ نے اپنے اس جاں نثار صحابی رضی اللہ عنہ کی جرات اور غیرتِ ایمانی کو بیحد پسند فرمایا۔[1]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ثابت کیا کہ ایمانی غیرت کے سامنے دنیاوی رشتے ہیچ ہیں۔ آپ نے آقا ﷺ کی حرمت پر اپنے سگے باپ کے خلاف تلوار بلند کر کے یہ واضح کر دیا کہ "عزت" صرف مصطفیٰ ﷺ کی غلامی میں ہے اور "ذلت" ان کی دشمنی میں۔

اے عشقِ رسول ﷺ کے دعویدارو! اس واقعے سے سبق لیں کہ ہماری محبت کا اصل امتحان تب ہوتا ہے جب رشتہ اور دین آمنے سامنے ہوں۔ سچا عاشق وہی ہے جو ہر تعلق پر نسبتِ مصطفیٰ ﷺ کو مقدم رکھے۔ آیئے! اپنے دلوں میں ایسی ہی غیرت پیدا کریں کہ گستاخِ رسول ہمیں اپنے خون سے زیادہ پرایا لگے۔

❁❁❁

---

[1] -صحیح البخاری، حدیث نمبر 4905 / السيرة النبوية لابن هشام-هيثمي، مجمع الزوائد، 9:317، 2318 حميدي، المسند، 2:520، رقم: 31240

عشق کی گواہی:

سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ

جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اسیروں کا اندازِ فکر عام لوگوں سے جدا ہوتا ہے۔ وہ صرف آنکھوں دیکھے پر یقین نہیں رکھتے، بلکہ ان کا ایقان محبوب ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے ہر لفظ پر ہوتا ہے۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زندگی کا یہ واقعہ اسی قلبی یقین کا شاہکار ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک بدو سے گھوڑا خریدا اور سودا مکمل ہوگیا۔ جب آپ ﷺ قیمت کی ادائیگی کے لیے تشریف لے جانے لگے تو بدو کو کسی نے زیادہ قیمت کی پیشکش کر دی، جس پر اس نے بدنیتی سے سودا فسخ کرنا چاہا۔ اس نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا:

"اگر آپ گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں تو خرید یں، ورنہ میں اسے بیچنے لگا ہوں"۔

آپ ﷺ نے کمالِ راستی سے فرمایا: "میں تو تم سے سودا کر چکا ہوں"،

مگر وہ اعرابی مکر گیا اور مطالبہ کیا کہ "اگر آپ سچے ہیں تو کوئی گواہ پیش کریں!"[1]

عین اس لمحے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور صورتحال دیکھ کر پکار اٹھے: "میں گواہ ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تم سے یہ گھوڑا خرید لیا ہے!"

بدو لاجواب ہوگیا اور سودا تسلیم کر لیا۔ بعد ازاں، حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:

"اے خزیمہ! تم نے کس بنیاد پر گواہی دی حالانکہ تم سودے کے وقت وہاں

---

[1] -سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 3607۔

موجود نہ تھے؟"[1]

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کمالِ فہم اور والہانہ پن سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تو ہم نے ان غیبی خبروں میں آپ کی تصدیق کی جو آپ آسمان سے لاتے ہیں۔ جب اتنی بڑی سچائی پر ہم نے آپ پر یقین کر لیا، تو کیا ایک گھوڑے کے سودے میں ہم آپ کی سچائی پر شک کر سکتے ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا یہ استدلال اور عشقِ صادق اتنا پسند آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی ایک گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا اور آپ رضی اللہ عنہ "ذوالشہادتین" (دو گواہیوں والے) کے لقب سے مشہور ہو گئے۔[2]

❀❀❀

---

[1] - مسند احمد، ج36، ص100۔

[2] - المستدرک للحاکم، ج3، ص448۔

پاسبانِ مصطفیٰ ﷺ:

سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ:

جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اسیروں نے نہ صرف میدانِ کارزار میں اپنی جانیں نچھاور کیں، بلکہ خلوت و جلوت میں بھی وہ سائے کی طرح اپنے محبوب ﷺ کے تحفظ اور خدمت کے لیے مستعد رہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اسی فہرستِ جاں نثاری کا ایک درخشندہ عنوان ہیں۔

واقعۂ احد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فدائیت کا کڑا امتحان تھا، جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پورے اترے۔ آپ نے اپنے آقا ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے بدن پر بیس سے زائد زخم کھائے۔ پاؤں میں لگنے والا زخم اتنا کاری تھا کہ آپ عمر بھر کے لیے لنگڑا کر چلنے لگے، مگر زبان پر شکوہ نہ آیا کیونکہ یہ زخم "**راہِ محبوب**" کی نشانی تھے۔[1]

نگہبانِ نبوی اور سجدۂ تشکر:

محبت کا تقاضا ہے کہ محب ہر لمحہ محبوب کی خیریت کا طالب رہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نخلستان کی طرف تشریف لے گئے، تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ خاموشی سے پیچھے ہو لے تا کہ آپ ﷺ کی حفاظت کر سکیں۔ آپ ﷺ سجدے میں گئے اور اتنی دیر تک سر نہ اٹھایا کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ گھبرا گئے کہ کہیں روحِ اطہر پرواز تو نہیں کر گئی۔ جب آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو دریافت فرمایا: "عبدالرحمن! کیا بات ہے؟" آپ نے اپنی پریشانی عرض کی، تو ارشاد ہوا:

"جبرائیل امین نے مجھے بشارت دی ہے کہ اللہ فرماتا ہے: جو آپ پر درود بھیجے گا

---

[1] - البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 164۔

میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا۔ یہ سجدہ اسی بشارت پر سجدۂ تشکر تھا"۔[1]

یادِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رقتِ قلبی:

وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دل یادِ محبوب سے لبریز رہتا۔ ایک مرتبہ دسترخوان پر اچھا کھانا (روٹی اور گوشت) آیا تو آپ بے اختیار رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا: "ابو محمد! یہ گریہ کیسا؟" تو فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے مگر عمر بھر آپ کے اہل وعیال کو پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی میسر نہ آئی۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں ہماری نیکیاں ہمیں دنیا ہی میں تو نہیں دے دی گئیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محرومی کو یاد کر کے رونا ان کے عشقِ صادق کی دلیل تھا۔[2]

❁❁❁

---

[1] -مسند احمد بن حنبل ج1 ص191۔

[2] -صحیح بخاری، حدیث نمبر: 1275/ سنن ترمذی، حدیث نمبر: 2470۔

دو کمبلوں والا اسیرِ جمال:

حضرت ذُو البِجَادَین رضی اللہ عنہ

عشق جب صادق ہو تو مخمل و حریر کی کوئی وقت نہیں رہتی۔ قبیلہ مزینہ کا ایک یتیم بچہ، جس نے جمالِ محمدی ﷺ کی تڑپ میں اپنے کٹر کافر چچا کی دولت کو ٹھکرا دیا، تاریخ اسے "ذُو البِجَادَین" (دو کمبلوں والا) کے لقب سے رہتی دنیا تک یاد رکھے گی۔

جب چچا نے اسلام کی رغبت پر انہیں برہنہ کر کے گھر سے نکالا، تو انہوں نے اپنی ماں سے ایک کمبل مانگا، اسے دو ٹکڑے کیا؛ ایک کو تہبند بنایا اور ایک کو چادر، اور اسی حال میں مدینہ کی راہ لی۔ فجر کے وقت جب دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے، تو آقا ﷺ نے نام پوچھا۔ عرض کیا: "عبدالعزیٰ"۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں! آج سے تم "عبداللہ" ہو اور تمہارا لقب "ذُو البِجَادَین" ہے"۔[1]

آپ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں شامل ہو گئے اور بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرتے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! شہادت کی دعا فرمائیں"۔

آپ ﷺ نے ان کے بازو پر درخت کی چھال باندھی اور فرمایا:

"اے اللہ! میں نے اس کا خون کفار پر حرام کیا"،

پھر فرمایا: "اگر تم جہاد میں بخار سے بھی مر گئے تو تم شہید ہی ہو گے"۔[2]

---

[1] - الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج3، ص872۔

[2] - المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: 733۔

تبوک میں آپ بخار میں مبتلا ہوئے اور روح پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس رات کا منظر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اندھیری رات میں ایک چراغ جل رہا ہے۔ دیکھا تو قبر کھدی ہوئی ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ چراغ لیے کھڑے ہیں، اور خود رحمتِ عالم ﷺ قبر کے اندر تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اپنے بھائی کو میرے قریب کرو"۔

اپنے دستِ مبارک سے انہیں لحد میں اتارا اور یہ دعا دی:

"اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَمْسَیْتُ رَاضِیًا عَنْهُ فَارْضَ عَنْهُ"۔[1]

(اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا)۔

حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ نے ثابت کیا کہ محبوب کے لیے سب کچھ لٹا کر درویشی اختیار کر لینا ہی اصل سلطانی ہے۔ ان کی وفات پر خود حضور ﷺ کا قبر میں اترنا اور ان سے رضا کا اظہار کرنا کائنات کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔

وہ ایک نام جس سے مِلی ہر کسی کو روشنی
وہ ایک حُسن جو ہر اِک حُسن کا امام ہے
جو کٹ گئے غُلامیِ خیرالانام ﷺ میں
تاریخ کی جبیں پہ اُنہی کا مَقام ہے

❁❁❁

[1]- سیرت ابن ہشام، ج 2، ص 527 / البدایہ والنہایہ، ج 5، ص 20۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۰ و ص ۳۵۱۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ

قبولِ اسلام اور جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا اثر

عشق کی دنیا میں اسیری کا مفہوم زنجیروں سے بندھنا نہیں، بلکہ دیدہ و دل کا کسی ایسے مرکزِ انوار پر ٹھہر جانا ہے جہاں سے ہٹنے کی تمنا ہی ختم ہو جائے۔ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی فہرست میں ایک نام سرزمینِ یمن کے اس شہسوار کا ہے، جو عقل و دانش کا پیکر اور فصاحت و بلاغت کا تاجدار تھا، جسے دنیا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے۔

حضرت سیّدنا ذوالنور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ، سرزمینِ یمن کے قبیلہ "دَوس" کے وہ بطلِ جلیل اور عالی نسب سردار ہیں جنہیں قدرت نے فہم و فراست کی دولت اور شاعری کے ملکۂ خاص سے نوازا تھا۔ ان کے قبولِ اسلام کی داستان عقل کے غرور کے ٹوٹنے اور جمالِ محمدی ﷺ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی ایک ایمان افروز حکایت ہے۔

جب مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدائیں بلند ہوئیں، تو طفیل بن عمرو کسی کام سے مکہ آئے۔ مکہ کے سرداروں نے، جو نورِ نبوت سے خائف تھے، تو قریش کے بڑے بڑے سرداران کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر طفیل جیسے بااثر انسان نے نبی کریم ﷺ کی بات سن لی، تو پورا قبیلۂ دَوس اسلام کا گرویدہ ہو جائے گا۔ انہوں نے طفیل کے کان بھرنا شروع کر دیے کہ:

"اے طفیل! اس شخص (محمد ﷺ) نے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ان کی گفتگو میں جادو ہے جو باپ کو بیٹے سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے۔ ہم تمہاری خیر چاہتے ہیں، تم ان کے قریب نہ جانا اور نہ ہی ان کی کوئی بات سننا"۔

پروپیگنڈا اتنا شدید تھا کہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے خوف کے مارے اپنے کانوں

میں روئی ٹھونس لی تاکہ حرم میں طواف کے دوران کہیں نبی کریم ﷺ کی آواز ان کے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

ایک دن وہ اسی حال میں حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے کہ کانوں میں روئی تھی، لیکن اللہ کی مشیئت کچھ اور تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ کعبہ کے پاس اللہ کے رسول ﷺ نماز ادا فرما رہے ہیں۔ قدرت نے روئی کے پہروں کے باوجود کلامِ الٰہی کے چند کلمات ان کی سماعتوں تک پہنچا دیے۔

ان الفاظ کی مٹھاس اور تاثیر نے ان کے دل پر دستک دی۔ وہ وہیں رک گئے اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہا:

"افسوس مجھ پر! میں ایک عقل مند شاعر ہوں، کلام کی خوبی اور خامی کو خوب سمجھتا ہوں۔ پھر مجھے کسی کی بات سننے سے کون سی چیز روک سکتی ہے؟ اگر ان کی بات اچھی ہوئی تو قبول کر لوں گا، اور اگر بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا"۔

وہ خاموشی سے نبی کریم ﷺ کے پیچھے چل پڑے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، تو طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی اندر حاضر ہو گئے۔ انہوں نے سارا قصہ سنایا کہ کس طرح قریش نے انہیں ڈرایا تھا اور انہوں نے کانوں میں روئی ڈال لی تھی۔ پھر عرض کی:

"اے محمد (ﷺ)! مجھے اپنا دین بتائیے"۔

نبی کریم ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق (یا بعض روایات کے مطابق قرآن کی دیگر آیات) تلاوت فرمائیں۔ قرآن کی فصاحت اور حقانیت سن کر طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ پکار اٹھے:

"بخدا! میں نے اس سے بہتر کلام اور اس سے زیادہ انصاف والا دین آج تک

نہیں دیکھا"۔

وہیں انہوں نے کلمہ پڑھا اور "اسیرِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" بن گئے۔

تبلیغِ اسلام اور جذبہ:

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی تبلیغی جدوجہد عزیمت، حکمت اور دعا کی قبولیت کی ایک عظیم مثال ہے۔ آپ کا اپنی قوم (قبیلہ دوس) کو اسلام کی طرف لانا ایک صبر آزما مگر کامیاب سفر تھا۔

مکہ سے ایمان کی دولت لے کر جب آپ یمن میں اپنے قبیلے "دوس" میں واپس پہنچے، تو سب سے پہلے اپنے گھر سے دعوت کا آغاز کیا۔

والد کی قبولیت: آپ کے معمر والد آپ سے ملنے آئے، تو آپ نے فرمایا:

"والدِ محترم! میرا آپ سے اب کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور محمد ﷺ کا پیروکار بن گیا ہوں"۔

یہ سن کر ان کے والد نے کہا: "بیٹا! جو تمہارا دین ہے وہی میرا دین ہے"۔ یوں وہ مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح آپ کی زوجہ نے بھی آپ کی دعوت پر فوراً اسلام قبول کر لیا۔

گھر کے بعد آپ نے اپنے قبیلے کو اسلام کی دعوت دی، لیکن قبیلہ دوس کے لوگ اپنی سرکشی اور تکبر پر اڑے رہے۔ وہ بدکاری اور سود خوری میں اس قدر غرق تھے کہ انہوں نے حق کی آواز کو ٹھکرا دیا۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ اس صورتحال سے سخت دلبرداشتہ ہوئے اور دوبارہ مکہ مکرمہ حاضر ہو کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ! قبیلہ دوس نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے اور وہ

سرکشی پر اتر آئے ہیں، آپ ان کے حق میں ہلاکت کی بددعا فرمائیں"۔

نبی کریم ﷺ نے بددعا کرنے کے بجائے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ تاریخی الفاظ فرمائے:

"اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور انہیں (میرے پاس) لے آ"۔

آپ ﷺ نے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی: "اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، انہیں اللہ کی طرف بلاؤ اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو"۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ واپس آئے اور نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق انتہائی نرمی اور حکمت کے ساتھ دعوت کا کام جاری رکھا۔ اب آپ کی گفتگو میں وہ سختی نہیں تھی بلکہ ہمدردی اور خیر خواہی تھی۔ اللہ کے نبی ﷺ کی دعا اور حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی مسلسل محنت رنگ لائی۔ لوگ آہستہ آہستہ اسلام کے قریب آنے لگے اور کفر کی تاریکیاں چھٹنے لگیں۔

سن ۷ ہجری میں، جب نبی کریم ﷺ خیبر میں تھے، حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ۷۰ یا ۸۰ خاندانوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ ایک بہت بڑی تبلیغی کامیابی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: اسی تبلیغی محنت کا سب سے روشن ستارہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ہی ایمان لائے تھے اور اس قافلے میں شامل تھے۔ آج احادیثِ مبارکہ کا جو عظیم ذخیرہ ہمیں ملا ہے، اس میں حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی اس ابتدائی محنت کا بڑا حصہ ہے۔

فتحِ مکہ کے بعد، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اجازت لی کہ وہ اپنے قبیلے کے مشہور بت "ذوالکفین" کو توڑنا چاہتے ہیں۔ آپ نے وہاں جا کر اس بت کو آگ لگا دی اور قبیلے کے بچے کھچے لوگ بھی یہ دیکھ کر صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے کہ وہ لکڑی کا بت

خود کو نہیں بچا سکا۔

خواب اور ابدی سفر کی دستک:

سن 12 ہجری، فتنۂ ارتداد کے بادل چہار سو منڈلا رہے تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مجاہدین کے اس لشکر میں شامل تھے جو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے یمامہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابھی منزل قریب ہی تھی کہ ایک رات حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔

انہوں نے دیکھا کہ ان کا سر مونڈ دیا گیا ہے، ان کے منہ سے ایک پرندہ برآمد ہوا ہے اور ایک عورت نے انہیں اپنے پیٹ میں چھپا لیا ہے۔ صبح ہوئی تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے اس خواب کا ذکر کیا اور اس کی ایسی وجدانی تعبیر پیش کی جس نے سب کے دل تڑپا دیے:

سر کا مونڈنا: اس سے مراد میری شہادت ہے (کیونکہ شہید کا سر کٹ جاتا ہے)۔

منہ سے پرندہ نکلنا: یہ میری روح ہے جو قفسِ عنصری سے آزاد ہو کر جنت کی وسعتوں میں پرواز کرے گی۔

عورت کا پیٹ: یہ وہ زمین ہے جو مجھے اپنی آغوش میں لے لے گی اور میں اس کی قبر میں چھپ جاؤں گا۔

معرکۂ یمامہ: عشق و جاں نثاری کا عروج:

یمامہ کا وہ تاریخی میدان جہاں حق و باطل کا عظیم معرکہ برپا تھا۔ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ ایک ایسے جذبے سے لڑ رہے تھے جیسے کوئی برسوں کا پیاسا دریا کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ "اسیرِ جمال" جس نے کبھی مکہ کی گلیوں میں مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں زندگی کا مقصد پایا تھا، اب اسی دین کی بقا کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے بے تاب تھا۔

انہوں نے مسیلمہ کذاب کی فوجوں کے پرخچے اڑا دیے۔ ان کی تلوار بجلی بن کر کفر پر گر رہی تھی۔ اس معرکے میں ان کے سامنے صرف دشمن کی صفیں نہیں تھیں، بلکہ وہ پرندہ (روح) تھا جو ان کے خواب میں آزاد ہوا تھا۔

لڑتے لڑتے وہ زخموں سے چور ہو گئے، لیکن قدموں میں لغزش نہ آئی۔ بالآخر وہ گھڑی آ پہنچی جس کا انہیں انتظار تھا۔ دشمن کے وار نے ان کے جسمِ اطہر کو خاک پر گرا دیا۔ ان کی روح اس پرندے کی طرح پرواز کر گئی جس نے ابدی جنتوں میں بسیرا کرنا تھا۔

اس معرکے میں ان کے صاحبزادے، حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ بھی شدید زخمی ہوئے اور ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔ وہ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بعد میں غزوۂ یرموک میں شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے، یوں باپ اور بیٹے دونوں نے اسیرانِ جمال کی فہرست میں اپنا نام ہمیشہ کے لیے درج کروا دیا۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی شہادت اس بات کی گواہی ہے کہ جو ایک بار جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا اسیر ہو جائے، موت اس کے لیے خوف نہیں بلکہ محبوب سے ملاقات کا ایک پل بن جاتی ہے۔ یمامہ کی مٹی نے جس جسم کو اپنی آغوش میں لیا، وہ مکہ میں روئی ڈال کر آنے والا ایک سردار نہیں، بلکہ عشقِ رسول ﷺ میں فنا ہو جانے والا ایک سچا جاں نثار تھا۔

باب سوم

آزمائشِ عشق:

اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صبر واستقامت کے کوہِ گراں

(اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت اور فداکاری کے انمول واقعات)

محبت جب دل کی گہرائیوں میں اتر جائے تو وہ انسان کو فولاد بنا دیتی ہے۔ "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی تاریخ محض داستانِ عشق نہیں، بلکہ صبر و رضا کا وہ کوہِ گراں ہے جس سے ٹکرا کر باطل کے تمام حربے پاش پاش ہو گئے۔ مکہ کی تپتی ریت، دہکتے انگارے، کوڑوں کی بوچھاڑ اور اپنوں کی بے وفائی؛ غرض ستم کی کوئی ایسی شکل نہ تھی جو ان پروانوں پر آزمائی نہ گئی ہو۔

مگر صد آفرین ان عشاقِ صادق پر! جن کے جسموں کو چھلنی کر دیا گیا، جن کی ہڈیوں کو پگھلایا گیا، مگر ان کے لبوں سے "احد احد" کی صدا نہ رکی۔ ان کے لیے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کی ایک جھلک ان تمام اذیتوں کا مداوا تھی جو دنیا انہیں دے سکتی تھی۔ یہ باب ان جاں نثاروں کے نام ہے جنہوں نے ثابت کیا کہ:

"عشق صرف دعوے کا نام نہیں، بلکہ لہو کے آخری قطرے تک محبوب کی دہلیز پر پہرہ دینے کا نام ہے۔"

اہلِ جنوں کی راہ میں دیوار و در کہاں
عشق آ گیا تو آفتِ دوراں کا ڈر کہاں
ان پر جفائے دہر کا کوئی اثر نہیں
جن کے دلوں میں یادِ شہِ بحر و بر لگی

معیارِ عشق:

جب رشتوں پر "جمالِ نبوی ﷺ" کی غیرت غالب آگئی

کائنات کے "اسیرانِ جمال" وہ خوش بخت نفوس ہیں جنہیں صحبتِ رسول ﷺ کے کیمیا اثر نے وہ مقام عطا کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد پوری بشریت ان کے گردِ راہ کو بھی نہیں چھو سکتی۔ اگر کائنات کے تمام اولیاء اللہ مل کر بھی کسی ایک صحابی کی گردِ سفر کا مقابلہ کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے۔ اس "جمالِ جہاں آرا ﷺ" کی صحبت نے ریگزاروں میں بادیہ پیمائی کرنے والوں کو تراش کر "کوہِ نور" بنا دیا، خاک کے ذروں کو مہر و ماہ کی تابانی عطا کی اور عام پتھروں کو "پارس" کے ہم دوش کر دیا۔

اسیریِ جمال کا حقِ وفا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ سے جو عشق و وارفتگی تھی، اس کی مثال چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھی۔ انہوں نے محبت کا حق یوں ادا کیا کہ راہِ الفت میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پامال کر دیا۔ مال و دولت، سکون و وقار، اور اہل و عیال بی کوئی بھی رشتہ ان کی تلوار کے استقلال کو خم نہ کر سکا۔ میدانِ جنگ میں جب "غیرتِ ایمانی" کا امتحان ہوا، تو ان کے سامنے ان کے اپنے خون (باپ، بیٹے، بھائی) آئے، مگر "اسیرانِ جمال" نے ثابت کر دیا کہ ان کے نزدیک رشتہ صرف وہی ہے جو "نسبتِ مصطفیٰ ﷺ" سے جڑا ہو۔

مقتلِ عشق میں خون کے رشتوں کا نذرانہ:

جنگِ بدر کا معرکہ ہو یا احد کا میدان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی شمشیروں سے تاریخِ وفا کا وہ باب رقم کیا جس پر فرشتے بھی ناز کرتے ہیں:

* سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے والد (عبداللہ) کو، جو دشمنِ رسول بن

کر سامنے آیا تھا، اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔

* سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے بھائی (عبید) کو تہہ تیغ کیا۔

* سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموں (عاص بن ہشام) کا سر قلم کیا۔

* سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے اپنے قریب ترین رشتہ داروں (عتبہ، شیبہ اور ولید) کو واصلِ جہنم کیا۔

* سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے لختِ جگر عبدالرحمن سے (ان کے اسلام لانے کے بعد) فرمایا: "اگر تم بدر میں میرے ہاتھ لگ جاتے، تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا!"

اسی بے مثال جرات پر علامہ ابنِ دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"وَقَدْ كَانَتِ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ يُقَاتِلُونَ مَعَهُ آبَاءَهُمْ وَأَبْنَاءَهُمْ وَإِخْوَانَهُمْ... فَمَنْ وَجَدَ هَذَا مِنْهُ فَقَدْ صَحَّ أَنَّ هَوَاهُ تَبَعٌ لِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔[1]

ترجمہ: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی معیت میں اپنے باپوں، بیٹوں اور بھائیوں سے لڑے... جس نے اپنے اندر یہ کیفیت پالی، تو یہ اس بات کی صحت کی دلیل ہے کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع ہوگئی جو نبی ﷺ لے کر آئے ہیں"۔

تمغہِ الٰہی: حزب اللہ اور مقامِ رضا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ - أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ - أُولَئِكَ حِزْبُ اللهِ - أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾۔[2]

---

[1] -شرح الاربعین النوویہ:108۔

[2] -سورۃ المجادلہ:22۔

ترجمہ: ” آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، کبھی ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، چاہے وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی اللہ کا گروہ ہے، اور یاد رکھو! اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔“

❁❁❁

ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ
جان نچھاور کرنے والے 1200 جاں نثار:

انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد کائناتِ انسانی میں اگر کوئی ہستی فضیلت و رفعت کے آخری مقام پر فائز ہے، تو وہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ وہ ”اسیرِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہیں جنھوں نے اپنی جان، مال اور اولاد؛ غرض کائنات کی ہر قیمتی شے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے پر قربان کر دی۔ اگرچہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی سنہری کارناموں کا مرقع ہے، لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب اسلام کی کشتی طوفانوں میں گھری، تو آپ نے ”تحفظِ ختمِ نبوت“ اور ”ناموسِ رسالت“ کے لیے جو عظیم الشان کردار ادا کیا، اس پر رہتی دنیا تک کا مسلمان آپ کا احسان مند رہے گا۔

فتنوں کا سیلاب اور صدیقی استقامت:

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد دشمنانِ اسلام کو یہ گمان ہوا کہ شاید

اسلام کی عمارت اب زمیں بوس ہو جائے گی۔ منافقین، یہود و نصاریٰ، منکرین ختمِ نبوت اور جھوٹے مدعیانِ نبوت نے ہر سمت سے سر اٹھایا۔ مانعینِ زکوٰۃ کی بغاوت ہو یا فتنۂ ارتداد کا زہر، مدینہ منورہ کے درو دیوار ان سازشوں کی ہولنا کی محسوس کر رہے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کٹھن وقت کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کی حالت ایسی تھی جیسے سخت سرد اور بارش والی رات میں بھیگی ہوئی بکریوں کا ریوڑ ہو!"[1]

ان مخدوش حالات میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے "خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" ہونے کا وہ حق ادا کیا کہ تاریخِ عالم دنگ رہ گئی۔ جب بڑے بڑے جری صحابہ بھی حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر مصلحت کی بات کر رہے تھے، تو اس وقت جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ اسیر پہاڑ کی طرح جم گیا۔ آپ نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر یہ لوگ ایک رسی (عقال) دینے سے بھی انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیا کرتے تھے، تو ابوبکر اس رسی کے لیے بھی ان سے جنگ کرے گا!"[2]

معرکۂ یمامہ: ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ کن معرکہ:

فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لیے امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرتِ ایمانی نے جو گیارہ لشکر روانہ کیے، ان میں سب سے کٹھن مہم اس مسیلمہ کذاب ملعون کی تھی جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے خلافتِ اسلامیہ کو چیلنج کیا تھا۔ جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو ابتدائی طور پر پسپائی ہوئی اور یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار کا تربیت یافتہ اور جنونی لشکر ہے، تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس معرکے کی اہمیت کو بھانپتے

---

[1] -البدایہ والنہایہ، ج6، ص 304۔

[2] -صحیح بخاری، حدیث نمبر 1400۔

ہوئے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ طلب فرمایا اور یمامہ کو سر کرنے کی عظیم ذمہ داری ان کے سپرد فرمائی۔[1]

جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب:

یہ معرکہ محض زمین کے ایک ٹکڑے کی فتح کا نام نہ تھا، بلکہ یہ اسلام کی بقا اور ختمِ نبوت کی حرمت کا قطعی فیصلہ تھا۔ اسی نازک صورتحال کے پیشِ نظر، سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے صرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مدینہ کے وہ مایہ ناز جاں نثار، بدری وحنینی صحابہ اور کبار حفاظ وقراء رضی اللہ عنہم بھی اس لشکر کے لیے نامزد فرمائے جن کی شجاعت کی دھاک پورے عرب میں تھی۔ انصار کی کمان حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، جبکہ مہاجرین کے ہراول دستے کی قیادت حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شیر دل بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔[2]

عشق اور غیرت کا سیلاب:

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یمامہ پہنچے تو معرکہ کارزار گرم ہوا۔ مسیلمہ کے پیروکار اپنے کذب پر جانیں دے رہے تھے، مگر دوسری طرف وہ "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" تھے جن کا مقصد ہی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت پر پہرہ دینا تھا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں کو ایسی ہولناک جنگ کا سامنا کرنا پڑا جس کی مثال پہلے نہ ملتی تھی۔ ایک موقع پر جب قدم اکھڑنے لگے تو ان جاں نثاروں نے ایک دوسرے کو پکارا:

"اے حاملینِ قرآن! اپنے عمل سے قرآن کی زینت بنو"۔

---

[1] تاریخ الطبری، ج3، ص281۔

[2] البدایہ والنہایہ، ج6، ص335۔

مہاجرین کے علمبردار حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ خطرہ بڑھ رہا ہے، تو پکار اٹھے: "اگر میں قتل ہو گیا اور قرآن مٹ گیا تو مجھ سے برا حاملِ قرآن کوئی نہ ہوگا"۔

اس جذباتی پکار نے لشکر میں وہ روح پھونکی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلواریں سونت کر دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے، یہاں تک کہ مسیلمہ کے دستِ راست نہارِ رجال کو حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں واصلِ جہنم کر دیا۔[1]

ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاسبانوں کی لازوال داستان:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یمامہ کی تپتی زمین پر مسیلمہ کذاب کے خلاف صف آرا ہوئے۔ اس معرکے کی حساسیت کا یہ عالم تھا کہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک حفاظتی دستہ بھی روانہ فرمایا تاکہ اسلامی لشکر کے عقب کو محفوظ رکھا جا سکے۔ مہاجرین کا علم حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔

جب مخلصین نے ان کی جان کی فکر کرتے ہوئے اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں حاملِ قرآن (قرآن کا سینے میں رکھنے والا) ضائع نہ ہو جائے، تو اس اسیرِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک اہلِ ایمان کے لیے مشعلِ راہ ہے:

"اگر میری وجہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے تو مجھ سے برا حاملِ قرآن کوئی نہ ہوگا!"[2]

نہارِ رجال کا عبرت ناک انجام:

مسیلمہ کذاب کا دستِ راست "نہارِ رجال" تھا، وہ بدبخت جس نے نبوت میں

---

[1] -البدایہ والنہایہ، ج6، ص335۔

[2] -البدایہ والنہایہ، ج6، ص335۔

شرکت کا جھوٹا پروپیگنڈا کر رکھا تھا۔ وہ تکبر میں ڈوبا ہوا میدان میں نکلا اور للکارا:

"ھل من مبارز؟" (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟)۔

اس کے جواب میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ صاعقہ بن کر گرے اور ایک ہی ضرب میں اسے واصلِ جہنم کر کے باطل کا غرور خاک میں ملا دیا۔[1]

آزمائش کی گھڑی اور جاں نثاروں کی تڑپ:

جنگ کی ہولناکی اتنی شدید تھی کہ مسلمانوں کو اپنی تاریخ میں پہلی بار اتنے سخت مقابلے کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے پر حملہ کر دیا۔ مگر قربان جائیے ان فدائیانِ ختمِ نبوت پر! جنہوں نے ایک دوسرے کو پکارا اور ثابت قدمی کا وہ مظاہرہ کیا کہ زمین لرز اٹھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پانسہ پلٹ دیا اور دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب صورتحال کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ مہاجرین، انصار اور اہل بادیہ کے دستوں نے دادِ شجاعت دی تھی، مگر اس معرکے میں اسلام کے وہ درخشندہ ستارے حضرت زید بن خطاب، حضرت سالم اور حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہم جامِ شہادت نوش کر کے اپنے محبوب ﷺ سے جا ملے تھے۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان قربانیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے بڑے سے بڑے جرنیل اور حاملینِ قرآن کا لہو بھی بہہ جائے تو یہ سودا سستا ہے۔

---

[1] -تاریخ الطبری، ج3، ص285۔

[2] -الکامل فی التاریخ، ج2، ص223۔

حدیقۃ الموت: حق و باطل کا آخری معرکہ:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی بصیرتِ عسکری سے دشمن کی جمعیت کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ مسیلمہ کذاب ملعون اپنے خاص جاں نثاروں کے حصار میں جم کر کھڑا ہے، اور جب تک یہ حصار نہیں ٹوٹتا، باطل کی یہ جمعیت منتشر نہیں ہوگی۔

چنانچہ "سیف اللہ" نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اپنے جاں نثار دستے کے ساتھ مسیلمہ کے مرکز پر صاعقہ بن کر گرے۔ اب میدانِ کارزار کا نقشہ یہ تھا کہ دشمن کا جو سپاہی آگے بڑھتا، وہ خاک و خون میں تڑپتا نظر آتا۔ مسیلمہ کذاب پر خوف و اضطراب کی ایسی کیفیت طاری تھی کہ وہ مقابلے کے لیے قدم بڑھاتا اور پھر ہیبتِ اسلامی سے پیچھے ہٹ جاتا۔ بالآخر اسے راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔[1]

مسیلمہ کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کر ایک وسیع و عریض باغ میں قلعہ بند ہو گئے، جسے "حدیقۃ الرحمٰن" کہا جاتا تھا۔

محکم بن الطفیل نے بنو حنیفہ کو پکارا: "باغ میں پناہ لو!"

اسلامی لشکر نے اس باغ کا سخت محاصرہ کر لیا، مگر بلند و بالا دیواروں اور بند دروازوں کی وجہ سے اندر داخل ہونا ناممکن نظر آ رہا تھا۔[2]

اس کٹھن موڑ پر اسیرِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے وہ تڑپ دکھائی جو صرف سچے عاشقوں کا حصہ ہے۔ انہوں نے مجاہدین سے مطالبہ کیا: "مجھے ڈھال پر بٹھا کر نیزوں کے سہارے دیوار کے اوپر پھینک دو!"

پہلے تو مجاہدین ہچکچائے، مگر ان کے اصرار پر انہیں دیوارِ باغ پر پہنچا دیا گیا۔ وہ تنہا

---

[1] - البدایہ والنہایہ، ج6، ص338۔

[2] - تاریخ الطبری، ج3، ص294۔

دشمن کے جمِ غفیر میں کود پڑے اور تلوار چلاتے ہوئے دروازے تک پہنچ گئے، یہاں تک کہ باغ کا دروازہ کھول دیا۔ [1]

مسیلمہ کذاب کا انجام:

مسلمانوں کا سیلاب باغ کے اندر داخل ہوا تو ایک ایسی جنگ شروع ہوئی جس نے زمین کو مقتولین کے خون سے رنگین کر دیا۔ اسی ہولناک معرکے میں مسیلمہ کذاب ملعون کا سامنا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ انہوں نے اپنا وہی نیزہ جو غزوہ احد میں استعمال ہوا تھا، پوری قوت سے مسیلمہ کی طرف پھینکا جو اس کے پار ہو گیا، اور یوں وہ کذاب ہمیشہ کے لیے واصلِ جہنم ہوا۔ اس باغ میں اتنی کثرت سے مقتولین گرے کہ تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ کے لیے "حدیقۃ الموت" (موت کا باغ) پڑ گیا۔ [2]

باطل کا سر کچل دیا گیا اور بنو حنیفہ کے بچے کھچے لوگ پسپا ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

جب معرکہِ یمامہ کے گرد و غبار سے فتح و نصرت کی نوید برآمد ہوئی، تو سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے مارے جانے کی خوشخبری ملی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے بنو حنیفہ کے قیدی "مجاعہ" کو ساتھ لیا تاکہ مقتولین میں اس کذاب کی شناخت کی جا سکے۔ دورانِ تلاشی ایک نہایت وجیہہ اور خوبصورت شخص کی لاش ملی، جس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: "کیا تمہارا جھوٹا نبی یہی ہے؟"

مجاعہ نے جواب دیا: "نہیں! بخدا! یہ تو اس کذاب سے کہیں بہتر اور معزز شخص محکم الیمامہ ہے"۔

---

[1] -الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 1، ص 155۔

[2] صحیح بخاری، حدیث نمبر: 4072۔

بارہ سو شہدائے یمامہ: ناموسِ رسالت ﷺ کے انمول موتی:

مؤرخِ اسلام علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق، اس ہولناک معرکے میں مسیلمہ کے دس ہزار سے زائد پیروکار واصلِ جہنم ہوئے، جبکہ دوسری طرف بارہ سو (1200) مسلمان مجاہدین نے ناموسِ رسالت ﷺ اور تحفظِ ختمِ نبوت کی خاطر جامِ شہادت نوش فرمایا۔[1]

ان شہداء میں کبار صحابہ، بدری مجاہدین اور سینکڑوں ایسے حفاظِ قرآن رضی اللہ عنہم شامل تھے جنہوں نے اپنے لہو سے "ختمِ نبوت" کے عقیدے کی آبیاری کی۔ ان مٹھی بھر جاں نثاروں نے ثابت کر دیا کہ آقا ﷺ کی عزت و حرمت پر اگر بارہ سو جری جوانوں اور قراءِ قرآن کی جانیں بھی نچھاور ہو جائیں، تو یہ سودا عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں بیحد سستا اور منافع بخش ہے۔

معرکہِ یمامہ: ناموسِ رسالت ﷺ کے پاسبانوں کی عظیم قربانی:

فتنہِ ارتداد کے خلاف لڑی جانے والی تمام جنگوں میں معرکہِ یمامہ اپنی ہولنا کی اور اہمیت کے اعتبار سے عظیم ترین تھا۔ مسیلمہ کذاب ملعون کے ساتھ چالیس سے ساٹھ ہزار کا وہ لشکر تھا جو اپنے باطل پیشوا پر پروانہ وار جان دینے کے لیے تیار تھا۔[2]

حالات اس قدر نازک تھے کہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان اکابر مہاجرین و انصار اور حفاظِ قرآن کو بھی محاذِ جنگ پر روانہ فرما دیا جنہیں وہ عام حالات میں مدینہ منورہ سے جدا کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کو جانی طور پر شدید نقصان پہنچا اور اکابر صحابہ

---

[1] - تاریخ الطبری، ج3، ص 297۔

[2] - البدایہ والنہایہ، ج6، ص 339۔

سمیت ۱۲۰۰ نفوسِ قدسیہ جامِ شہادت نوش کر گئے، مگر یہ اسلام کے سب سے بڑے حریف پر وہ فیصلہ کن فتح تھی جس نے جزیرۃ العرب میں دینِ متین کے قدم ہمیشہ کے لیے جما دیے۔ جب اسلامی فوج فتح وظفر کا پرچم لہراتی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی، تو فضا "مرحبا" اور "حمد وصلوٰۃ" کے نغموں سے گونج اٹھی۔ شہداء کی جدائی کا رنج فطری تھا، مگر نصرتِ خداوندی کے شکرانے نے رنج وغم کی ان صداؤں کو دبا دیا تھا۔

غیرتِ صدیقی اور مرتدین کا انجام:

امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس فتح پر بیحد خوش تھے، مگر ۱۲۰۰ صحابہ اور حفاظِ قرآن رضی اللہ عنہم کی شہادت کا ملال بھی ان کے قلبِ اطہر پر نمایاں تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسیلمہ کذاب کے دس ہزار پیروکاروں کے واصلِ جہنم ہونے پر کسی ایک مسلمان نے بھی ہمدردی کا اظہار نہ کیا، اور نہ ہی کسی نے یہ کہا کہ وہ "ہمارے بھائی " تھے۔ کیونکہ مرتد اور منکرِ ختمِ نبوت کو "بھائی" کہنا غیرتِ ایمانی کے منافی اور خود اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔[1]

آج بھی جو شخص کسی مرتد یا منکرینِ ختمِ نبوت کی جماعت کے فرد کو "بھائی" کہتا ہے، اسے اپنے ایمان کی فکر اور تجدید کرنی چاہیے، کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان یہ امتیاز وہ بنیاد ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا لہو بہایا ہے۔

خلافتِ صدیقی: رقت وجلال کا بے مثال امتزاج:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت سنبھالتے ہی جب عرب کے مختلف حصوں میں ارتداد اور بغاوت کا ہولناک طوفان اٹھا، تو اس وقت مرکزِ اسلام یعنی مدینہ منورہ کی

[1] -تفسیر ابن کثیر، تحت الآیۃ 111، سورۃ التوبہ۔

حالت کیا تھی؟ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کٹھن لمحات کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی حالت اس بکری کی مانند تھی جو سخت سرد رات میں، بارش میں بھیگی ہوئی تنہا کھڑی ہو!" [1]

اسلام دشمنی اور دینِ محمدی ﷺ کی مخالفت کی آگ کے شعلے شمال میں حدودِ شام سے لے کر جنوب میں بحرِ ہند تک، اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحرِ احمر کے سواحل تک پھیلے ہوئے تھے۔ مگر دنیا نے دیکھا کہ ایک سال سے بھی کم مدت میں، مجاہدینِ اسلام نے قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود شر وفساد کی ان تمام عالمی طاقتوں کو فنا کر دیا اور پورے جزیرۃ العرب کو اسلام کے پرچم تلے لا کھڑا کیا۔

یہ واقعہ تاریخِ عالم کا وہ اہم ترین موڑ ہے جس نے انسانی تہذیب، کلچر اور فکر ونظر میں وہ عظیم الشان انقلاب برپا کیا جس کا داعی اسلام تھا۔ اگر (خدانخواستہ) اسلام اپنے وطن میں دب کر رہ جاتا، تو باہر کی دنیا اس کے نور سے کبھی منور نہ ہو پاتی۔

انقلاب کا ہیرو: رقیق القلب صدیق رضی اللہ عنہ:

اس عظیم انقلاب کے ہیرو وہی امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی رقتِ قلب کا یہ عالم تھا کہ جب مصلّیِ رسول ﷺ پر کھڑے ہوتے تو آنسوؤں کی لڑی بندھ جاتی۔ مگر قربان جایئے! آج وہی رقیق القلب انسان وقت کی ضرورت پڑنے پر "خون کی روشنائی" سے اسلام کی عظمت وحقانیت کی دستاویز مرتب کر رہا ہے۔ شدت ورقت اور قہر و مہر کا یہ لطیف امتزاج صرف اسی ہستی کا خاصہ ہو سکتا ہے جس کی سیاست، سرتاپا "سیاستِ

[1] -البدایہ والنہایہ، ج6، ص304۔

محمدی ﷺ" کا عکس جمیل تھی۔

خلاصہ:

معرکہِ یمامہ اور فتنہِ ارتداد کی سرکوبی نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کی بقا "**ناموسِ رسالت** ﷺ" اور "**عقیدہِ ختمِ نبوت**" کے تحفظ میں ہے۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی جرات سے یہ واضح کیا کہ حق کے معاملے میں لچک دکھانا ہلاکت ہے، اور دشمنِ رسول ﷺ (مرتد) سے کسی قسم کی رعایت ایمان کے منافی ہے۔

اے محبانِ رسول ﷺ! صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ "سیاستِ ایمانی" ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جب دین پر کڑا وقت آئے تو اپنی رقتِ قلب کو "**جلالِ صدیقی**" میں بدل لو۔ آج بھی اگر کوئی فتنہ ختمِ نبوت پر حملہ آور ہو، تو ہمارا موقف وہی ہونا چاہیے جو یمامہ کے شہداء اور بانی تحفظِ ختمِ نبوت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ **یاد رکھیے!** دین کی عظمت پر سمجھوتہ کرنے والا کبھی "اسیرِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" نہیں کہلا سکتا۔

❁❁❁

عرشِ الٰہی کا ارتعاش:

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور وہ جنازہ جس پر قدسی جھوم اٹھے

"کائنات کے اسیرانِ جمال میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا مقام وہ ہے جہاں پہنچ کر مادی دنیا کے تمام اعزازات ہیچ نظر آتے ہیں۔ یہ وہ عاشقِ صادق ہیں جن کے بارے میں زبانِ نبوت ﷺ نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک ان کی عظمت کا نشان بن گیا۔

غزوہ خندق کے کڑے وقت میں، جب دشمن کے تیروں کی بارش تھی، سعد بن معاذؓ زخمی ہوئے۔ ان کی رگِ اکحل (بازو کی بڑی رگ) کٹ گئی اور خون فوارے کی طرح بہنے لگا۔

اسیرِ جمال کی تڑپ دیکھیے! انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

"اے اللہ! اگر تیرے محبوب ﷺ کی قریش سے ابھی کوئی جنگ باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ، اور اگر جنگ ختم ہو چکی ہے تو اسی زخم کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔" اللہ نے اپنے عاشق کی دعا قبول فرمائی اور زخم سے خون تھم گیا۔

جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، تو مدینہ کی فضاؤں میں ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ رحمتِ عالم ﷺ نے جب یہ خبر سنی تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ ﷺ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جس نے کائنات کو ہلا کر رکھ دیا:

"اهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمَنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ"۔[1]

---

[1] ۔صحیح بخاری: 3803، صحیح مسلم: 2466۔

"سعد بن معاذ کی موت پر رحمان کا عرش لرز اٹھا!"

جنازہ اٹھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران رہ گئے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ تو ایک بھاری بھرکم اور قوی ہیکل جوان تھے، مگر ان کا جنازہ پھول کی طرح ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! سعد کا جنازہ تو بہت ہلکا ہے؟"

آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور وہ راز فاش کیا جو عقلِ انسانی سے بالاتر تھا:

"تمہیں یہ جنازہ ہلکا کیوں نہ لگے؟ اللہ کی قسم! سعد کے جنازے کو زمین والے نہیں، بلکہ ستر ہزار وہ فرشتے کندھا دے رہے ہیں جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔"[1]

جب آپ ﷺ قبرستان پہنچے تو آپ ﷺ کے چلنے کا انداز بدل گیا۔ آپ ﷺ پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

"یارسول اللہ! آپ اس طرح کیوں چل رہے ہیں؟"

فرمایا: "فرشتوں کا اتنا ہجوم ہے کہ مجھے پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں مل رہی۔"

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
محبوب کی گلیوں سے ذرا گھوم کے نکلے

جنت کا وہ رومال جس پر دنیا قربان:

حضور ﷺ کو کسی نے ریشم کا ایک خوبصورت رومال تحفہ دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی نرمی اور خوبصورتی پر حیران ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اسے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو؟ اللہ کی قسم! جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے کہیں زیادہ نرم اور خوبصورت ہیں۔"[2]

---

[1] -سنن النسائی: 2012، المعجم الکبیر للطبرانی: 5323۔

[2] -صحیح بخاری: 3249۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب انسان سچے دل سے "اسیرِ جمال" بن جاتا ہے، تو زمین کی مٹی اسے بوجھ نہیں سمجھتی اور آسمان کے فرشتے اس کے استقبال کے لیے قطاریں بنا لیتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں موت فنا نہیں بلکہ بقا بن جاتی ہے۔ جس کی موت پر خالقِ کائنات کا عرش جھوم اٹھے، اس کی زندگی کی پاکیزگی کا عالم کیا ہوگا؟

❁❁❁

نزع میں بھی پاسبانِ مصطفیٰ ﷺ:

حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ

عشقِ صادق کا تقاضا ہے کہ محب کی نگاہ میں محبوب کی راحت سے بڑھ کر کچھ نہ ہو۔ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ وہ نوعمر جاں نثار ہیں جن کے جذبۂ اطاعت نے خود زبانِ نبوت ﷺ کو حیرت زدہ کر دیا اور جن کی آخری وصیت قیامت تک کے عشاق کے لیے ادب کا نمونہ بن گئی۔

حضرت حسین بن وحوح رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ پہلی بار بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، تو کمالِ عشق میں آپ ﷺ سے چمٹ گئے اور پاؤں مبارک کا بوسہ لے کر عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ جو چاہیں حکم دیں، میں کبھی نافرمانی نہیں کروں گا۔"

آپ ﷺ نے اس نوعمر لڑکے کے جذبے کو آزمانے کے لیے فرمایا: "جاؤ اپنے باپ کو قتل کر دو!" وہ فوراً چل پڑے۔ جب آپ ﷺ نے ان کی سچائی دیکھ لی تو بلا کر فرمایا: "

میں رشتے توڑنے کے لیے نہیں بھیجا گیا!"[1]

کچھ عرصہ بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شدید بیمار ہو گئے۔ سخت سردی کے ایام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور واپسی پر اہل خانہ سے فرمایا کہ ان کی وفات قریب ہے، مجھے اطلاع دینا تا کہ میں جنازہ پڑھا سکوں۔ جب رات ہوئی تو طلحہ رضی اللہ عنہ کی حالت بگڑنے لگی۔ وفات سے قبل اس عاشقِ صادق نے وصیت فرمائی:

مجھے جلد دفن کر دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع نہ دینا، مجھے ڈر ہے کہ میری وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے وقت تشریف لانا پڑے اور راستے میں یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچا دیں"۔[2]

سبحان اللہ! جاں بلب ہیں مگر فکر یہ ہے کہ میری وجہ سے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام میں خلل نہ آئے یا انہیں کوئی خطرہ نہ ہو۔

صبح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرِ انور پر تشریف لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ صفیں بنائیں اور ہاتھ اٹھا کر وہ تاریخی دعا فرمائی جس پر عرش والے بھی وجد میں آ گئے ہوں گے:

"اللَّهُمَّ الْقَ طَلْحَةَ وَأَنْتَ تَضْحَكُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَضْحَكُ إِلَيْكَ"۔

"اے اللہ! طلحہ سے اس حال میں ملنا کہ تو اسے دیکھ کر ہنس رہا ہو اور وہ تجھے دیکھ کر ہنس رہا ہو)"۔[3]

حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ نے ثابت کیا کہ عشق نام ہے محبوب کی تکلیف کو اپنی

---

[1] -المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۳۵۸۶۔

[2] -الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۲، ص ۷۵۸۔

[3] -اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ۳، ص ۸۴۔

جان سے زیادہ سنگین سمجھنے کا۔ ان کی وفات پر خود رحمتِ عالم ﷺ کا دعا فرمانا اس بات کی سند ہے کہ جو محبوب ﷺ کی راحت کا پہرہ دیتا ہے، اللہ اسے اپنی رضا کی مسکراہٹوں سے نوازتا ہے۔

اے اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ! غور کیجیے کہ ایک کم سن صحابی کو نزع کی تکلیف میں بھی یہ فکر تھی کہ حضور ﷺ کو میری وجہ سے زحمت نہ ہو۔ کیا آج ہم اپنی خواہشات اور اپنے اعمال کے ذریعے حضور ﷺ کے قلبِ اطہر کو زحمت تو نہیں پہنچا رہے؟

آیئے! طلحہ رضی اللہ عنہ جیسا ادب پیدا کریں کہ ہماری زندگی کا ہر عمل آقا ﷺ! کے لیے راحت کا باعث بنے، نہ کہ تکلیف کا۔

❁❁❁

سپہرِ مصطفیٰ ﷺ:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ

عشقِ صادق کا تقاضا ہے کہ جب محبوب ﷺ پر آزمائش کی گھڑی آئے تو جاں نثار اپنے چہرے کو ڈھال بنا لیں۔ غزوہ احد کے تپتے میدان میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھ کا نذرانہ پیش کر کے وفا کی وہ داستان رقم کی جس کی گواہی خود خالقِ کائنات نے ان کی آنکھ روشن کر کے دی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ احد کے دن اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے ایک کمان عطا فرمائی جس سے میں نے اس قدر تیر چلائے کہ اس کا کنارہ ٹوٹ گیا، مگر میں اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ میرا چہرہ حضور ﷺ کے چہرے کے سامنے ڈھال بنا ہوا تھا تاکہ کفار کا

کوئی تیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ لگے۔ اسی دوران ایک تیر میری آنکھ میں لگا اور ڈھیلا باہر نکل کر رخسار پر لٹک گیا۔[1]

جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنکھ کاٹنے کا مشورہ دیا تو آپ رضی اللہ عنہ اس کٹی ہوئی آنکھ کو ہاتھ میں لیے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جاں نثار کو اس حال میں دیکھا تو چشمِ مبارک اشکبار ہوگئی اور فرمایا: "اگر تم صبر کرو تو تمہارے لیے جنت ہے، اور اگر چاہو تو میں دعا کر دوں اور یہ ٹھیک ہو جائے"۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! جنت تو مجھے چاہیے ہی، مگر مجھے اپنی اہلیہ سے بیحد محبت ہے، کہیں وہ اس عیب کی وجہ سے مجھ سے نفرت نہ کرے"۔

آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلام کا منشا سمجھ گئے، اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کو واپس اس کے مقام پر رکھا اور یہ دعا فرمائی:

"اللَّهُمَّ كَمَا وَقَى نَبِيَّكَ بِوَجْهِهِ، فَاجْعَلْهَا أَحْسَنَ عَيْنَيْهِ وَأَحَدَّهُمَا نَظَرًا"۔ (اے اللہ! جس طرح قتادہ نے تیرے نبی کے چہرے کی حفاظت کی ہے، تو اس کی اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور تیز نظر بنا دے)۔[2]

معجزۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وہ آنکھ نہ صرف ٹھیک ہوگئی بلکہ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور جاذبِ نظر ہوگئی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ثابت کیا کہ جو چہرہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ڈھال بن جائے، اللہ جل جلالہ اسے کبھی بے نور نہیں ہونے دیتا۔ انہوں نے اپنی بینائی خطرے میں ڈال کر چہرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پہرہ دیا، تو بدلے میں اللہ نے انہیں دنیا میں "**بینائی**" اور آخرت میں "**جنت**" دونوں

---

[1] - الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ج3، ص1274۔

[2] - دلائل النبوة للبيهقي، ج3، ص252 / المعجم الكبير للطبراني۔

عطا فرما دیں۔

اے اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ! غور کیجیے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھ کی پرواہ نہیں کی کیونکہ ان کی نظر میں حضور ﷺ کے چہرے کی سلامتی زیادہ اہم تھی۔ آج دشمنِ اسلام طرح طرح سے آقا ﷺ کی ذات پر حملے کرتے ہیں، کیا ہمارے اندر وہ غیرت موجود ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں اور اپنی ہستی کو ان کے دفاع کے لیے وقف کر دیں؟

آیئے! قتادہ رضی اللہ عنہ جیسا جذبہ پیدا کریں کہ ہماری ہر عزیز شے ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہونے کے لیے تیار رہے۔

❁❁❁

اے سعد!

تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں

عشقِ رسول ﷺ کی تاریخ میں غزوہ احد وہ معرکہ ہے جہاں جاں نثاروں نے اپنی وفاؤں کے ایسے نقوش ثبت کیے جن کی مثال چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس روز جہاں دیگر فدائین نے شجاعت کے جوہر دکھائے، وہیں عشرہ مبشرہ کے جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی ماہرانہ تیر اندازی سے وارفتگیِ رسول ﷺ کا وہ مظاہرہ کیا جو رہتی دنیا تک کے عشاق کے لیے تمغۂِ امتیاز بن گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق حضور ﷺ کے ننھیالی قبیلے "بنی زہرہ" سے تھا، اسی لیے آقا ﷺ آپ کو پیار سے "ماموں" کہہ کر پکارتے تھے اور آپ اس نسبت پر ہمیشہ فخر فرمایا کرتے تھے۔

جب احد کے میدان میں کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اچانک حملہ کیا اور افراتفری کا عالم تھا، اس وقت جن معدودے چند صحابہ نے حصارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم کیا، ان میں مہاجرین کی طرف سے دو نام سرِ فہرست تھے: حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما۔ آپ دونوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں وہ جنگ لڑی کہ باطل کے حوصلے پست کر دیے۔[1]

سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ اس روز حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی کمان سے ایک ہزار کے قریب تیر برسائے گئے۔ آپ کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے ترکش سے تیر نکال نکال کر آپ کو دیتے اور فرماتے: "تیر چلاؤ!"۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اپنے ترکش کے تیر ختم ہو گئے، تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ترکش کے تمام تیر ان کے سامنے بکھیر دیے اور انہیں چلانے کا حکم دیا۔[2]

کائنات کا سب سے عظیم اعزاز:

اللہ اللہ! کسی امتی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ اور جان و مال کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرنے کا عزم نہ کر لے، مگر یہاں معاملہ ہی برعکس ہے۔ کائنات کے امام، جن کے اشارے پر کائنات قربان ہو جائے، وہ اپنے ایک امتی کو پکار کر فرما رہے ہیں:

"یَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ"۔

"اے سعد! تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں"۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت سعد کے علاوہ

---

[1] -صحیح البخاری، حدیث نمبر: 3724۔

[2] -صحیح المسلم، حدیث نمبر: 2412۔

کبھی کسی اور کے لیے اپنے ماں باپ کو ایک ساتھ جمع (فدا) کرتے ہوئے نہیں سنا۔[1]

یہ وہ عظیم ترین شرف ہے جس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہوں گے کہ خالق کے محبوب ﷺ ایک امتی کو اپنی محبت کا یہ انوکھا صلہ عطا فرما رہے ہیں۔

بھائی پر ضرب اور غیرتِ اسیرِ جمال ﷺ:

غزوہ احد کے دوران جب مشرکین کے نرغے نے شدت اختیار کی، تو حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے والوں میں ایک بدبخت عتبہ بن ابی وقاص بھی تھا، جو رشتوں کے اعتبار سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا سگا بھائی تھا۔ اس شقی القلب نے پتھر مار کر آقا ﷺ کے دندانِ مبارک کو زخمی اور لبِ اطہر کو خون آلود کر دیا۔

اپنے محبوب ﷺ کے چہرہِ انور پر خون دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی غیرتِ ایمانی جوش مارنے لگی۔ آپ رضی اللہ عنہ تڑپ کر فرماتے تھے:

"خدا کی قسم! جس قدر میں اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا درپے اور خواہشمند ہوا، کسی اور کے قتل کا اتنا حریص کبھی نہیں ہوا"۔[2]

مگر قدرت کو یہ منظور تھا کہ اس گستاخ کو جہنم رسید کرنے کی سعادت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ تڑپ ثابت کرتی ہے کہ "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کے نزدیک عشق کا رشتہ خون کے رشتے سے کہیں بلند و برتر ہے۔

❀❀❀

---

[1] -سنن الترمذی، حدیث نمبر: 3753۔

[2] -الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج2، ص607۔

پیکرِ شجاعت وفداکاری:

حضرت امّ عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا

عام قاعدے اور ضابطے کے مطابق، خواتینِ اسلام عملی جہاد و قتال میں براہِ راست شریک نہیں ہوا کرتی تھیں۔ میدانِ جنگ میں ان کی حاضری کا مقصد عموماً زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور پیاسوں کو پانی پلانا ہوتا تھا۔ مگر تاریخِ عشق میں معدودے چند ایسے واقعات بھی ہیں جہاں صنفِ نازک نے سرفروشی اور جاں نثاری کے وہ نمونے پیش کیے کہ بڑے بڑے شہسوار دنگ رہ گئے۔ بلاشبہ حضرت امّ عمارہ رضی اللہ عنہا ان جاں نثار خواتین کی سرخیل کہلائے جانے کے لائق ہیں۔

خاتونِ احد: ایک جری محافظہ:

تاریخِ سیرت میں آپ رضی اللہ عنہا کو "خاتونِ احد" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ غزوہ احد کے اس کٹھن دن، جب مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے اور میدان میں ابتری پھیلی، تو آپ رضی اللہ عنہا زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت میں مصروف تھیں۔ مگر جوں ہی آپ کی نگاہ اس منظر پر پڑی کہ آقا و مولا، تاجدارِ کائنات ﷺ دشمن کے نرغے میں گھر چکے ہیں، تو عشقِ رسول ﷺ نے آپ کو بے قرار کر دیا۔ آپ نے فوراً پانی کا مشکیزہ پھینکا اور تیر و تلوار سے لیس ہو کر پروانہ وار آپ ﷺ کے دفاع کے لیے پہنچ گئیں۔ چونکہ آپ کی آمد قتال کی غرض سے نہ تھی، اس لیے آپ ڈھال سے تہی دست تھیں، مگر آپ کے ایمان کا جذبہ ہی آپ کی سب سے بڑی ڈھال بن گیا۔[1]

میدانِ احد میں جب کفار نے چہار سو سے حملے تیز کیے، تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا حضور

[1] - اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج 7، ص 248۔

ﷺ کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کبھی تیر چلاتی تھیں اور کبھی تلوار سے دشمن کو پیچھے دھکیلتی تھیں۔ آپ ﷺ نے خود ان کی اس جرات کا مشاہدہ فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈھال نہ تھی، جب حضور ﷺ نے کسی شخص کو ڈھال لیے ہوئے بھاگتے دیکھا تو فرمایا: "اپنی ڈھال اس لڑنے والی (ام عمارہ) کو دے دو!"[1]

آپ نے وہ ڈھال لی اور پھر اس جوانمردی سے لڑیں کہ دشمن کو آقا ﷺ کے قریب نہ آنے دیا۔ اس معرکے میں آپ کے جسم پر زخموں کے اتنے نشانات تھے کہ جن کی گنتی کرنا مشکل تھا، مگر زبان پر صرف محبوب ﷺ کی سلامتی کی دعا تھی۔

آنحضرت ﷺ نے جب اپنی اس جاں نثار بیٹی کو ڈھال کے بغیر دشمن کے سامنے سینہ سپر دیکھا، تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی ڈھال امّ عمارہ کو دے دیں۔ ڈھال کا ملنا تھا کہ آپ کی بہادری اور دلیری کو گویا پر لگ گئے۔ اس نازک موڑ پر، جب بڑے بڑے شہسواروں کے قدم ڈگمگا رہے تھے، امّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے نہ صرف آپ ﷺ کی طرف بڑھتے ہوئے ہر حملے کو روکا، بلکہ شمشیر زنی کا وہ حق ادا کیا کہ تاریخ دنگ رہ گئی۔

عرب کا مشہور پہلوان اور بدبخت ابنِ قمیئہ، حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) شہید کرنے کی نیت سے غراتا ہوا آگے بڑھا اور آپ ﷺ پر تلوار کا وار کیا، جس سے خود کی دو کڑیاں چہرہِ انور میں دھنس گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ بدبخت دوسرا وار کرتا، امّ عمارہ رضی اللہ عنہا بجلی کی طرح تڑپ کر سامنے آ گئیں اور اس پر پے در پے تلوار سے وار شروع کر دیے۔ ابنِ قمیئہ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، اس لیے وہ بچ گیا، لیکن جواباً اس نے امّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر ایسا زوردار وار کیا کہ گہرا زخم ہوا اور وہاں ایک گڑھا پڑ گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ

---

[1] - السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ج2، ص81۔

احد کے معرکے میں آپ کے بدن پر بارہ یا تیرہ گہرے زخم آئے تھے۔[1]

آپ کی اسی بے مثال جانفروشی کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اُحد کے دن میں دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا، امّ عمارہ کو اپنے دفاع میں لڑتے ہوئے پاتا!"۔[2]

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی گواہی دی کہ احد کے دن امّ عمارہ نے فلاں فلاں (بہادروں) سے بڑھ کر شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

جنگ کے اختتام پر، جب زخموں سے چور یہ اسیرِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں، تو دنیا کی کسی راحت کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ تڑپ کر عرض کی:

"یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ جنت میں مجھے اور میرے خاندان کو آپ کی رفاقت نصیب ہو جائے! رحمتِ عالم ﷺ نے ہاتھ اٹھا دیے اور دعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِي فِي الْجَنَّةِ"۔[3]

"اے اللہ! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے"۔

یہ نویدِ جاں فزا سن کر امّ عمارہ رضی اللہ عنہا خوشی سے نہال ہو گئیں اور پکار اٹھیں:

"اب دنیا میں کوئی بھی مصیبت آئے، مجھے ذرہ برابر پروا نہیں!"۔

واقعی، جس کو اس فانی زندگی میں ہی محبوب ﷺ کے ابدی ساتھ کی ضمانت مل جائے، اس کے لیے دنیا کے مصائب ہیچ ہو جاتے ہیں۔ ❁❁❁

---

[1] - البداية والنهاية لابن كثير، ج 4، ص 34۔

[2] - الطبقات الكبرى لابن سعد، ج 8، ص 412۔

[3] - اسد الغابة في معرفة الصحابة، ج 7، ص 249۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:

غزوۂ احد کے "زندہ شہید" اور محافظِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جنگ کے نازک اور کٹھن لمحات میں بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی ہمت و طاقت سے کئی گنا بڑھ کر محیر العقول سرفروشی کا مظاہرہ کی، مگر اللہ جل جلالہ کے ایک بندے نے جانثاری اور فداکاری کا وہ نادرۂ روزگار نمونہ پیش کیا کہ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

وہ کوئی اور نہیں بلکہ سابقون الاولون اور عشرۂ مبشرۃ میں سے ایک حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمارۃ بن زیاد بن سکن (یا زیاد بن سکن) رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہیں مشرکین مکہ کی پہلی یورش کے دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوانب میں صرف نو (یا باختلاف روایت گیارہ بارہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ندا لگائی کہ کون ہے جو ان کو ہم سے دفع کرے اس کے لیے جنت ہے (یا یہ کہ) اور وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا؟ اس پر انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک ایک کر کے لبیک کہنے اور جامِ شہادت نوش کرنے سے ماقبل ہر بار حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کناں ہوئے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں!، لیکن ہر بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! تم نہیں! کوئی اور۔ جب حضرت عمارۃ بن زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بھی زخموں سے چُور ہو کر گر پڑے، تب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے سات (یا گیارہ) انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے بقدر تنہا مقابلہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ جارحیت اور دفاع کا مرقع بن گئے تھے۔

جب کفار حملے کے لیے قریب آنے لگتے تو آپ رضی اللہ عنہ اکیلے آگے بڑھ کر لڑائی لڑتے اور انھیں تتر بتر کر دیتے۔ پھر واپس لوٹتے اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پشت پر سہارا دے کر الٹے قدموں محفوظ مقام کی طرف چل پڑتے۔ یہ آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کا

عمل کئی دفعہ دہرایا گیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جانثاری دیوانگی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ تیروں اور تلواروں کو اپنے ہاتھوں پر لے رہے تھے جس کے باعث ایک ہاتھ مکمل ناکارہ ہو گیا اور کچھ انگلیاں بھی ہمیشہ کے لیے قربان ہو گئیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا وہ بالکل شل تھا، انھوں نے جنگِ احد میں اسی ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا تھا۔ اعداء اللہ میں سے کسی نے تلوار سے وار کیا جو ہاتھ پر پڑا تو درد کی شدت سے آپ رضی اللہ عنہ کی زبان سے "حس حس" (سی سی) کی آواز نکلی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم حس حس کی بجائے بسم اللہ کہتے تو فرشتے تجھے اٹھا کر لے جاتے اور لوگ دیکھ رہے ہوتے۔" دوسری روایت کے الفاظ میں ہے کہ "تو جنت میں بنا ہوا اپنا گھر یہاں دنیا میں رہتے ہوئے دیکھ لیتے"۔

جنگ کے اختتام پر جب زخموں کا شمار کیا گیا تو ایک روایت کے مطابق پینتیس یا انتالیس گہرے گھاؤ تھے۔ مگر دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کرتی ہیں کہ: "احد کے دن جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے زخم شمار کیے گئے تو وہ ستر سے زائد تھے۔

افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میدان کارزار کا پورا نقشہ کھینچتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "جب جنگ کا پانسہ پلٹا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سب سے پہلے میں لوٹ کر آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں جی جان سے لڑ رہا ہے، میں نے کہا کہ ہو نہ ہو یہ طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اتنی دیر میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بے ہوش پایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی خبر لو، اس نے جنت واجب کر لی۔

ہم نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا چہرہ خون آلود ہے، خود کی کڑیاں رخِ انور میں دھنسی ہوئی ہیں۔ میں نے انھیں نکالنا چاہا، لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ربِ ذوالجلال کا واسطہ دے کر اس سعادت کو اپنے نام کر لیا اور ہاتھوں کے بجائے دانتوں کا سہارا لیا جس کی بنا پر ان کے دو دانت شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پھر طلحہ رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ کیا۔ ہم اُدھر گئے تو ان کے جسم پر ستر سے زائد زخم پائے۔

ان کی مرہم پٹی کی گئی اور منہ پر پانی چھڑکا گیا تو ہوش میں آتے ہی پہلا سوال کیا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟" ہم نے بتایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیریت و عافیت ہیں تو جواباً کہا "الحمدللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت بے حقیقت ہے"۔ اسی لیے یارِ غار و مزار ابوبکر رضی اللہ عنہ جب بھی غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو فرماتے:

"كان ذلك اليوم كله لطلحة"

یہ دن (جنگ) سارا کا سارا طلحہ کے لیے تھا

مطلب غزوۂ احد میں نبئ اخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا اصل بیڑا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں "صاحب احد" کے لقب سے پکارتے تھے۔

اسی پر بس نہیں ہوئی، بلکہ احد پہاڑ کی طرف عقب نشینی کرتے ہوئے جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو عامر فاسق یہودی کے بنائے گئے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر گئے، جو اس بدباطن نے مسلمانوں کو زِک پہنچانے کے لیے ہی کھدوائے تھے، تو دوہری آہنی زرہوں کے بوجھ اور زخمی حالت کے بسبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھنے اور نکلنے میں دشواری ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ تھاما اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کمر کے گرد باز و حمائل کر کے اوپر اٹھایا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر کھڑے ہو سکے۔

جنت کے واجب ہونے کی بشارت:

افضل البشر و افضل الخلائق، امام الانبیاء ﷺ نے دوسری بار حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنت کے وجوب کا پروانہ دیا۔ اسی طرح جب احد پہاڑ کے قریب پہنچ کر بلند عمودی چٹان پر چڑھنے کا مرحلہ درپیش آیا تو بھاری زرہیں اور زخموں کی وجہ سے ضعف و نقاہت چڑھائی چڑھنے میں مانع ثابت ہوئیں۔ چنانچہ جاںنثارِ بارگاہ رسالت ﷺ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بجا آوریٔ خدمت کے لیے ایک بار پھر پیش پیش ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے جھک کر بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے ان کی پشت پر قدم مبارک رکھا اور چٹان چڑھ گئے۔

بعدازاں تیسری دفعہ فرمایا (ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں):

اَوْجَبَ طَلْحَۃُ!

"طلحہ نے (اپنے لیے) جنت واجب کرلی"۔

معلوم ہوتا ہے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس حیثیت سے یکتا ہیں کہ انھیں ایک ہی موقع پر سہ بارگی جنت کی بشارت سے نوازا گیا۔ نیز اس جذبۂ عشق و مستی پر خاتم الانبیاء والرسل ﷺ سے متعدد اقوال منقول ہیں کہ:

"آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص زمین پر چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا چاہے، وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے"۔

محبوب کل جہاں ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"جس نے دنیا میں چلتے پھرتے جنتی کو دیکھنا ہو، وہ طلحہ کو دیکھ لے"۔

فرمان مصطفی ﷺ ہے:

"طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جو قربانی کا حق ادا کر چکے ہیں"۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی فیاضی اور سخاوت مشہور و معروف تھی۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں وافر حصہ رہتا تھا۔ خاص غزوۂ احد کے موقع پر بیش بہا انفاق فی سبیل اللہ کرنے پر پردربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے "طَلْحَةُ الْخَيْر" کا خطاب عنایت ہوا۔[1]

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ سچی کامیابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات میں فنا ہوجانے کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے خون سے یہ پیغام لکھا کہ جب تک ایمان کا مرکز و محور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے، تب تک مسلمان نا قابلِ شکست ہے۔ نجات کا راستہ وہی ہے جس پر "صاحبِ احد" چلے، یعنی اپنی ہر عزیز شے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا پر قربان کردینا۔

❁❁❁

جب ممتا پر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غالب آگیا:
ایک عظیم صحابیہ رضی اللہ عنہا کا ایثار

تاریخِ انسانی کے ماتھے کا جھومر وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنھوں نے اپنی محبتوں کا محور صرف اور صرف ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنا لیا۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محض ایک جذباتی کیفیت کا نام نہیں، بلکہ یہ وہ قوتِ قاہرہ ہے جو انسان کے رگ و پے میں سما جائے تو اطاعت و اتباع کے ایسے چشمے پھوٹتے ہیں جن سے جہاں بانی اور جہاں بینی کے اسرار خود بخود وا ہو جاتے ہیں۔ صحابہ و صحابیاتِ کرام رضی اللہ عنہن کی زندگیوں میں اس عشقِ کامل کے ایسے نقوش

---

[1]۔ حیاۃ الصحابہ (مولانا یوسف کاندھلوی): سیرتُ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (مولانا ادریس کاندھلوی): غزوۂ احد کے باب میں ان تمام جزئیات کا ذکر ہے

ملتے ہیں کہ عقلِ انسانی آج بھی حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔

مدینہ منورہ کی فضاؤں میں جب جہاد کی پکار گونجی، تو ہر گھر شوقِ شہادت سے لبریز ہو گیا۔ ہر آنکھ میں اشکِ شوق تھے اور ہر دل میں کفر کے ایوانوں کو لرزانے کا جذبہ۔ انہی گلیوں میں ایک ایسا گھر بھی تھا جہاں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا زار و قطار رو رہی تھیں۔ ان کے سر کا سائیباں (شوہر) پہلے ہی راہِ خدا میں قربان ہو چکا تھا اور گھر میں کوئی مرد باقی نہ تھا جسے وہ اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے محبوبِ خدا ﷺ کی رکاب میں روانہ کرتیں۔

یہ آنسو کسی خوف یا بزدلی کے نہ تھے، بلکہ یہ اس کسک کے تھے کہ "کاش! میرے پاس بھی کوئی جان ہوتی جسے میں حضور ﷺ کے قدموں میں نثار کر سکتی۔"

جب تڑپ حد سے بڑھی، تو اس عظیم ماں نے اپنے لختِ جگر، اپنے معصوم شیر خوار کو سینے سے لگایا اور مسجدِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو گئیں۔ معصوم بچے کو رحمتِ عالم ﷺ کی گود میں ڈال کر عرض گزار ہوئیں:

"یا رسول اللہ ﷺ! میرے اس لختِ جگر کو جہاد کے لیے قبول فرما لیجیے!"

حضورِ اکرم ﷺ نے کمالِ شفقت سے اس معصوم کی طرف دیکھا اور حیرت سے دریافت فرمایا:

"اے اللہ کی بندی! یہ ننھا بچہ جہاد کے کٹھن مراحل کیسے طے کرے گا؟"

اس صحابیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، مگر لہجے میں چٹان جیسا عزم تھا۔ انہوں نے عرض کی:

"آقا! میں جانتی ہوں میرا بچہ تلوار نہیں اٹھا سکتا، مگر میرے گھر میں اب یہی ایک سرمایہ باقی ہے۔ آپ ﷺ اسے کسی ایسے مجاہد کے حوالے کر دیں جس کے پاس ڈھال نہ ہو۔ جب کفار تیروں کی بارش کریں، تو وہ مجاہد میرے بچے کو اپنے آگے کر لے۔ میرا بیٹا

آپ ﷺ کے سپاہیوں کے لیے جسمانی ڈھال بن جائے گا اور ان کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے سینے پر روک لے گا۔"[1]

نجات کا واحد رستہ:

سبحان اللہ! کائنات کی تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جہاں ایک ماں اپنی اولاد کو ڈھال بنا کر پیش کر دے تا کہ منشائے رسول ﷺ پورا ہو سکے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا کا امام اور آخرت کا سرخرو بنایا۔

آج کی امتِ مسلمہ کے لیے اس واقعے میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ کامیابی نہ اسلحے کی کثرت میں ہے، نہ مال و زر کے انبار میں؛ بلکہ کامیابی اس بے مثال عشق اور غیر مشروط اتباع میں ہے جہاں انسان اپنی عزیز ترین متاع کو بھی حضور ﷺ کے ایک اشارے پر قربان کر دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنا ہی وہ واحد صراطِ مستقیم ہے جو ہمیں ذلت کی پستیوں سے نکال کر عظمت کی بلندیوں تک پہنچا سکتا ہے۔

❀❀❀

[1] -حیاۃ الصحابہ (مولانا یوسف کاندھلوی)، مدارج النبوۃ۔

سیدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کی زندگی کا یہ درخشندہ پہلو عشقِ رسول ﷺ کی اس معراج کو ظاہر کرتا ہے جہاں مٹ جانے والا تو مٹ جاتا ہے مگر محبت کا علم سرنگوں نہیں ہونے دیتا۔ ذیل میں اس واقعے کو فصیح و بلیغ اور سلیس پیرائے میں پیش کیا گیا ہے:

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ:

عشقِ رسول ﷺ کا لازوال شاہکار

تاریخِ اسلام کے اوراق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری اور والہانہ محبت کی داستانوں سے روشن ہیں۔ غزوۂ احد کے کٹھن معرکے میں جب شمعِ رسالت ﷺ کے پروانے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے، تب حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے وفاداری کی وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک عشاق کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

میدانِ کارزار میں سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اس حال میں پائے گئے کہ ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی تھا۔ بارہ نیزے ان کے جسم کے آر پار ہو چکے تھے اور تلوار و تیر کے ستر سے زائد گھاؤ ان کی حق پرستی کی گواہی دے رہے تھے۔ جب حضورِ اکرم ﷺ کی ایما پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انہیں تلاش کرتے ہوئے مقتولین کے درمیان پہنچے، تو زندگی کی آخری سانسیں لیتے اس مردِ مجاہد کی زبان پر پہلا ذکر اپنے محبوب ﷺ ہی کا تھا۔

میدانِ کارزار میں سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اس حال میں پائے گئے کہ ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی تھا۔ بارہ نیزے ان کے جسم کے آر پار ہو چکے تھے اور تلوار و تیر کے ستر سے زائد گھاؤ ان کی حق پرستی کی گواہی دے رہے تھے۔ جب حضورِ اکرم ﷺ کی ایما پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انہیں تلاش کرتے ہوئے مقتولین کے درمیان پہنچے، تو زندگی کی آخری سانسیں لیتے اس مردِ مجاہد کی زبان پر پہلا ذکر اپنے محبوب ﷺ ہی کا تھا۔

جاں کنی کے اس عالم میں، جب انسان کو اپنی جان کی فکر ہوتی ہے، حضرت سعد

رضی اللہ عنہ نے کمالِ فصاحت سے کام لیتے ہوئے رہتی امت کو ایک پیغامِ حق دیا:

"بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں میرا اسلام پیش کرنا اور عرض کرنا کہ میں نے وفائے عہد کا حق ادا کر دیا ہے۔ نیز میری قوم (انصار اور پوری امت) کو یہ پیغام دے دینا کہ اگر دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا اور تم میں سے ایک آنکھ بھی جھپکنے والی (زندہ) باقی رہی، تو بارگاہِ الٰہی میں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔"[1]

یہ محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ان کی اپنی جانوں، مال و دولت، اولاد اور والدین سے کہیں زیادہ عزیز تھی۔ ان کا جینا اور مرنا صرف اور صرف محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے لیے تھا۔

❁❁❁

---

[1] - مالک بن انس، موطا، 2: 465 - 2466۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، 2: 3590۔ ابن عبد البر، التمهيد، 24: 494۔ ابن سعد، الطبقات الكبري، 3: 5524۔ زرقاني، شرح علي موطا، 3: 59

حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شوقِ شہادت کی ایک ایسی لازوال داستان ہے جو رہتی دنیا تک نوجوانانِ اسلام کے لیے مشعلِ راہ رہے گی۔ اس پُرکشش واقعے کو ملاحظہ فرمائیں:

شوقِ شہادت کا کم سن مسافر:

داستانِ حضرت عُمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

یہ سنہ ۲ ہجری کا ذکر ہے، جب حق و باطل کا پہلا باضابطہ معرکہ "غزوۂ بدر" بپا ہونے کو تھا۔ مدینے کے جاں نثار اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارۂ ابرو پر سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھے۔ مجاہدینِ اسلام کی صف بندی ہو رہی تھی کہ اچانک ایک کم سن نوجوان، لشکر کی آخری صفوں میں دبکتا اور چھپتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اس کا چھوٹا قد اور کم عمری اسے اس عظیم سعادت سے محروم نہ کر دے۔

جب کائنات کے والی، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوں کا معائنہ فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوہر شناس نگاہوں نے اس معصوم مجاہد کو دیکھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ شفقت سے فرمایا:

"بیٹا! ابھی تمہاری عمر لڑنے کی نہیں ہے، اس لیے تم واپس چلے جاؤ۔"

حکمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے ہی اس نوجوان کے دل پر بجلی گر پڑی۔ وہ جذبہ جو سینے میں موجزن تھا، آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ نکلا۔ وہ بچہ جسے کھیل کود کی عمر میں موت سے ڈرنا چاہیے تھا، وہ جہاد سے واپسی کے حکم پر زار و قطار رونے لگا۔ اس نے لرزتی آواز میں التجا کی:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں، میں جنگ میں شریک ہونے کی اجازت کا طلب گار ہوں۔ شاید میرا لہو اللہ کی راہ میں کام آ جائے اور میں سرخرو ہو جاؤں۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس ننھے مجاہد کی تڑپ، اخلاص اور ایمان کا یہ عالم

دیکھا تو نبوت کی آغوشِ محبت وا ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نہ صرف جنگ میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی، بلکہ اپنے دستِ مبارک سے اسے تلوار بھی عطا کی۔

تاریخِ اسلام اس عظیم سپوت کو حضرت عُمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ وہی خوش نصیب نوجوان تھے جو فاتحِ ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔

جنگ کا طبل بجا تو جہاں بڑے بڑے سورما تھرا اٹھے، وہاں سولہ سالہ عمیر رضی اللہ عنہ چیتے کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے ناتواں ہاتھوں میں موجود تلوار کفر کی صفوں کو چیرتی چلی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے شجاعت کی وہ مثالیں قائم کیں کہ بڑے بڑے جنگجو دنگ رہ گئے۔

بالآخر، دادِ شجاعت دیتے ہوئے، وہ لمحہ آ پہنچا جس کی تڑپ انہیں مدینے سے بدر تک لائی تھی۔ فقط ۱۶ سال کی عمر میں حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جامِ شہادت نوش کر کے تاریخِ عزیمت کا وہ درخشندہ ستارہ بن گئے جس کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑے گی۔[1]

خوشا نصیب! وہ لہو جو خدا کی راہ میں بہا، اور وہ جوانی جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں نثار ہوگئی۔

❀❀❀

---

[1] - الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر): جلد ۳، صفحہ ۱۲۱۴، ترجمہ نمبر ۱۹۸۱۔ اسد الغابہ (ابن الاثیر): جلد ۴، صفحہ ۱۴۸، تذکرہ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جاں نثاری کے جذبوں سے لبریز یہ تذکرہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس غیر متزلزل ایمان کی گواہی دیتا ہے جہاں جان کی قیمت محبوب کے اشارے سے کم تر ہو جاتی ہے۔ اسے ذیل میں پیش کیا گیا ہے:

بیعتِ جاں نثاری:

عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "موت" پر سودا

تاریخِ انسانی نے بڑے بڑے وفادار دیکھے، مگر جو وارفتگی اور سپردگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حصے میں آئی، اس کی مثال آسمان کے تلے کہیں نہیں ملتی۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جنہوں نے اپنی سانسوں کی مالا حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں بچھانے کا عہد کر رکھا تھا۔

غزوۂ خیبر یا صلحِ حدیبیہ کے مواقع پر جب کفر و اسلام کے درمیان معرکہ آرائی کا وقت آیا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جاں نثاری کے وہ باب رقم کیے جو قیامت تک ایمان والوں کے لہو کو گرماتے رہیں گے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت ہوا اور ایک درخت کے سائے میں جا بیٹھا۔ جب مجمع کم ہوا تو مخدومِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مجھ پر پڑی اور کمالِ شفقت سے فرمایا: "اے ابنِ اکوع! کیا تم بیعت نہیں ہوتے؟"

میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تو بیعت ہو چکا ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "پھر بھی (دوبارہ ہو جاؤ)۔"

چنانچہ میں نے دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر عہدِ وفا باندھا۔"

جب راوی نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ (جن کی کنیت ابو مسلم تھی) سے سوال کیا کہ: "اے ابو مسلم! آپ لوگ اس دن کس چیز پر بیعت ہو رہے تھے؟" تو انہوں نے بڑے پر جلال اور پر سکون لہجے میں جواب دیا:

"**موت پر!**" (یعنی ہم نے عہد کیا تھا کہ جب تک دم میں دم ہے، پیٹھ نہیں پھیریں گے، چاہے جان چلی جائے)۔[1]

محبت کا ایک رنگ وہ تھا جو میدانِ جنگ میں نظر آیا اور دوسرا رنگ وہ تھا جو اتباعِ سنت اور انفرادیتِ مصطفیٰ ﷺ کی علامت بن گیا۔ واقعہ حرہ (جو یزیدی لشکر کے مدینہ پر حملے کے وقت پیش آیا) کے پُرفتن ایام میں ایک شخص حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا:

"ابنِ حنظلہ لوگوں سے "**موت پر بیعت**" لے رہے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ، جو خود صحابیِ رسول ﷺ تھے اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مزاج شناس تھے، انہوں نے فرمایا:

"حضور ﷺ کے بعد میں کسی سے بھی اس چیز (موت) پر بیعت نہیں ہوں گا۔"[2]

آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اس حقیقت کی غمازی کرتا تھا کہ جو مقامِ جاں نثاری اور وفائے کامل اللہ کے رسول ﷺ کے لیے مخصوص تھا، وہ کسی دوسرے کے لیے روا نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ کی عظمت اور ان کے ساتھ کیا جانے والا عہدِ وفا اپنی نوعیت میں یکتا اور بے مثال ہے۔

❁❁❁

---

[1] -اخرجه البخاري ۳۱۵واخرجه أيضاً مسلم والترمذی والنسائي کما في العيني ۱۲/۷

[2] -اخرجه البخاری ۲۱۵ أيضاً واخرجه ايضاً مسلم کما في العيني ۱۵/۷۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ تاریخِ اسلام کا وہ درخشندہ باب ہے جو مسلمان کے خود دارانہ مزاج، ایمانی فراست اور دنیا کی بے ثباتی کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ذیل میں اس ایمان افروز واقعے کو پیش کیا گیا ہے

داستانِ عزیمت:

فاتحِ قادسیہ کا دربارِ رستم میں جرات مندانہ خطاب

یہ سنہ ۱۴ ہجری کا تذکرہ ہے، جب حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی کے لیے قادسیہ کا میدان سج چکا تھا۔ ایک طرف شہنشاہِ ایران رستم کی قیادت میں بیاسی ہزار (82,000) کا لشکرِ جرار تھا، جو ساز و سامان اور تکبر سے لیس تھا، اور دوسری طرف صرف سات یا آٹھ ہزار نفوسِ قدسیہ تھے، جن کے پاس نہ تو زرہیں مکمل تھیں اور نہ ہی گھوڑے توانا، مگر ان کے سینے نورِ ایمان سے روشن تھے۔

ایرانی سپہ سالار رستم نے اپنی عددی برتری کے زعم میں مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ کسی نمائندے کو گفتگو کے لیے بھیجا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لیے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ فقرائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، تیس سالہ کڑیل جوان، جن کے چہرے پر فقر کی چمک اور آنکھوں میں ایمانی جاہ وجلال تھا۔

روانگی کے وقت سپہ سالارِ اسلام نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

"جاؤ! اور اپنی وضع قطع میں کچھ تبدیلی نہ کرنا، کیونکہ ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے۔ اگر ہم نے اسلام کے علاوہ کسی اور ذریعے سے عزت تلاش کی، تو اللہ ہمیں ذلیل ورسوا کر دے گا۔"

رستم نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے دربار کو سونے کی تاروں والے

تکیوں، ریشمی مسندوں اور بیش قیمت یاقوت و جواہرات سے سجا رکھا تھا۔ وہ خود سونے کے تخت پر تاجِ شاہی پہنے جلوہ افروز تھا۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے، تو منظر دیدنی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک لاغر اور دبلے گھوڑے پر سوار تھے، بدن پر پیوند لگے کپڑے تھے اور ہاتھ میں ایک سادہ سا نیزہ۔ جب آپ رضی اللہ عنہ دربار میں داخل ہوئے تو ریشمی قالینوں اور مخملی مسندوں کو اپنے گھوڑے کے سموں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھے۔ پہرے داروں نے ٹوکا کہ "اپنے ہتھیار اتار دو!"

آپ رضی اللہ عنہ نے کمالِ بے نیازی سے جواب دیا:

"میں اپنی مرضی سے نہیں، تمہاری دعوت پر آیا ہوں۔ اگر مجھے اسی حال میں قبول کرتے ہو تو ٹھیک، ورنہ میں واپس جاتا ہوں۔"

رستم نے مجبور ہو کر انہیں اسی حالت میں آنے کی اجازت دے دی۔ ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے چلتے ہوئے اپنے نیزے کی نوک ان قیمتی مسندوں میں پیوست کر دی، یہ بتانے کے لیے کہ جس دنیا پر تمہیں ناز ہے، وہ ایک مردِ مومن کی نظر میں پھٹے ہوئے کپڑے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

رستم نے طنزاً کہا: "اے اہلِ عرب! تم سے زیادہ ذلیل و خوار قوم ہم نے نہیں دیکھی۔ تمہارا نہ کوئی تمدن ہے، نہ تہذیب۔ تم تو ریگستانوں میں بکریاں چرانے والے ضدی لوگ ہو۔ آخر تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے سر کو ایک وقار کے ساتھ جھٹکا دیا اور گرج دار آواز میں وہ کلمات کہے جو تاریخ کے ماتھے کا جھومر بن گئے:

"ہاں! ہم ویسے ہی تھے جیسا تم نے کہا، بلکہ اس سے بھی بدتر۔ ہم جاہل تھے،

بتوں کو پوجتے تھے، معمولی باتوں پر خون بہاتے تھے۔ مگر اللہ نے ہمیں تمہاری طرف اس لیے بھیجا ہے کہ:

* ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لے جائیں۔
* دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت کی طرف لے جائیں۔
* اور ادیان کے ظلم و جور سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف کی طرف لے جائیں۔

غرور کا سر نیچا ہوا۔ تین دن تک قادسیہ کی زمین نے وہ رن دیکھا کہ تاریخ دنگ رہ گئی۔ ایرانیوں کا تکبر مسلمانوں کی شمشیروں کی تاب نہ لا سکا اور چوتھے دن سورج کی کرنیں فتحِ اسلام کی نوید لے کر طلوع ہوئیں۔

جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح بن کر ایک ہزار سالہ قدیم ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے، جہاں ہیرے جواہرات کی ریل پیل تھی، تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ رونا دنیا ملنے پر نہ تھا، بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کے عدل پر تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک پر قرآنِ کریم کی یہ آیات جاری تھیں:

﴿ كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۙ‏ وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيۡمٍ ۙ‏ وَّنَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡنَ ۙ‏ كَذٰلِكَ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ‏ فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ ﴾۔[1]

ترجمہ: "وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے، اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے، اسی طرح ہو گیا اور ہم نے ان سب

---

[1]- سورۃ الدخان: 25-29۔

کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا، سوان پر نہ تو آسمان وزمین روئے اور نہ انہیں مہلت ملی۔"[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا راز ان کے مال ومنال میں نہیں، بلکہ ان کی عزتِ نفس اور غیرتِ ایمانی میں تھا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ جب دل میں اللہ کی بڑائی سما جائے، تو دنیا کے قیصر وکسریٰ ایک ذرے کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

❁❁❁

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زندگی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایثار اور استقامت کا وہ درخشندہ باب ہے جس کی مثال تاریخِ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مکہ کا وہ شہزادہ جس کے قدموں میں دنیا کی رنگینیاں تھیں، جب زلفِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسیر ہوا تو کائنات کی ہر آسائش اس کی نظر میں ہیچ ہو گئی۔

مکہ کا شہزادہ، مدینہ کا سفیر:

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

داستانِ عشق میں ایک نام ایسا ہے جس نے ثابت کر دیا کہ جب دل میں محبوب کا ٹھکانہ بن جائے، تو ریشم وکمخاب کی جگہ بوریہ نشینی بھی سلطنت سے بڑھ کر لگتی ہے۔ یہ ذکر ہے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا، وہ نوجوان جس کا لباس شام سے بن کر آتا تھا اور جس کی

---

[1] -حیاۃ الصحابہ، (مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) جلد 1، باب "الدعوۃ الی اللہ"۔

خوشبو مکہ کی گلیوں کو مہکا دیا کرتی تھی۔

والدہ کی ممتا نے انہیں بڑے لاڈ سے پالا، حضرمی جوتے اور بیش قیمت ملبوسات ان کی پہچان تھے، لیکن جب حق کی آواز کانوں میں پڑی، تو مصعب رضی اللہ عنہ نے سب کچھ قربان کر دیا۔ ایک بار جب حضور ﷺ نے انہیں پرانی چادر میں ملبوس دیکھا، تو آپ ﷺ کی آنکھیں چھلک گئیں اور فرمایا:

"یہ وہ شخص ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے دنیا سے بے نیاز کر دیا ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ کو اسلام کا "**پہلا سفیر و مدرس**" بنا کر مدینہ روانہ کیا گیا۔ صرف ایک سال کی قلیل مدت میں آپ کی پُر اثر دعوت سے اوس و خزرج کے بڑے بڑے سردار، جیسے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ یہ آپ ہی کی محنت تھی کہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ کی فضا توحید کے نعروں سے گونجنے لگی تھی اور آپ ہی نے وہاں نمازِ جمعہ کی بنیاد رکھی۔[1]

رشتوں پر ایمان کی فوقیت: میرا بھائی تو یہ انصاری ہے:

غزوۂ بدر میں جب آپ کا سگا بھائی زرارہ بن عمیر قید ہو کر آیا، تو آپ نے اپنے انصاری بھائی (ابو یُسر رضی اللہ عنہ) سے فرمایا:

"اسے مضبوطی سے باندھو، اس کی ماں مالدار ہے، بھاری فدیہ دے گی"۔

بھائی نے حیرت سے پوچھا: "کیا آپ میرے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں؟"

تو اس پیکرِ وفا نے وہ تاریخی جملہ کہا جو رہتی دنیا تک معیارِ حق بن گیا:

"**میرا بھائی تو یہ انصاری ہے، تم نہیں**۔"[2]

---

[1] - السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، الطبقات الکبریٰ۔

[2] - اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔

میدانِ احد: تحفظِ رسالت ﷺ اور شہادتِ عظمیٰ:

غزوۂ احد میں آپ رضی اللہ عنہ مہاجرین کے علمبردار تھے۔ جب میدانِ جنگ میں افراتفری مچی اور دشمن کے وار بڑھنے لگے، تو ابن قمیۂ نعرہ مارتا ہوا حضور ﷺ کی طرف بڑھا: "مجھے محمد (ﷺ) کا پتا بتاؤ، اگر وہ بچ گئے تو میں نہ بچ پاؤں گا"۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ، جو شکل وصورت میں حضور ﷺ کے مشابہ تھے، دشمن کے سامنے دیوار بن گئے۔

دشمن نے وار کیا اور آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا، آپ نے پرچم بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔

ظالم نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا، تو آپ نے کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم کو سینے سے چمٹا لیا تاکہ توحید کا علم نیچے نہ گرے۔

آخرکار تیسرے وار پر آپ گر پڑے اور جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔[1]

جنگ کے بعد جب حضور ﷺ اپنے اس جاں نثار کی میت پر تشریف لائے، تو دیکھا کہ وہی خوش لباس مصعب رضی اللہ عنہ ہے جس کے کفن کے لیے ایک چھوٹی سی چادر ہے؛ سر ڈھانپو تو پاؤں کھل جاتے ہیں، پاؤں ڈھانپو تو سر ننگا ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے نم آلود آنکھوں سے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾۔[2] "اہلِ ایمان میں سے کچھ وہ مردِ حق ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا۔"

اور پھر فرمایا: "مصعب! میں نے تمہیں مکہ میں دیکھا تھا، تم سے زیادہ حسین اور خوش لباس کوئی نہ تھا، مگر آج تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔

---

[1]- المعجم الکبیر للطبرانی۔

[2]-سورۃ الاحزاب: 23۔

اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں سرخرو ہو گے"۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ عشقِ رسول ﷺ کا تقاضا "سب کچھ قربان کر دینا" ہے۔ اگر آج ہم اپنی آسائشوں، برادریوں اور اناؤں کو دین پر قربان نہیں کر سکتے، تو ہمیں اپنے عشق پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

الٰہی! ہمیں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جیسا جذبۂ ایثار اور حضور ﷺ کی سچی وفاداری نصیب فرما۔ آمین۔

❁❁❁

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت
اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا جذبۂ ایمانی

تاریخِ اسلام کے اوراق ماؤں کی جرات اور بیٹوں کی شجاعت کی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں، مگر حضرت اسماء بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہا اور ان کے لختِ جگر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ تذکرہ استقامتِ دین کا وہ نقطہ کمال ہے جہاں پہنچ کر عقل دنگ اور جذبۂ عشق سرشار ہو جاتا ہے۔

مکہ کی وادی گواہ تھی کہ بنو امیہ کا تین ہزار کا لشکر ایک طرف تھا اور دوسری جانب حق کا وہ علمبردار جو صرف اٹھارہ (18) نفوس کے ساتھ کوہِ استقامت بنا کھڑا تھا۔ حجاج بن یوسف نے صلح اور جان بخشی کی پیشکش کی، لیکن جس نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں تربیت پائی ہو، وہ باطل کے سامنے کیسے جھک سکتا تھا؟

جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس مشورے کے لیے آئے اور حجاج کی پیشکش کا ذکر کیا، تو اس عظیم ماں نے تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا: "بیٹا! اگر تو دنیا کے لیے لڑا ہے تو تیری ساری زندگی پر مجھے افسوس ہے، اور اگر تو اللہ کے لیے لڑا ہے تو مجھے تیرا جینا بھی محبوب ہے اور تیرا مرنا بھی محبوب۔ زندگی کی خاطر صلح نہ کرنا!"

آخری ملاقات کے وقت جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کرتے کے نیچے لوہے کی زرہ محسوس کی، تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اماں! ڈر ہے کہ قتل کے بعد میری لاش کی بے حرمتی کریں گے۔"

تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے وہ کلمہ حق کہا جو رہتی دنیا تک کے لیے ضرب المثل بن گیا: "الشاۃ المذبوحۃ لا یؤلمها السلخ"

"بیٹا! جب بکری ذبح کر دی جائے، تو کھال اتارے جانے سے اسے درد نہیں ہوتا۔ زرہ اتار دے، موت کے طلبگار لوہے کا سہارا نہیں لیا کرتے۔"

زرہ اتار کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے۔ دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور عصر تک تین ہزار کے لشکر کو قریب نہ آنے دیا۔ آخرکار حجاج نے جبلِ ابوقبیس سے پتھر برسانے کا حکم دیا۔ ایک بھاری پتھر جب مٹھہ پر لگا اور خون سے چہرہ رنگین ہوا، تو آپ کی زبان پر یہ رجزیہ شعر تھا:

"ہم وہ نہیں جو موت کے ڈر سے پیٹھ پر زخم کھائیں، ہمارا خون ایڑیوں کو نہیں بلکہ ہمارے خون کے قطرے سینے سے بہہ کر ہمارے قدموں کو مہندی لگاتے ہیں۔"

گرتے وقت اپنی ماں کو پیغام دیا: "اے اسماء! اب رونا نہیں، میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نواسہ ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔"

حجاج نے ظلم کی انتہا کرتے ہوئے آپ کی لاش کو مقامِ حجون پر سولی پر لٹکوا دیا۔ کئی روز گزر گئے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وہاں سے گزریں تو اپنے جواں سال بیٹے کی لاش سولی پر دیکھ کر رنجیدہ ہونے کے بجائے کمالِ ضبط کے ساتھ فرمایا:

"اچھا! کیا ابھی تک اس شہسوار کے اپنی سواری سے اترنے کا وقت نہیں آیا؟"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ محض الفاظ نہیں بلکہ اس استقامت کا اظہار تھا جو تاریخِ انسانی کے ماتھے کا جھومر ہے۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ جو نفوسِ قدسیہ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسیر ہو جاتے ہیں، وہ نہ تو دشمن کی کثرت سے لرزتے ہیں اور نہ ہی موت کی سختی انہیں جادۂ حق سے ہٹا سکتی ہے۔ باطل کے سامنے سر کٹایا تو جا سکتا ہے، لیکن جھکایا نہیں جا سکتا۔[1]

---

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ج:3، ص:910۔

سبحان اللہ! حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ عشقِ الٰہی اور شوقِ شہادت کی وہ انتہا ہے جہاں بندہ اپنے وجود کی ہر چیز، یہاں تک کہ اپنے اعضاء بھی اپنے رب کے حضور نذرانہ کرنے کی تمنا کرتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ دعا اور پھر اس کا حرف بہ حرف قبول ہونا، بارگاہِ الٰہی میں آپ کے بلند مقام کی دلیل ہے۔

تمنائے شہادت اور قبولیتِ دعا:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

غزوۂ احد کی وہ شام، جب مجاہدینِ اسلام کل کے معرکے کی تیاری کر رہے تھے، دو جلیل القدر صحابہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، ایک کونے میں تنہائی اختیار کرتے ہیں۔ مقصد کیا تھا؟ اپنے رب سے وہ مانگنا جو دنیا کے خزانوں سے بڑھ کر ہو۔

سعد رضی اللہ عنہ کی دعا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بے مثال سوال:

پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

"یا اللہ! کل میرا مقابلہ ایک طاقتور دشمن سے ہو، میں اسے قتل کروں اور اس کا مالِ غنیمت پاؤں"۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بڑے اخلاص سے "آمین" کہی۔

لیکن جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی باری آئی، تو انہوں نے وہ مانگا جسے سن کر روح کانپ جاتی ہے۔ عرض کیا:

"اے اللہ! کل میرا مقابلہ ایک سخت دشمن سے ہو، وہ مجھے قتل کر دے، پھر میرے ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ پھر جب قیامت کے دن میں تیرے حضور حاضر ہوں اور تو مجھ سے پوچھے: "عبداللہ! تیرے ناک کان کہاں گئے؟"

تو میں تڑپ کر عرض کروں: "یا اللہ! یہ تیرے اور تیرے رسول ﷺ کی محبت میں کٹ گئے"۔

تب تو فرمائے: ہاں عبداللہ! تو سچ کہتا ہے۔"

دعا کی قبولیت اور غیبی مدد:

اگلے دن میدانِ احد میں وہی ہوا جو مانگا گیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دن ڈھلنے تک میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر طور پر قبول ہو چکی تھی۔ وہ شہید ہو چکے تھے اور ان کے ناک اور کان ایک دھاگے میں پروئے ہوئے لٹک رہے تھے۔

اسی جنگ میں جب ان کی تلوار ٹوٹ گئی، تو کائنات کے آقا ﷺ نے انہیں ایک لکڑی کی ٹہنی عطا فرمائی۔ معجزۂ مصطفیٰ ﷺ دیکھئے کہ وہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں آتے ہی فولادی تلوار بن گئی، جو طویل عرصے تک ان کے خاندان میں رہی۔[1]

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی یہ دعا ہمیں سکھاتی ہے کہ:

- **اخلاصِ نیت:** دعا میں جتنا اخلاص ہوگا، قبولیت اتنی ہی یقینی ہوگی۔ انہوں نے اپنے رب سے صرف جنت نہیں، بلکہ محبوب کی رضا مانگی۔
- **خوبصورت انجام:** ایک مومن کے لیے سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ کو اپنا وہ زخم دکھا سکے جو اس نے دین کی خاطر کھایا ہو۔
- **صحابہ کا بلند مقام:** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف جنگجو نہیں تھے، وہ راتوں کو رونے والے اور دن کو تڑپنے والے سچے عاشق تھے۔

---

[1] -السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب قسم الفيئ، باب السلب للقاتل، ، (307/6)۔
المستدرک علی الصحیحین للحاکم: جلد 3، کتاب معرفۃ الصحابہ۔

سبحان اللہ! حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ تذکرہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وفاداری کی وہ معراج ہے جسے سن کر روح تڑپ اٹھتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کا سر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کائنات کے دولہا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوشِ مبارک میں تھا۔

عہدِ وفا کی تکمیل:

حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور شوقِ شہادت

میدانِ بدر کی وہ پہلی صبح، جب حق اور باطل کا آمنا سامنا تھا، تاریخِ اسلام کے تین عظیم شہسواروں نے کفر کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل کو واصلِ جہنم کیا، لیکن حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے اپنے خون سے وفا کی وہ داستان لکھی جو قیامت تک کے عشاق کے لیے نشانِ منزل ہے۔

کافروں کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ سامنے آیا، جس کے مقابلے کے لیے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ دونوں کے وار چلے، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کا کندھا کاٹ دیا، مگر بدلے میں عتبہ کی تلوار نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کو جسم سے جدا کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے لپک کر دشمن کا کام تمام کیا اور اپنے زخمی بھائی کو اٹھا کر بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے آئے۔

قربان جایئے اس منظر پر! جب زخمی جاں نثار کو لایا گیا، تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ شفقت سے ان کا سر اپنی رانِ مبارک (ٹانگ) پر رکھا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے چہرے کا غبار صاف کرنے لگے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس حال میں اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور شعر پڑھا:

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ   وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ترجمہ: ہم اپنے بال بچوں سے غافل ہو کر ان (ﷺ) کی حفاظت میں لگے رہیں گے، یہاں تک کہ ہم ان کے اردگرد زخمی ہو کر زمین پر گر پڑیں گے۔

عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! اگر آج ابوطالب مجھے اس حال میں دیکھ لیتے تو وہ جان لیتے کہ ان کے اس شعر کا حقدار ان سے زیادہ میں ہوں"۔

پھر تڑپ کر پوچھا: "یارسول اللہ ﷺ! کیا میں شہید ہوں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! تم شہید ہو اور میں تمہارا گواہ ہوں"۔

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ وادیِ صفراء میں وفات پا گئے۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ خود حضور ﷺ ان کی قبر میں اترے اور اپنے ہاتھوں سے اس عاشقِ زار کو لحد میں اتارا۔ یہ وہ اعزاز تھا جو اس سے پہلے کسی اور کو حاصل نہ ہوا تھا۔[1]

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

❁❁❁

---

[1] -لمستدرک علی الصحیحین للحاکم: جلد 3، کتاب معرفۃ الصحابہ۔لطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد 3۔

سبحان اللہ! حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ شوقِ شہادت اور جذبۂ قربانی کی وہ نادر مثال ہے جہاں خون کے رشتے بھی راہِ خدا کی تڑپ کے سامنے ہیچ ثابت ہوئے۔ باپ اور بیٹے کا ایک دوسرے سے بڑھ کر شہادت کی تمنا کرنا، یہ وہ رنگ ہے جو صرف مدرسۂ محمدی ﷺ کے طالب علموں ہی پر چڑھ سکتا تھا۔

جنت کے مسافر:

حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ اور شوقِ شہادت کا انوکھا مقابلہ

میدانِ بدر کی پکار نے جب مدینہ کی گلیوں میں دستک دی، تو ہر گھر سے جانباز نکل آئے۔ لیکن خاندانِ خثیمہ میں ایک عجیب منظر تھا۔ باپ بھی تیار تھا اور بیٹا بھی! دونوں کا ایک ہی اصرار تھا کہ "میں جاؤں گا"۔

جب معاملہ حضور ﷺ کے دربار میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھر کی حفاظت اور خواتین کی دیکھ بھال کے لیے ایک کا رکنا ضروری ہے، لہٰذا تم دونوں قرعہ ڈال لو۔

باپ (حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ) نے بیٹے سے کہا: "بیٹا! تم جوان ہو، گھر پر ٹھہر جاؤ اور مجھے جانے دو۔"

قربان جایئے جوان سال بیٹے کے اس جواب پر جس نے تاریخِ عشق میں ایک نئی روح پھونک دی! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"ابو جان! اگر جنت کے علاوہ دنیا کی کوئی اور چیز ہوتی تو میں بخدا آپ کو اپنے سے آگے رکھتا، لیکن یہ معاملہ تو "جنت" کا ہے! میں اس سفر میں شہادت کی امید لگائے بیٹھا ہوں، میں اس سودے میں پیچھے نہیں رہ سکتا۔"

آخر کار قرعہ ڈالا گیا تو نام بیٹے (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) کا نکلا۔ باپ نے صبر کیا اور بیٹا خوشی خوشی اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ میدانِ بدر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں حضرت سعد

بن خثیمہ رضی اللہ عنہ نے وہ دادِ شجاعت دی کہ آخر کار جامِ شہادت نوش کر کے اس منزل کو پالیا جس کی تمنا میں انہوں نے باپ سے قرعہ اندازی کی تھی۔[1]

بیٹے کی شہادت کے بعد جب غزوۂ احد کا موقع آیا، تو بوڑھے باپ (حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ) نے خواب میں اپنے شہید بیٹے کو جنت کے باغات میں دیکھا۔ بیٹے نے پکار کر کہا: "ابو جان! آجایئے، میرے رب نے مجھ سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا"۔

چنانچہ حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ احد میں شریک ہوئے اور وہ بھی شہید ہو کر اپنے بیٹے سے جا ملے۔

آج ہم دنیا کی معمولی آسائشوں اور رشتوں کے لیے دین کے کاموں کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ:

- **جنت کی ترجیح:** جب معاملہ آخرت اور جنت کا ہو، تو وہاں کسی قسم کا سمجھوتہ یا سستی عشق کے خلاف ہے۔
- **ادب اور اصول:** حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا ادب بھی برقرار رکھا لیکن "حق" کے معاملے میں کوئی رعایت نہ برتی۔
- **ایمانی تڑپ:** موت سے وہ ڈرتے ہیں جن کا دامن خالی ہو، اللہ کے سپاہی تو موت کو "ملاقاتِ الٰہی" کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

❀❀❀

---

[1] - المستدرک علی الصحیحین للحاکم: جلد 3، کتاب معرفۃ الصحابہ۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ: امام ابن اثیر۔

سبحان اللہ! عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ وہ والہانہ تڑپ ہے جس نے کائنات کے اصولوں کو بدل کر رکھ دیا۔ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ عشق و مستی کی اس انتہا کو بیان کرتا ہے جہاں ایک سچے عاشق کو محبوب کی پکار کے سامنے اپنی جان تو کیا، اپنی زندگی کے سب سے حسین لمحات اور جسمانی پاکیزگی کی حاجت بھی یاد نہیں رہتی۔

غسیل الملائکہ:

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور عشق کی والہانہ تڑپ

تاریخِ انسانی میں وفاداری کے سینکڑوں قصے ملتے ہیں، مگر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو رنگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر چڑھا، اس کی مثال نہ پہلے کبھی تھی اور نہ قیامت تک ملے گی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ سن کر روح وجد کرنے لگتی ہے کہ ایک انسان کے دل میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کس قدر رچی بسی ہو سکتی ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ رخصتی کی پہلی رات تھی، خوشیوں کا سماں تھا، لیکن ابھی صبح کی سپیدی بھی نمودار نہ ہوئی تھی کہ میدانِ احد سے "جہاد کی پکار" سنائی دی۔ ایک طرف زندگی کی نئی شروعات اور رفاقتِ اہلیہ تھی، تو دوسری طرف محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پکار! ایک سچے عاشق کے لیے انتخاب مشکل نہ تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ اس وقت حالتِ جنابت (ناپاکی) میں تھے، غسل واجب تھا، مگر عشق کا تقاضا یہ تھا کہ کہیں غسل کے چند منٹ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے میں دیر نہ کر دیں!

"آپ رضی اللہ عنہ نے غسل کی بھی پروا نہ کی اور اسی حالت میں تلوار اٹھائی اور دیوانہ وار میدانِ جنگ کی طرف دوڑ پڑے۔"

میدانِ جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ نے وہ بہادری دکھائی کہ کفر کے بڑے بڑے سورما لرز اٹھے۔ آپ دشمن کے سپہ سالار ابوسفیان کو قتل کرنے ہی والے تھے کہ پیچھے سے شداد

بن اسود نے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، مگر ربِ ذوالجلال کو اپنے اس عاشق کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔

جب جنگ ختم ہوئی، تو رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک عجیب و غریب منظر کا ذکر فرمایا:

"تمہارے دوست حنظلہ کو آسمان و زمین کے درمیان فرشتے چاندی کے تھالوں میں بادلوں کے پانی سے غسل دے رہے ہیں!"

جب اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ جل جلالہ کا سپاہی غسلِ جنابت کیے بغیر ہی میدان میں نکل آیا تھا۔

سبحان اللہ! زمین والوں نے رخصت کیا، تو آسمان والوں نے استقبال کیا اور ملائکہ نے انہیں وہ غسل دیا جو رہتی دنیا تک انہیں "**غسیل الملائکہ**" (وہ جسے فرشتوں نے غسل دیا) کے لقب سے امر کر گیا۔[1]

آج ہم اپنے معمولی دنیاوی کاموں، نیند اور آرام کی خاطر نمازوں کو قضا کر دیتے ہیں اور سنتِ نبوی ﷺ کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ:

- **ترجیحات کا تعین:** جب دین اور دنیا کا ٹکراؤ ہو، تو ایک مومن کا سر ہمیشہ دین کے سامنے جھکنا چاہیے۔
- **فوری اطاعت:** اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم میں تاخیر کرنا عشق کے آداب کے خلاف ہے۔

---

[1] ۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم: جلد 3، کتاب معرفة الصحابه (واقعه غسیل الملائکه)۔ المعجم الکبیر للطبرانی: (فرشتوں کے غسل دینے کی تفصیل)۔

❁ **اخلاص کی قیمت:** جب نیت خالص ہو، تو اللہ جل جلالہ فرشتوں کو زمین پر اتار کر اپنے بندوں کی تکریم فرماتا ہے۔

❁❁❁

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ:

استقامت کا ہمالہ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکر

جب حق کی روشنی دل میں اتر جائے تو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی رشتہ اور کوئی خوف انسان کے قدم نہیں ڈگمگا سکتا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی زندگی کا یہ باب ہمیں بتاتا ہے کہ سچا مومن وہ ہے جو آزمائشوں کی بھٹی میں تپ کر کندن بن جائے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کی خبر ان کے والد ابو احیحہ کو ملی، تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے اپنے دوسرے بیٹوں کو بھیج کر خالد رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور غیظ و غضب میں ان پر ٹوٹ پڑا:

❁ **بے دردی سے مار پیٹ:** باپ نے آپ کو اتنی بے رحمی سے مارا کہ اس کے ہاتھ کی لکڑی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

❁ **دھمکی اور ملامت:** تھک ہار کر باپ نے کہا، "دینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ دو، ورنہ تمہاری خیر نہیں"۔

لیکن قربان جائیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جرات پر، انہوں نے دوٹوک جواب دیا:

"**ہرگز نہیں!** چاہے میری جان چلی جائے، میں اللہ کے برحق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن نہیں چھوڑوں گا"۔

باپ نے جب دیکھا کہ مار پیٹ سے کام نہیں بن رہا، تو اس نے جذباتی اور معاشی حربے استعمال کیے۔ اس نے کہا، "میں تجھے گھر سے نکال دوں گا اور تیرا کھانا پینا بند کر دوں گا"۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کمالِ توکل کے ساتھ جواب دیا:

"اگر آپ میرا رزق بند کریں گے، تو میرا رب مجھے رزق عطا فرمائے گا۔"

ظالم باپ نے آپ کو تین دن تک مکہ کی تپتی ہوئی دھوپ میں، ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بھوکا پیاسا قید رکھا۔ تین دن کی پیاس اور ہولناک گرمی بھی آپ کے پائے استقلال میں لرزش نہ لاسکی۔ آخر کار چوتھے دن آپ وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا کہ جس نے اللہ کو پا لیا، اس نے سب کچھ پا لیا۔ وہ مکہ کی رنگینیوں اور باپ کی دولت کو ٹھکرا کر اللہ کی راہ میں ہجرت کر گئے اور تاریخِ اسلام میں اپنا نام سنہری حروف سے لکھوا گئے۔[1]

❁❁❁

[1] -مدارج النبوت (از شیخ عبدالحق محدث دہلوی): اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر): جلد 2، صفحہ 82۔

خاندانِ یاسر رضی اللہ عنہم کا

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اذیتیں سہنا

جب زمین اپنوں اور بیگانوں کی دشمنی سے تپ رہی تھی اور مکہ کی وادی مظلوم مسلمانوں کی سسکیوں سے گونج رہی تھی، تب ایک ہستی ایسی تھی جس کی ایک نگاہِ کرم تمام دکھوں کا مداوا کر دیتی تھی۔ وہ ہستی کائنات کے دولہا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔

آگ پر دستِ مبارک کی ٹھنڈک:

ظلم کی انتہا دیکھئے کہ مشرکین نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ جسم جھلس رہا تھا اور لوہے کی سیخیں گوشت میں پیوست ہو رہی تھیں۔ اسی عالم میں رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے۔ اپنے جانثار صحابی کو تڑپتا دیکھا تو رحمت کا سمندر جوش مارنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا وہ دستِ مبارک، جو یتیموں کا سہارا اور بے کسوں کا ملجا ہے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر پھیرا اور آگ کو حکم دیا:

"اے آگ! تو ابراہیم (علیہ السلام) کی طرح عمار پر بھی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔"[1]

قربان جایئے! جس آگ کو پانی نہ بجھا سکا، اسے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک کے الفاظ نے گلزار بنا دیا۔

عجب مقام ہے راہِ وفا میں عاشق کا
کہ آگ بجھتی ہے جب وہ لہو بہاتا ہے

---

[1] -المستدرک علی الصحیحین للحاکم: دلائل النبوۃ للبیہقی:

جنت کی پکار: "صبراً آلِ یاسر!":

جب خاندانِ یاسر کے بوڑھے والدین اور جوان بیٹے کو ایک ساتھ اذیتیں دی جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھتے ہوئے فرماتے:

"اے آلِ عمار! تمہیں بشارت ہو، یقیناً جنت تمہاری منتظر ہے!"

دنیا کی تکلیفیں عارضی تھیں، لیکن محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ملنے والی جنت کی ضمانت نے ان کے حوصلوں کو وہ ہمالیائی بلندی عطا کی کہ ابوجہل کے نیزے بھی ان کے ایمان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

مغفرت کی دعا اور صبر کی تلقین:

ایک بار جب مصائب کا پہاڑ حد سے بڑھ گیا اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے گردشِ زمانہ کی شکایت کی، تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صبر کی تلقین فرمائی اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر وہ دعا مانگی جو ہر مومن کی کل کائنات ہے:

"اے اللہ! آلِ یاسر کی مغفرت فرما اور انہیں بخش دے۔"[1]

جس گھرانے کے لیے خود صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغفرت کی دعا فرمائیں، بھلا اس کی خوش بختی کا ٹھکانا کیا ہوگا!

عمار رضی اللہ عنہ کی تڑپ اور قرآن کی گواہی: جب ایمان دلوں میں گھر کرلے:

تاریخِ اسلام کے اوراق اس وقت اشکبار ہوگئے جب ایک جاں نثار صحابی، جس نے آگ کے انگارے ہنستے ہوئے سینے پر سجا لیے تھے، آج اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے

---

[1] -طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث:178-لسیرۃ النبویۃ لابن ھشام:

سر جھکائے، آنکھوں میں آنسو لیے کھڑا ہے۔ یہ آنسو جسمانی اذیت کے نہ تھے، بلکہ یہ اس "غیرتِ ایمانی" کا اظہار تھا جو ایک لمحے کی ظاہری لغزش پر روح کو تڑپا رہی تھی۔

مشرکینِ مکہ نے ظلم کی تمام حدیں پار کر دی تھیں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پانی میں اس قدر غوطے دیے گئے کہ سانس اکھڑنے لگی اور وہ بالکل بدحواس ہو گئے۔ اس نیم بے ہوشی اور شدید تکلیف کی حالت میں جفا کاروں نے جو چاہا ان کی زبان سے کہلوا لیا۔ زبان سے تو کلماتِ کفر ادا ہو گئے، مگر روح پکار رہی تھی: "یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کا تھا، آپ کا ہوں اور آپ کا ہی رہوں گا"۔

جب مشرکین کے چنگل سے چھٹے، تو سیدھے دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ندامت سے چہرہ جھکا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں تھا۔

رحمتِ عالم ﷺ نے دریافت فرمایا: "عمار! کیا خبر ہے؟" عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! بڑی بری خبر ہے، جب تک زبان سے آپ کی شان میں نازیبا الفاظ اور ان کے معبودوں کی تعریف نہ کی، انہوں نے جان نہ چھوڑی"۔

آقا ﷺ نے اپنے جاں نثار کے دل کی تڑپ کو دیکھا اور وہ تاریخی سوال کیا جو قیامت تک کے لیے ایمان کا معیار بن گیا: "عمار! تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟"

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! میرا دل تو ایمان پر پوری طرح مطمئن ہے"۔

تب شفیق آقا ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کے آنسو پونچھے اور فرمایا:

"عمار! اگر یہ دوبارہ مجبور کریں، تو تم پھر بھی ایسا ہی کر لینا (تم پر کوئی گناہ نہیں)"۔[1]

---

[1] جامع الترمذی: کتاب المناقب۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابن عبد البر (تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ)۔ المستدرک للحاکم:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس کیفیت اور سچائی پر عرش والے رب نے قرآن پاک کی آیت نازل فرما کر مہرِ تصدیق ثبت کر دی:

"جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے، سوائے اس کے جسے مجبور کیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو اس پر کوئی گرفت نہیں)۔"[1]

جسم پر نقشِ وفاداری: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی استقامت:

تاریخِ انسانی میں بہت سے لوگوں نے نظریات کے لیے جانیں دیں، لیکن عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسیروں نے جو اذیتیں ہنستے مسکراتے سہیں، ان کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی زندگی اس حقیقت کی گواہی ہے کہ جب توحید کا عکس دل کے آئینے میں اتر جائے، تو دنیا کا کوئی بھی ظالم اسے دھندلا نہیں سکتا۔

ظلم کی ہولناکی: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی گواہی:

جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا واقعی قریش اتنی سخت اذیتیں دیتے تھے کہ کوئی اپنا دین چھوڑنے پر مجبور ہو جائے؟ تو ترجمانِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر وہ ہولناک منظر کشی فرمائی:

"خدا کی قسم! وہ مسلمانوں کو اس قدر مارتے، بھوکا اور پیاسا رکھتے کہ کمزوری کی وجہ سے ان میں اٹھنے بیٹھنے کی سکت بھی نہ رہتی۔ اسی بے بسی کے عالم میں مشرکین جو چاہتے ان سے اپنی مرضی کا اقرار کرا لیتے تھے۔"[2]

یہ وہ کٹھن گھڑیاں تھیں جہاں بھوک، پیاس اور جسمانی تشدد مل کر انسانی ہمت کا

---

[1] -سورۃ النحل: 106۔

[2] -دلائل النبوۃ للبیہقی: (حضرت ابنِ عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کا مکالمہ اور مظالم کی تفصیل)۔

امتحان لے رہے تھے، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے مکہ کے پہاڑوں سے بھی زیادہ بلند تھے۔

کمر پر ثبت "تمغۂ عشق":

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے راہِ خدا میں وہ سب کچھ برداشت کیا جو ایک انسان کے تصور سے باہر ہے۔ برسوں بیت گئے، جوانی ڈھل گئی اور بڑھاپے نے دستک دی، لیکن ان کی پیٹھ پر موجود وہ نشانات مٹ نہ سکے جو جوانی میں مکہ کی تپتی ریت اور دہکتے انگاروں نے ثبت کیے تھے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ:

"ضعیفی کے عالم میں بھی جب ان کی پیٹھ ننگی ہوتی، تو اس پر سیاہ لکیریں اور انگاروں کے داغ صاف نظر آتے تھے"۔[1]

یہ صرف زخموں کے نشان نہ تھے، بلکہ یہ دربارِ الٰہی میں ان کی وفاداری کی وہ مہریں تھیں جو گواہی دے رہی تھیں کہ عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے رب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ہوا عہدِ وفا نبھا دیا ہے۔

❁❁❁

[1] -الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد 3۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ:

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکرِ استقامت:

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

تاریخِ عالم نے بڑے بڑے دعویدار دیکھے، لیکن تاریخِ اسلام کے ماتھے کا جھومر وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے اپنے خون سے عشقِ صادق کی آبیاری کی۔ ان میں ایک نمایاں نام حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا ہے، جن کا تذکرہ سن کر آج بھی ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مشرک اور اسلام دشمن عورت اُم انمار بنت سباع الخزعیہ کے غلام تھے۔ جب اسے پتہ چلا کہ شمعِ ایمان آپ کے سینے میں روشن ہو چکی ہے اور وہ چوری چھپے حضور نبی اکرم ﷺ سے ملتے رہتے ہیں تو اس نے اس نور کو بجھانے کے لئے ظلم و بربریت کی حد کر دی۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے سر کو لوہا تپا کر داغتی لیکن اسے کیا خبر تھی کہ جو ایک دفعہ محبوب کی زلفوں کا اسیر ہو جائے وہ ایسی سزاؤں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ کسی نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حالتِ زار کی خبر حضور ﷺ کو کر دی تو آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اللھم! انصر خبابًا"۔[1]

"اے اللہ! خباب کی مدد فرما"۔

ہمہ وقت مستجاب الدعوات نبی کی اس دعا کا فوری اثر یہ ہوا کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی مالکہ اُم انمار کو سر میں شدید درد کے دورے پڑنے شروع ہو گئے اور اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ شدت درد سے کتے کی طرح بھونکتی تھی۔ کسی نے اسے مشورہ دیا کہ اس میں کمی

---

[1] -حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، 1:482۔ المعجم الکبیر للطبرانی:

کے لیے سر کو داغنا کارگر ہو گا۔ اس مشورہ پر عمل کرنے کے لئے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور کیا گیا اور وہ اس کو لوہے کی گرم سلاخ سے داغتے رہے۔

اس کشتۂ وفا کو دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہونے سے روکنے کے لئے طرح طرح کے حربے آزمائے جاتے رہے لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ انہیں شدت کی گرمی میں لوہے کی ذرہ پہنا کر دھوپ میں پھینک دیا جاتا اور کبھی برہنہ بدن جھلستی ہوئی ریت پر چت لٹا دیا جاتا، جس سے ان کی کمر کا گوشت تمازتِ آفتاب سے جھلس کر رہ جاتا مگر ایمان کی قندیل جو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے دل میں فروزاں تھی اس کی لَو ذرا مدھم نہ ہوئی۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھے۔ ایک دفعہ عاص بن وائل نامی مشرک نے ان سے لوہے کا کام عاریتاً کرایا لیکن جب انہوں نے طے شدہ رقم ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو عاص بن وائل نے نہایت ڈھٹائی سے یہ کہہ کر کچھ رقم کرنے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک واجب الادا رقم نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے سے انکار نہیں کر دیتے۔ اگر تم منحرف ہو گئے تو تمہیں تمہارا واجب الادا قرض لوٹا دوں گا ورنہ نہیں۔ اس پر اس پیکرِ وفا نے یہ کہہ کر اس کافر کا منہ بند کر دیا:

”إني لن أكفر بمحمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حتی تموت ثم تبعث“.

”میں ہرگز ہرگز حبیبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار نہیں کروں گا حتی کہ تو مر کر دوبارہ زندہ کیا جائے“۔[1]

اس پر وہ لعین بولا کہ جب میں دوبارہ اپنے مال و اولاد کے ساتھ زندہ ہو کر آؤں

[1] - بخاری، مسلم، ترمذی۔

گا تو تجھے تیرا ادھار ادا کر دوں گا۔ اس کی کفر آمیز گفتگو کی مذمت میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا ○ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ○ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ○ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾

"کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا کہ مجھے (قیامت کے روز بھی اسی طرح) مال و اولاد ضرور دیئے جائیں گے، وہ غیب پر مطلع ہے یا اُس نے (خدائے) رحمٰن سے (کوئی) عہد لے رکھا ہے، ہرگز ہرگز نہیں! اب ہم وہ سب کچھ لکھتے رہیں گے جو وہ کہتا ہے اور اس کے لئے عذاب (پر عذاب) خوب بڑھاتے چلے جائیں گے، اور (مرنے کے بعد) جو یہ کہہ رہا ہے اس کے ہم ہی وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا (اس کے مال و اولاد ساتھ نہ ہوں گے)"۔

ائمہ حدیث اور مفسرین نے ان آیاتِ قرآنیہ کے شانِ نزول میں محولہ بالا واقعہ درج کیا ہے۔[1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی اس وفاداری بشرطِ اُستواری کے باعث ان سے بہ دل و جاں محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے آپ کو اپنی مسند پر بٹھانے کا اعزاز بخشا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کفار کے ہاتھوں پہنچنے والی اذیت کی تفصیل دریافت کی تو انہوں نے اپنی کمر سے قمیض ہٹا کر امیر المؤمنین کو وہ داغ اور نشانات دکھائے جو اس ظلم و تشدد کا نتیجہ تھے۔ خلیفۃ المسلمین نے ان کی کمر دیکھ کر فرمایا:

ما رأيت كاليوم ظهر رجل.

---

[1] - صحیح بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ مریم۔

"میں نے تو آج تک کسی کی ایسی کمر نہیں دیکھی۔"

اس کے جواب میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ تفصیل آپ رضی اللہ عنہ کے گوش گذار کی:

لقد أوقدت ناراً وسحبت عليها، فما أطفأها إلا ودك ظهري.

"مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا جاتا تھا حتی کہ میری کمر کی چربی (اور خون) سے وہ آگ بجھتی تھی۔"[1]

یہ حسنِ مصطفیٰ ﷺ کی کشش اور دلآویزی تھی کہ جو ایک دفعہ آپ ﷺ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا پھر خواہ اس کا جسم پرزے پرزے کیوں نہ کر دیا جاتا تو اسے کوئی پروا نہ ہوتی، عشق کا نشہ ایسا نہیں تھا کہ جسے کوئی ترشی اتار سکتی۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے 37ھ میں وفات پائی اور کوفہ میں دفن ہوئے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کی قبر سے گزر ہوا تو انہوں نے اس عاشقِ زار کی شان میں ارشاد فرمایا: "رحم الله خبابًا، أسلم راغبًا، وهاجر طائعًا، وعاش مجاهدًا، وابتلى في جسمه." "اللہ تعالیٰ حضرت خباب پر رحم فرمائے، اپنی خوشی سے اسلام لائے اور خوشی سے ہجرت کی اور جہاد میں زندگی گزار دی اور (رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے پر کفار و مشرکین کی طرف سے) جسمانی اذیتیں برداشت کیں۔"[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: سچے عشاق اور ہمارے لیے مشعلِ راہ:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی کمر پر موجود وہ سفید گہرے نشانات گواہی دیتے تھے کہ صحابہ

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، حلبي، السيرة الحلبية۔ اسد الغابه فی معرفة الصحابه: جلد 2، تذکرہ خباب بن الارت۔

[2] هيثمي، مجمع الزوائد، 9 : 299، ابن حجر عسقلاني، الاصابه، طبري، تاريخ لامم والملوک، 3:4108، ابن اثیر، اسد الغابه، 2:5149۔

کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایمان کوئی رسمی کلمہ نہیں تھا، بلکہ وہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے تھے۔

آج ہم معمولی سی مشکل پر گھبرا جاتے ہیں، دنیاوی فائدے کے لیے سنتوں کو قربان کر دیتے ہیں اور فتنوں کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں۔ ذرا سوچیے! اگر حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی کمر کی چربی انگارے بجھا سکتی ہے، تو کیا ہمارا تھوڑا سا وقت، تھوڑی سی مشقت اور جذبۂ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جہنم کی آگ سے نہیں بچا سکتا؟ سچا عشق نعروں میں نہیں، استقامت اور اطاعت میں چھپا ہے۔

❁❁❁

راہِ وفا کی راہی

حضرت سُمَیّہ رضی اللہ عنہا (امِ عمار)

تاریخِ اسلام کا مطلع جن درخشندہ ستاروں سے روشن ہے، ان میں ایک نام حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا ہے، جو صبر و استقامت کا وہ ہمالہ ہیں جسے کفر کی آندھیاں بھی نہ ہلا سکیں۔ جس طرح اسلام لانے کی پہلی سعادت ایک عظیم خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی، بالکل اسی طرح دینِ حق کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والی پہلی شہید ہونے کا اعزاز بھی ایک خاتون، یعنی حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا۔

جیسے ہی انہوں نے توحید کا علم بلند کیا، ظلم کے بادل چھا گئے۔ ابوجہل اور اس کے حواریوں نے اس ضعیفہ پر ستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ انسانیت لرز اٹھے۔

❁ تپتی ہوئی ریت اور دہکتی کنکریوں پر انہیں لٹایا جاتا۔

❁ لوہے کی وزنی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا۔

مکہ کی تپتی وادی میں جب ان کے جسم سے پسینہ نہیں بلکہ خون رستا تھا، تب بھی ان کے خشک لبوں پر صرف "اللہ واحد" کا نذرانہ ہوتا تھا۔ عورت جسے نزاکت کا استعارہ سمجھا جاتا ہے، وہ ایمان کی ایسی آہنی دیوار بن گئیں جسے مکہ کے جلاد اپنی تمام تر طاقت کے باوجود نہ گرا سکے۔

مظلومیت کا یہ عالم تھا کہ جب اللہ کے نبی ﷺ وادیِ ابطح سے گزرتے اور آلِ یاسر کو ان ہولناک اذیتوں میں دیکھتے تو آپ ﷺ کا دل بھر آتا۔ آپ ﷺ ان کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرماتے:

"اے آلِ یاسر! صبر کرو، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے اور جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

ظلم کی انتہا تب ہوئی جب ایک روز بدبخت ابوجہل نے غصے اور بے بسی میں آ کر اس ضعیفہ کے جسم کے نازک حصے پر برچھی کا وار کیا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا تڑپ کر جامِ شہادت نوش کر گئیں، لیکن مرتے دم تک زبان سے کلمہِ حق نہ چھوڑا۔[1]

آپ اسلام کی وہ پہلی مجاہدہ ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے ہی اپنے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ ایمان کی طاقت جب دل میں گھر کر لے، تو موت کا خوف مٹ جاتا ہے اور انسان کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے جان دے سکتا ہے۔

سلام ہو اس عظیم ماں پر، جس نے رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کو پیغامِ وفا دے دیا!

❁❁❁

---

[1] - الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابنِ عبدالبر): جلد 4، صفحہ 1864۔ السیرۃ النبویہ (ابنِ ہشام): جلد 1، صفحہ 320 (مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی زندگی شجاعت، دانائی اور عشقِ رسول ﷺ کا وہ حسین سنگم ہے جہاں باطل کے تمام حربے ناکام ہو جاتے ہیں۔ رومی شہنشاہ کے دربار میں ان کی استقامت نے تاریخ کے دھارے موڑ دیے اور ثابت کر دیا کہ غلامِ مصطفیٰ ﷺ نہ تو تخت و تاج کے لالچ میں آتا ہے اور نہ ہی موت کے خوف سے لرزتا ہے۔

قیصرِ روم کے دربار میں عشقِ صادق کا امتحان:

پیکرِ جرات حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ

تاریخِ اسلام کے اوراق ایک ایسے جری سپاہی کے ذکر سے منور ہیں جن کا قد و قامت جتنا بلند تھا، ان کا کردار اس سے کہیں زیادہ رفیع تھا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ، جو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے معتمد اور سفارتی محاذوں کے شہسوار تھے، جب رومیوں کی قید میں پہنچے تو قیصرِ روم (ہرقل) نے سمجھا کہ شاید یہ وجیہہ و شاندار شخص دنیاوی ترغیبات کا شکار ہو جائے گا، مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے سامنے "مدرسہِ نبوی ﷺ" کا وہ فارغ التحصیل کھڑا ہے جس کے نزدیک کائنات کی ہر شے ہیچ ہے۔

ہرقل نے اپنی سلطنت کا جاہ و جلال دکھایا، اپنی بیٹی کے نکاح کی پیشکش کی اور آدھی سلطنت میں شریک کرنے کا لالچ دیا، صرف اس شرط پر کہ وہ دینِ اسلام چھوڑ دیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی جواب دیا جو آج بھی اہلِ حق کا نعرہ ہے:

"اگر تو اپنی ساری سلطنت بھی میرے حوالے کر دے، تب بھی میں محمد ﷺ کے دین سے ایک لمحے کے لیے بھی دستبردار نہیں ہوں گا۔"

جب لالچ ناکام ہوا تو ہرقل نے دہشت گردی کا راستہ اپنایا۔ انہیں سولی پر لٹکا کر چاروں طرف سے تیروں کی بارش کی گئی، مگر ان کے ماتھے پر پسینے کا ایک قطرہ تک نہ آیا۔ پھر تپتے ہوئے تیل کی دیگ لائی گئی، جس میں ان کی آنکھوں کے سامنے دو مسلمان قیدیوں

کوڑا لا گیا، یہاں تک کہ ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا ہو گیا۔

ظالم نے پوچھا: "اب کیا خیال ہے؟"

لیکن پیکرِ استقامت کے پائے استقلال میں لرزش نہ آئی۔

رونا... مگر کس بات پر؟

جب سپاہی انہیں ابلتے ہوئے تیل کی طرف لے جانے لگے تو ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ ہرقل نے سمجھا کہ شاید اب یہ خوفزدہ ہو گئے ہیں، لیکن جب وجہ پوچھی گئی تو کائنات دنگ رہ گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں موت کے خوف سے نہیں رو رہا، بلکہ اس حسرت میں رو رہا ہوں کہ کاش میرے جسم کے ہر بال کے برابر میری زندگیاں ہوتیں اور میں ایک ایک کر کے وہ تمام زندگیاں اپنے نبی ﷺ کے دین پر قربان کر دیتا۔ افسوس کہ میرے پاس قربان کرنے کے لیے صرف ایک ہی جان ہے!"

ہرقل اس درجے کی فدائیت دیکھ کر ششدر رہ گیا اور اس نے آپ کی جان بخشی کے لیے اپنے سر پر بوسہ دینے کی شرط رکھی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کے لیے نہیں، بلکہ تمام مسلمان قیدیوں کی رہائی کی شرط پر یہ سودا کیا۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ ماجرا سنایا، تو آپ رضی اللہ عنہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر ان کے ماتھے پر بوسہ دیا اور حکم دیا:

"مدینہ کا ہر مسلمان عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر پر بوسہ دے، اور اس کی ابتدا میں (عمر) کرتا ہوں۔"[1]

---

[1] -الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ابن حجر عسقلانی):اسد الغابہ (ابن اثیر).تاریخ الطبری:

اس جرات اور فدائیت کی عکاسی یہ اشعار کرتے ہیں:

عشقِ مصطفیٰ ﷺ وہ آتش ہے جو ہر خوف جلا دیتی ہے
باطل کے ہر نشے کو پل بھر میں بھلا دیتی ہے

* یا یہ شعر جوان کی حسرتِ شہادت کی عکاسی کرتا ہے:

ہزاروں جانیں ہوں تو وہ بھی کردوں نثار ان ﷺ پر
یہ ایک جاں تو بہت ہی مختصر سا نذرانہ ہے

❁❁❁

پہلے شہیدِ ختمِ نبوت:

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ۔ عشقِ صادق کا لہو رنگ عنوان

عشق جب اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو وہ صرف زبان کا نعرہ نہیں رہتا، بلکہ بدن کے ریشے ریشے سے نکلنے والی وہ پکار بن جاتا ہے جو وقت کے فرعونوں اور کذابوں کے ایوانوں میں زلزلہ طاری کر دیتی ہے۔ اسیریِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک ایسا ہی پُرکیف اور تڑپا دینے والا تذکرہ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے، جن کے رگ و پے میں ایمان کی حلاوت اس طرح اتری تھی جیسے پھول میں خوشبو اور شمس میں روشنی پنہاں ہوتی ہے۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کوئی عام مسافر نہیں تھے، بلکہ وہ اس قافلۂ شوق کے ہراول دستے کے سپاہی تھے جنہیں مقامِ عقبہ پر صاحبِ جمال ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد زید بن عاصم رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی مادرِ گرامی حضرت نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا (ام عمارہ رضی اللہ عنہا) ہی وہ عظیم خاتون جن کے گرد غزوہ احد میں

فرشتے پہرہ دیتے تھے بی ایمان کی وہ مستحکم بنیادیں تھیں جن پر حبیب رضی اللہ عنہ کی جوانی پروان چڑھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نسلی مسلمان تھے اور مدینہ کی گلیوں میں آپ رضی اللہ عنہ نے جوارِ رسول ﷺ میں اس طرح وقت گزارا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ہر سانس "جمالِ نبوی ﷺ" کے مشاہدے میں بسر ہوئی۔

جزیرہ نما عرب کے جنوب میں جب دو بدبختوں، اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے نبوت کی قبا چوری کرنے کی ناپاک کوشش کی، تو اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے دل تڑپ اٹھے۔ مسیلمہ کذاب، جو اپنی گمراہی میں اس قدر آگے بڑھ گیا تھا کہ زمین کو دو حصوں میں بانٹنے کی جسارت کرنے لگا، اس نے ایک روز رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں اپنا ناپاک خط بھیجا۔

کذاب کی جسارت اور خط کا متن:

مسیلمہ نے لکھا تھا:

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف!

آدھی زمین ہماری ہوگی اور آدھی قریش کی، مگر قریش ایک ایسی قوم ہے جو ظلم کرتی ہے!"۔

مکتوبِ نبوی ﷺ: کفر کے منہ پر طمانچہ:

رحمتِ عالم ﷺ نے تحریر فرمایا:

"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ:

محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے!

اما بعد! سن لو کہ زمین تو اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، لیکن اچھا انجام صرف متقین (ڈر جانے والوں) کے لیے ہی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ سپیدہ سحر کی مانند نمودار ہوئے جن کی تابانی نے بنو

حنیفہ کے اس کذاب کو رسوا کر کے رکھ دیا، جو نبوت کو محض ایک بادشاہت اور زمین کی تقسیم کا کھیل سمجھ بیٹھا تھا۔

وہ جذبہ کہ کھجور کا لقمہ بھی گراں گزرا:

مسیلمہ کا دربار کوئی عام جگہ نہ تھی، وہ موت کی وادی تھی جہاں قدم قدم پر پہرے اور خونخوار تلواریں تھیں۔ اس نازک وقت میں ایک صحابی کھڑے ہوئے جن کا جسم نحیف، معاش کا ذریعہ مدینہ کی گلیوں میں کھجوریں بیچنا، اور گھر میں گیارہ بارہ معصوم بچوں کی ذمہ داری۔ یہ حبیب بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔

وہ اس وقت کھجور کھا رہے تھے، جیسے ہی سنا کہ حضور ﷺ کو کسی فدائی کی ضرورت ہے، تڑپ کر اٹھے۔ بے قراری کا یہ عالم تھا کہ لبوں سے نکلتے ہوئے الفاظ کے ساتھ کھجور کے ریشے ساتھیوں کے چہروں پر گرے۔ کسی نے کہا:

"**حبیب**! ذرا ٹھہر تو جاؤ، پہلے لقمہ تو مکمل کر لو"۔

عشق کا جواب سنئے! تڑپ کر بولے:

"**خدا کی قسم**! اگر کھجور ختم کرتے کرتے یہ ڈیوٹی کسی اور کے نام لگ گئی تو میں جیتے جی مر جاؤں گا۔ مجھے لقمہ توڑنے کی نہیں، سر تو ڑنے کی جلدی ہے!"۔

تاجدارِ مدینہ ﷺ نے اپنا نیزہ اور گھوڑا عطا فرمایا اور نصیحت کی:

"**حبیب**! ذرا ڈٹ کے جانا"۔

حبیب رضی اللہ عنہ نے گردن جھکائی اور عرض کیا: "آقا! آپ بے فکر رہیں، غلام سر کٹا سکتا ہے مگر آپ کی عزت پر حرف نہیں آنے دے گا"۔

پھر مدینہ والوں نے دیکھا کہ وہ "چابڑی فروش" مدینہ سے یوں نکلا جیسے کوئی فاتحِ عالم نکلتا ہے۔ چال بدل گئی، انداز بدل گیا، کیونکہ اب وہ **حبیب بن زید نہیں، محمد عربی**

ﷺ کا سفیر بن کر جا رہا تھا۔

جب یمامہ پہنچے تو مسیلمہ کے بھرے دربار میں اپنا نیزہ زمین کے سینے میں پیوست کر دیا۔ مسیلمہ نے دہل کر پوچھا: "کون ہو تم؟"

شیرِ خدا کے اس شیدائی نے دھاڑ کر کہا:

"اندھے ہو گئے ہو؟ کیا میرا چہرہ نہیں بتا رہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ادنیٰ غلام ہوں؟ ہمارے تو چہرے گواہی دیتے ہیں کہ ہم کس کے در کے نوکر ہیں۔"

خط پڑھا گیا، جب اس میں لفظ "کذاب" گونجا تو پورے دربار میں سناٹا چھا گیا مگر مسیلمہ غصے سے بھڑک اٹھا۔

اس نے تڑپ کر پوچھا: "تیرے نبی نے مجھے کذاب کہا ہے، تیرا کیا خیال ہے؟"

حبیب رضی اللہ عنہ مسکرائے، وہ مسکراہٹ جس میں ہزاروں طمانچے چھپے تھے، اور فرمایا: "جسے میرا آقا کذاب کہہ دے، کائنات کی کوئی طاقت اسے سچا نہیں کر سکتی۔ تو سات سمندروں سے بھی اپنا آپ دھو لے، تب بھی کذاب ہی رہے گا"۔

مسیلمہ نے ڈرانے کے لیے اپنے لشکر کی طرف اشارہ کیا، نیزوں اور تلواروں کی چھاؤں دکھائی۔ حبیب رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی جملہ کہا جو "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کا منشور ہے:

"او نادان! میرے بارہ بچے ہیں، کچھ تو ابھی چلنا بھی نہیں جانتے۔ میں جب اپنے آقا کا پیغام لے کر نکلا تھا، تب میں نے پیچھے مڑ کر اپنے جگر گوشوں کو نہیں دیکھا، تو تیرے ان کرائے کے سپاہیوں کو کیا دیکھوں گا؟ جو جی میں آتا ہے کر لے، غلامِ محمد ﷺ جان دینے سے نہیں ڈرتے!"۔

پھر ظلم کا وہ رقص شروع ہوا جسے دیکھ کر عرش والے بھی وجد میں آ گئے۔

مسیلمہ نے گونج دار آواز میں پوچھا:

"أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ؟"

(کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟)

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی آواز مقتل کی فضاؤں میں شیر کی دھاڑ بن کر گونجی:

"نَعَمْ! أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ!"

(ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں!)

حبیب رضی اللہ عنہ کے اس دوٹوک جواب سے مسیلمہ کا چہرہ رسوائی کی زردی سے بھر گیا۔ اس نے جھنجھلا کر دوسرا سوال کیا:

"أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ؟"

(کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟)

تب اسیرِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ جواب دیا جس نے کذاب کی فرعونیت کو خاک میں ملا دیا:

"أَنَا أَصَمُّ لَا أَسْمَعُ!"

"میں بہرہ ہوں! میرے کان تمہاری یہ ہرزہ سرائی سننے سے انکاری ہیں"۔

یہ جملہ نکلتے ہی مسیلمہ کے چہرے کی زردی جل کر راکھ ہو جانے والے کوئلے کی سیاہی میں بدل گئی۔ اسے اپنے مریدوں کے سامنے ایسا زوردار طمانچہ پڑا کہ اس کی جعلی ہیبت ہوا ہو گئی۔ وہ کسی ذبح شدہ سانڈ کی طرح پھنکارا اور اپنے اس جلاد کو پکارا جو اپنی تلوار سے بوٹی بوٹی کرنے کو تیار تھا۔

کذاب نے چیخ کر کہا: "اس کے بدن کا ایک ٹکڑا اڑا دو!"

جلاد نے تلوار ماری اور حبیب رضی اللہ عنہ کا ایک بازو کٹ کر زمین پر تڑپنے لگا۔

مسیلمہ نے پھر پوچھا: "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟"

حبیب رضی اللہ عنہ نے لہو میں لت پت ہو کر پکارا:

"نَعَمْ ! أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ!"

پھر وہی سوال ہوا کہ "کیا میں اللہ کا رسول ہوں؟" تو اس عاشقِ صادق نے پھر وہی جواب دیا: "میرے کان وہ بات سننے سے قاصر ہیں جو تم کہہ رہے ہو۔"

مسیلمہ کذاب کے اشارے پر جلاد نے دوسرا بازو بھی اڑا دیا۔ لوگ حیرت و تعجب سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کیسا "اسیرِ جمال" ہے کہ جس کے بدن کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں مگر اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔

مسیلمہ سوال کرتا رہا اور جلاد حبیب رضی اللہ عنہ کے بدن کی بوٹیاں اڑاتا رہا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا آدھا جسم ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھرا ہوا تھا اور آدھا دھڑ باقی رہ گیا تھا۔ جب تلوار نے سینے اور گردن کا رخ کیا، تو بالآخر آپ رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ و عظیم روح پرواز کر گئی، مگر زبانِ مبارک پر "ختمِ نبوت زندہ باد" اور "محمد رسول اللہ ﷺ" کا ورد جاری تھا۔

لکھتا ہوں خونِ دل سے یہ الفاظ احمریں
بعد از رسولِ ہاشمی ﷺ کوئی نبی نہیں!

ادھر یمامہ میں حبیب رضی اللہ عنہ کی گردن کٹی، ادھر مدینہ منورہ میں رحمتِ عالم ﷺ کی آنکھوں سے موتیوں جیسے آنسو چھلک پڑے۔ صحابہ نے بے چینی سے پوچھا:

"یارسول اللہ! خیر ہو؟" آپ ﷺ نے رندھی ہوئی آواز میں فرمایا:

"میرا حبیب شہید ہو گیا ہے، اور ربِ کریم نے اس کے استقبال کے لیے جنت کے تمام دروازے کھول دیے ہیں"

ادھر جب یہ خبر حبیب رضی اللہ عنہ کی والدہ، شیر دل خاتون حضرت نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا تک پہنچی، تو غم کی لہر نے ان کے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک

اپنے دانتوں کو بھینچے رکھا، گویا اپنے صدمے کو ضبط کر رہی ہوں۔ پھر جب دانتوں کو کھولا تو زبان پر ایک ہی قسم تھی: ”خدا کی قسم! میں خود مسیلمہ سے اپنے بیٹے کا انتقام لوں گی اور اس ناپاک کے جسم میں اپنی تلوار اور نیزہ پیوست کر کے رہوں گی“۔

قدرت کو ایک ماں کا یہ تڑپتا ہوا دل اور غیرتِ ایمانی سے لبریز یہ ادا اتنی پسند آئی کہ عرش والے نے ان کی قسم کی لاج رکھنے کا فیصلہ فرما لیا۔

معرکہِ یمامہ: غیرتِ نسیبہ رضی اللہ عنہا کی للکار:

وہ وقت بھی آ گیا جب خلیفہِ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کذابِ یمامہ کی سرکوبی کے لیے لشکرِ اسلام روانہ کیا۔ حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا اس لشکر میں ایک عام خاتون کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک زخمی شیرنی کی طرح شامل ہوئیں۔ میدانِ کارزار میں جب تلواریں ٹکرا رہی تھیں، حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا دشمن کی صفوں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔

ان کے دائیں ہاتھ میں تلوار تھی، بائیں میں نیزہ، اور زبان پر یہ لرزہ خیز للکار تھی:

”أَیْنَ عَدُوُّ اللهِ مُسَیْلَمَةُ الْكَذَّابُ؟“

(اللہ کا دشمن مسیلمہ کذاب کہاں ہے؟)

وہ مسیلمہ کو اس طرح ڈھونڈ رہی تھیں جیسے عقاب اپنے شکار کو تلاش کرتا ہے۔

فتحِ مبین اور حبیب رضی اللہ عنہ کا مسکراتا چہرہ:

بالآخر مسیلمہ کذاب قتل ہوا، اس کے پیروکار دھنکی ہوئی روئی کی طرح بکھر گئے اور یمامہ کی سرزمین پر پرچمِ اسلام بلند ہوا۔ اس فتح کے لمحے حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا کھڑی تھیں، ان کا جسم زخموں سے چھلنی تھا، مگر آنکھوں میں وہ نور تھا جو زمان و مکان کی قید سے آزاد تھا۔ وہ اس طرح خلا میں دیکھ رہی تھیں گویا اپنے شہید بیٹے حبیب رضی اللہ عنہ کے روئے مبارک کا دیدار کر رہی ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کے لختِ جگر کی عظمت نے پوری کائنات کو اپنی خوشبو سے بھر دیا ہے۔ فتح و نصرت کی خوشی میں وہ جس پرچم کی طرف نگاہ اٹھاتیں، انہیں ہر لہراتے ہوئے علم پر اپنے بیٹے حبیب رضی اللہ عنہ کا چہرہ ہنستا اور مسکراتا دکھائی دیتا۔ یہ اس "اسیری جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا صلہ تھا جس نے ایک ماں کو فاتح بنا دیا اور بیٹے کو تا قیامت "پہلا شہیدِ ختمِ نبوت" بنا کر زندہ کر دیا۔[1]

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ جب بات "ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی ہو، تو پھر نہ رشتے دیکھے جاتے ہیں، نہ جسم کی سلامتی مانگی جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک سب سے بڑی سعادت یہی تھی کہ ان کا لہو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بہہ جائے۔

❁❁❁

نازونعم سے فقرِ اختیاری تک:

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی داستانِ عشق

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زندگی "عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور "قربانی" کا وہ استعارہ ہے جو قیامت تک آنے والے نوجوانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ایک ایسا نوجوان جس کے قدموں میں مکہ کی دولت تھی، جس کی زلفوں کی مہک گلیوں کو معطر کر دیتی تھی، اس

---

[1] - الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر): اس میں حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں ان کے اعضا کٹنے کا تفصیلی ذکر ہے۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر)۔ سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی)۔

نے جب اللہ کے محبوب ﷺ کے قدموں میں سر جھکایا تو دنیا کی ہر آسائش کو ٹھکرا دیا۔

مکہ کی گلیوں میں ایک ایسا نوجوان بھی تھا جس کے گزرنے کے بعد دیر تک فضا معطر رہتی تھی۔ جس کے ریشمی ملبوسات اور حضرموت کے نفیس جوتے دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتے تھے۔ جس کی زلفیں مکہ کے تمام جوانوں میں سب سے زیادہ دلکش تھیں، اور جس کی ماں کی بے پناہ دولت اس کے اشاروں پر نثار ہوتی تھی۔ یہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے، جنہیں مکہ کا "**شاہزادہ**" کہا جاتا تھا۔

جب کوہِ صفا سے توحید کی صدا بلند ہوئی، تو اس ناز و نعم میں پلے نوجوان کے دل کی بستی میں ہلچل مچ گئی۔ وہ دارِ ارقم پہنچے، جہاں رحمتِ عالم ﷺ حق کی شمع روشن کیے ہوئے تھے۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے جب رخِ مصطفیٰ ﷺ کی زیارت کی اور کلامِ الٰہی سنا، تو مکہ کی تمام رونقیں ان کی نظر میں ہیچ ہو گئیں۔ انہوں نے خاموشی سے اسلام قبول کر لیا، لیکن حالات کی نزاکت کے سبب اپنے ایمان کو چھپائے رکھا۔ وہ چھپ چھپ کر حضور ﷺ کی محفل میں حاضر ہوتے اور عشقِ رسول ﷺ کے جام پیتے رہے۔

عشق کبھی چھپائے نہیں چھپتا۔ ایک دن عثمان بن طلحہ نے انہیں نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی والدہ کو خبر کر دی۔ وہی ماں جو کل تک ریشم و اطلس پہناتی تھی، آج دشمن بن گئی۔ قوم اور خاندان نے مل کر انہیں قید کر دیا تاکہ وہ اس "**راستہ**" سے ہٹ جائیں۔ لیکن جس نے جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا مشاہدہ کر لیا ہو، اسے قید و بند کی صعوبتیں کیا ڈرا سکتیں؟

وہ طویل عرصے تک قید تنہائی میں رہے، بھوک اور پیاس برداشت کی، یہاں تک کہ ہجرتِ حبشہ کا موقع آیا اور وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد جب وہ حبشہ سے واپس مکہ آئے، تو دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ وہ مصعب رضی اللہ عنہ جن کے بدن پر دنیا کا قیمتی ترین عطر مہکتا تھا، اب ان کے بدن پر ایک پھٹا ہوا

کمبل تھا جس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان کی وہ نرم و نازک جلد، جو ریشم کی عادی تھی، اب سختیوں سے جھلس چکی تھی۔

جب حضور ﷺ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"**دیکھو!** اس نوجوان کو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں دنیا کی ہر آسائش کو قربان کر دیا۔"

ان کی والدہ، جو کل تک انہیں ملامت کرتی تھی، جب اس حال میں دیکھا تو اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ اس نے دیکھ لیا کہ مصعب رضی اللہ عنہ کے دل میں محمد ﷺ کی محبت کا وہ چراغ جل چکا ہے جسے دنیا کی کوئی آندھی نہیں بجھا سکتی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زندگی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جب دل میں سچا عشقِ رسول ﷺ سما جائے، تو انسان شاہی لباس سے زیادہ پیوند لگے لباس میں سکون محسوس کرتا ہے۔ وہ مکہ کے پہلے "**سفیرِ اسلام**" بنے اور مدینہ میں اسلام کی بنیاد رکھی۔

جو ہو عشقِ نبی ﷺ دل میں تو دنیا ہیچ لگتی ہے
لباسِ فقر میں بھی بادشاہی رقص کرتی ہے

علامہ اقبال کا یہ شعر ان کی حالت پر خوب صادق آتا ہے:

فقرِ است یہاں سرِ مصطفیٰ ﷺ
فقرِ است وارثِ انبیاء ﷺ

ترجمہ: فقر ہی حضور ﷺ کا راز ہے، اور یہی فقر انبیاء علیہم السلام کی اصل میراث ہے۔

❁❁❁

باب چہارم

حصولِ برکت اور تبرکاتِ نبوی ﷺ سے والہانہ عشق

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ سے حصولِ برکت کے واقعات)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تبرکات کی معجزانہ تاثیر اور حیرت انگیز فیضان کا صبح و شام مشاہدہ کیا کرتے تھے، اس لئے ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ ان تبرکات کے کسی حصے سے محروم نہ رہیں، چاہے وہ تھوڑا ہی ہو۔

احادیث مبارکہ اور کتبِ سیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عشاقِ مصطفی رضی اللہ عنہم محمد مصطفی ﷺ سے دعا کروانے کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتوں میں آپ ﷺ سے برکت حاصل کرتے تھے،اس طرح کی مثالیں جا بجا بکھرے نظر آتی ہیں مثلا،

کہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پسینہ مبارک اور لعابِ دہن مبارک سے تبرک حاصل کرتے نظر آتے ہیں تو کہیں حضور ﷺ کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کرتے جس پانی سے آپ ﷺ دست اقدس دھوتے اس دھوون سے اور آپ ﷺ کے دست مبارک کا اپنے اوپر مسح کرواتے خود آپ ﷺ کے جسم اطہر کو تبرکاً مس کرتے، آپ ﷺ کے بچے ہوئے کھانے سے تبرک حاصل کرتے، اسی طرح، وہ موئے مبارک جو حجامت کے وقت اترتے، نیچے نہ گرنے دیتے تھے،

مزید برآں ناخن مبارک سے، لباس مبارکِ سے، عصاء مبارک سے، انگوٹھی مبارک سے، بستر مبارک سے، چار پائی مبارک سے، چٹائی مبارک سے، الغرض ہر اس چیز سے تبرک حاصل کرتے جس کی سرورکونین ﷺ کے جسمِ اقدس سے کچھ نہ کچھ نسبت ہوتی حتی کہ محبوب ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے آپ

ﷺ کی روضہ انور سے اور آپ ﷺ کے منبر مبارک سے بھی تبرک حاصل کیا بلکہ جن مکانوں اور رہائش گاہوں میں محبوب ﷺ نے سکونت اختیار فرمائی، جن جگہوں پر حبیب کائنات ﷺ نے نمازیں ادا فرمائیں اور جن راستوں سے حضور پُرنور ﷺ گزرے ان کی گرد و غبار تک کو انہوں نے موجبِ برکت جانا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کے عشاق صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے ادوار کے بعد نسلاً بعد نسلاً ہر زمانے میں اکابر ائمہ و مشائخ اور علماء و محدثین کے علاوہ خلفاء و سلاطین رحمۃ اللہ علیہم حضور ﷺ کے آثار و تبرکات کو بڑے ادب و احترام سے محفوظ رکھتے چلے آئے ہیں اور خاص مواقع پر بڑے اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو ان تبرکات کی زیارت کروائی جاتی تھی۔

عشاقِ مصطفیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پیارے محمد ﷺ کے زیرِ استعمال متعدد چیزیں بطور تبرک موجود تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے منسوب ان چیزوں سے حصولِ برکت کے لئے جس جذبۂ عقیدت و محبت کا اظہار اپنی زندگیوں میں کیا اس حوالے سے چند روایات درج ذیل ہیں۔

اس باب میں پہلا تذکرہ سیدہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے اس منفرد عمل کا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ ایک "اسیرہِ جمال" کے لیے محبوب کی قبر کی خاک بھی کستوری سے بڑھ کر تھی۔

تبرکاتِ نبوی ﷺ اور حصولِ برکت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھنے والی ہر شے مقدس اور بابرکت تھی۔ وہ صرف آپ ﷺ کے جمال کے اسیر نہ تھے، بلکہ آپ ﷺ کے استعمال شدہ لباس، موئے مبارک (بالوں) اور یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قدموں تلے آنے والی خاک کو بھی اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مزارِ اقدس کی خاکِ پاک:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم دیدنی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا اکثر مزارِ انور پر تشریف لاتیں اور اپنے بابا جان کے فراق میں تڑپتیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا مزارِ اقدس پر حاضر ہوئیں، وہاں کی تھوڑی سی خاک اٹھائی اور اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور سونگھنے لگیں۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی زبان پر یہ رقت آمیز اشعار تھے:

مَاذَا عَلَى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدٍ
أَنْ لَا يَشَمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا
صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

ترجمہ:

1- اس شخص پر کیا حرج ہے جس نے احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے مزار) کی مٹی سونگھ لی ہو، کہ وہ اب رہتی دنیا تک کسی اور خوشبو کو نہ سونگھے (کیونکہ اس مٹی کی خوشبو تمام خوشبوؤں پر بھاری ہے)۔

2- مجھ پر غم واندوہ کے وہ پہاڑ ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ روشن دنوں پر گرتے تو وہ بھی کالی راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا جذبۂ عشق اور موئے مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ موئے مبارک (بال) محفوظ تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں

---

[1]- القسطلاني، المواهب اللدنية/ الشامی، سبل الهدى والرشاد: 12/338۔

نے وصیت فرمائی کہ یہ موئے مبارک ان کے کفن میں رکھ دیے جائیں یا ان کی آنکھوں پر رکھ دیے جائیں تا کہ قبر کی تنہائی میں بھی انہیں "جمالِ یار" کی نسبت کا سہارا میسر رہے۔

وضو کا پانی اور اسیرانِ جمال کا اضطراب:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور ﷺ کے جسدِ اطہر کو چھو کر گزرنے والی ہر شے آبِ حیات سے بڑھ کر تھی۔ ان کے نزدیک وہ پانی محض نجاست دور کرنے کا ذریعہ نہ تھا، بلکہ وہ "خوشبوئے محمدی ﷺ" اور "نورِ نبوت" کا امین بن چکا ہوتا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آمد اور عشاق کا ہجوم:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ عشق و مستی کا ایک ایسا ہی منظر بیان فرماتے ہیں جسے دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا:

"سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی (یا استعمال شدہ پانی) لے کر باہر تشریف لائے۔ جیسے ہی لوگوں نے وہ تبرک دیکھا، وہ اس کی طرف بے تحاشا بھاگے۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ اس نوری پانی کا کچھ حصہ اسے مل جائے۔"

اسیرانِ جمال کی تڑپ کا عالم یہ تھا:

جس خوش نصیب کے ہاتھ وہ پانی آ گیا، اس نے اسے (بڑی عقیدت سے) اپنے چہرے پر مل لیا۔ اور وہ محروم عشاق جنہیں براہِ راست پانی نہ مل سکا، انہوں نے اپنے ان ساتھیوں کے ہاتھوں سے ہی کچھ نہ کچھ نمی حاصل کر لی جن کے ہاتھ گیلے تھے، اور اسی تبرک کو اپنے چہرے اور سینے کی ٹھنڈک بنا لیا۔[1]

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ اضطراب تھا جو ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک محبوب

---

[1] - صحیح بخاری: 187 / صحیح مسلم: 503۔

کے پسینے اور وضو کے پانی میں بھی وہ شفا اور نور تھا جو دنیا کے تمام چشموں میں نہیں مل سکتا۔ جسے پانی نہ ملا، اس نے نمی پر ہی اکتفا کر لیا؛ یہ "**قناعت**" نہ تھی بلکہ یہ اس "**نسبت**" کی تڑپ تھی جو انہیں محبوب کے وجودِ مسعود سے جوڑے رکھتی تھی۔

❁❁❁

تبوک کا تپتا ریگستان اور
چشمۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیا باری

عشق و مستی کے قافلے میدانِ تبوک کی طرف رواں دواں تھے، جہاں اسیرانِ جمال اپنے محبوب قائد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تپتے ہوئے صحراؤں کو روند رہے تھے۔ مجاہدین کے چہروں پر شوقِ شہادت کی سرخی شفق کی طرح بکھری ہوئی تھی، مگر شدید گرمی اور پانی کی قلت نے جاں نثاروں کو آزمائش میں ڈال رکھا تھا۔ ایسے میں لسانِ نبوت سے ایک ایسی نوید نکلی جس نے مرجھائے ہوئے چہروں کو گلزار بنا دیا۔

سفر کی تھکن اور پیاس کی شدت کے عالم میں مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ عَيْنَ تَبُوكَ. وَإِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتَّى يُضْحِيَ النَّهَارُ"۔ [1]

(**ان شاء اللہ!** کل تم چشمہ تبوک پر پہنچ جاؤ گے، اور اس وقت پہنچو گے جب دن چڑھ چکا ہو گا۔)

---

[1] - صحیح مسلم: 706/ مسند احمد: 22079۔

ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ تاکیدی حکم بھی دیا:

"فَمَنْ جَاءَهَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَائِهَا شَيْئًا حَتَّى آتِيَ"

(تم میں سے جو بھی وہاں پہلے پہنچ جائے، وہ پانی کو ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ میں خود وہاں پہنچ جاؤں۔)

دو منافقین نے اس حکمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پروا نہ کی اور پہلے پہنچ کر پانی کو آلودہ کر دیا۔ جب قافلۂ حق وہاں پہنچا تو چشمے کی حالت یہ تھی کہ پانی ایک باریک لکیر کی طرح بہ رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چلو بھر بھر کر ایک برتن میں تھوڑا سا پانی جمع کیا۔

اب وہ وقت آیا جب قدرت نے یہ ثابت کرنا تھا کہ جو پانی "جسمِ اطہر" سے لگ جائے وہ کائنات کے لیے آبِ حیات بن جاتا ہے۔ روایت میں آتا ہے:

"غَسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِيهَا"۔[1]

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس برتن کے پانی سے اپنے دستِ مبارک اور چہرۂ انور دھویا، پھر وہ متبرک پانی دوبارہ چشمے میں انڈیل دیا۔)

جونہی یہ "غسالۂ مبارک" چشمے کی تہہ تک پہنچا، وہاں قدرت کا کرشمہ ظاہر ہوا:

"فَجَرَتِ الْعَيْنُ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ"۔

(پانی زبردست جوش کے ساتھ جاری ہو گیا اور دھارے بہہ نکلے۔)

چشمہ جو کہ نام کو پانی رکھتا تھا، اب اس کی تاثیر یہ تھی کہ تیس ہزار کا لشکر اور ان کے جانور سیراب ہو گئے اور ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ اس مشاہدے نے عشاق پر یہ حقیقت منکشف کر دی کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ مبارک سے مس ہونے والا پانی نہ صرف پیاس بجھاتا ہے بلکہ خشک زمینوں سے سوتے پھوڑنے کی تاثیر بھی رکھتا ہے۔

---

[1] -صحیح مسلم، کتاب الفضائل: 2281/ البدایہ والنہایہ: 16/5۔

حضور ﷺ نے اس موقع پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے جو تاریخی جملہ فرمایا، وہ آج بھی سچ ثابت ہو رہا ہے: "يُوشِكُ يَا مُعَاذُ إِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ، أَنْ تَرَى مَا هَا هُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَانًا"۔[1]

اے معاذ! اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہ علاقہ باغوں سے بھر جائے گا۔

یہ اسیرانِ جمال کی وہ والہانہ عقیدت تھی جو انہیں مجبور کرتی تھی کہ وہ محبوب ﷺ کے استعمال شدہ پانی کے ایک قطرے کو بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ ان کے نزدیک وہ پانی محض ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب نہ تھا، بلکہ وہ "**نورِ نبوت**" کا وہ حصہ تھا جس میں شفا، برکت، تاثیر اور فیض کے ایسے سمندر پنہاں تھے جن کا مقابلہ کائنات کی کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ اسی لیے پروانے اس متبرک پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے تھے جیسے پیاسا آبِ حیات پر گرتا ہے۔

❁❁❁

[1] - مشکاۃ المصابیح: 5905۔

خدامِ مدینہ کی صبح اور دستِ مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت:

مدینہ منورہ کے در و دیوار اس بات کے گواہ ہیں کہ وہاں کے باسیوں کی صبح کا آغاز ہی "ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی برکتوں سے ہوتا تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ عشق و عقیدت کا وہ منظر بیان فرماتے ہیں جو رہتی دنیا تک کے تبرک کے قائلین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

خدامِ مدینہ کا یہ معمول تھا کہ وہ صبحِ صادق کے وقت اپنے برتنوں میں پانی بھر کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو جاتے تھے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ کائنات کے والی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک اس پانی کو چھو لیں تا کہ ان کے گھروں میں خیر و برکت کے دریا بہہ نکلیں۔

"كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِينَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيهَا الْمَاءُ، فَمَا يُؤْتَى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيهِ، وَرُبَّمَا جَاءُوهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيهِ"۔[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو مدینہ کے خدام اپنے پانی کے برتن لے کر آ جاتے۔ جس برتن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دستِ مبارک اس میں ڈبو دیتے۔ بسا اوقات سخت سردی کی صبح ہوتی، تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلجوئی کے لیے) اپنا ہاتھ اس میں ڈبو دیتے"۔

یہ اسیرانِ جمال کا وہ والہانہ پن تھا کہ وہ اپنے دن کا آغاز ہی لمسِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرنا چاہتے تھے۔

❁❁❁

---

[1] - صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب قرب النبی ﷺ من الناس و تبرکھم بہ۔

وضو کا بچا ہوا پانی اور محبت کا اعتراف:

ایک اور ایمان افروز واقعہ حضرت ابوقرارہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس "تلاشِ برکت" کی عکاسی کرتا ہے جو وہ ہر موڑ پر کیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کے لیے پانی منگوایا، اس برتن میں ہاتھ ڈال کر وضو فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے تو پروانوں نے اس بچے ہوئے پانی کو پانے کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔

"دَعَا بِطَهُورٍ فَغَمَسَ يَدَهُ فِيهِ فَتَوَضَّأَ فَتَتَبَّعْنَاهُ فَحَسَوْنَاهُ"۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کے لیے پانی منگوایا، اس میں ہاتھ ڈال کر وضو فرمایا، تو ہم نے (بڑی کوشش سے) اس پانی کو حاصل کیا اور اسے پی لیا"۔

ان عشاق نے بھی اپنے جذبات کو چھپانے کے بجائے برملا عرض کیا:

"یہ سب کچھ ہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے کیا ہے"۔

اسیرانِ جمال کے اس جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ نسخہ عطا فرمایا جو "محبتِ صادقہ" کی دلیل ہے:

"اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ساتھ محبت کریں، تو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرو، جب بات کرو تو سچ بولو اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ تبرک حاصل کرنا عینِ سنتِ صحابہ ہے، لیکن محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تبرک کے ساتھ "اخلاقِ حسنہ" کی شرط لگا کر یہ واضح کر دیا

---

[1] -الامام البیھقی: شعب الایمان، باب فی اکرام النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کہ سچی محبت صرف پانی پینے میں نہیں، بلکہ محبوب کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہے۔ اسیرانِ جمال جہاں آپ ﷺ کے جسمِ اطہر سے مس ہونے والی اشیاء کو سینے سے لگاتے تھے، وہیں آپ ﷺ کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بھی بناتے تھے۔

❁❁❁

جعرانہ کا مقام:

تبرکِ نبوی ﷺ کی قدر شناس ہستیاں

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان "جعرانہ" وہ مقام ہے جہاں تقسیمِ غنائم کے وقت عشق اور دنیا پرستی کے دو متضاد رویے سامنے آئے۔ ایک طرف وہ بدنصیب تھا جو کائنات کے سب سے بڑے سخی کے سامنے کھڑے ہو کر مادی دنیا کا طالب تھا، اور دوسری طرف وہ "اسیرانِ جمال" تھے جن کے لیے حضور ﷺ کے وضو کا پانی ہی کائنات کا سب سے بڑا خزانہ تھا۔

ایک اعرابی (دیہاتی) بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور بڑی رعونت سے اپنے کسی مطالبے کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے اس کی تلخ کلامی کو نظر انداز کرتے ہوئے کمالِ شفقت سے فرمایا: "اَبْشِر" (خوش ہو جاؤ، یعنی ہم سے خوشخبری لے لو)۔

وہ بدقسمت، جس کی نظر صرف دنیاوی مال و متاع پر تھی، بولا: "خوشخبری تو آپ ہمیں بہت دیتے ہیں، ہمیں تو مال دیجیے!"

اس کی یہ ڈھٹائی اور "بشارتِ نبوی ﷺ" کی تحقیر آپ ﷺ کو ناگوار گزری۔ آپ ﷺ نے وہاں موجود اپنے دو جاں نثاروں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت

بلال رضی اللہ عنہ کی طرف رخِ انور پھیرا اور فرمایا:

"رَدَّ هٰذَا الْبُشْرٰى، فَاقْبَلَا أَنْتُمَا"۔

"اس نے تو خوشخبری کو رد کر دیا، اب تم دونوں اسے قبول کر لو"۔

ان پروانوں کو اور کیا چاہیے تھا؟ وہ تڑپ کر پکار اٹھے: "قَبِلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ"۔ یارسول اللہ! ہم نے یہ بشارت قبول کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں قدسی صفات صحابہ کو فیض یاب کرنے کے لیے پانی کا ایک برتن منگوایا۔ اس میں اپنے دستِ مبارک دھوئے، چہرہِ انور دھویا اور کلی فرمائی۔ پھر وہ "دھوون" ان کی طرف بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اشْرَبَا مِنْهُ، وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا، وَأَبْشِرَا"۔[1]

"اسے پی لو، اسے اپنے چہروں اور سینوں پر ڈالو اور خوش ہو جاؤ"۔

اس برتن میں موجود پانی اب صرف پانی نہ تھا، بلکہ اس میں "لعابِ دہنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور "لمسِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی وہ تاثیر شامل ہو چکی تھی جو مردہ دلوں کو زندگی بخش دیتی ہے۔ پردے کے پیچھے موجود ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ وہ "آبِ حیات" ہے جس کا ایک قطرہ بھی ضائع کرنا عشق کے خلاف ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا نے وہیں سے پکارا:

"أَفْضِلَا لِأُمِّكُمَا مِمَّا فِي إِنَائِكُمَا"۔

"اپنی ماں کے لیے بھی اس برتن میں سے کچھ بچا کر رکھنا!"

چنانچہ ان دونوں حضرات نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی اس خواہش کا احترام کیا اور اس تبرکِ عظیم سے انہیں بھی حصہ دیا۔

---

[1] -صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف (رقم الحدیث: 4328)۔

یہ واقعہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس کی "نگاہِ ایمان" روشن ہو، اسے محبوب کے وضو کے پانی میں بھی وہ انوار نظر آتے ہیں جو دنیا کے تمام خزانوں میں نہیں مل سکتے۔ اعرابی نے مال مانگا اور محروم رہا، بلال رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے "بشارت اور تبرک" کو چنا اور ابدی سعادت پا گئے۔ اسیرانِ جمال کی یہی پہچان ہے کہ وہ محبوب کی ہر نسبت کو کائنات کی ہر نعمت پر ترجیح دیتے ہیں۔[1]

❁❁❁

پس خوردہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:
اسیرانِ جمال کی بیش بہا دولت

"اسیرانِ جمال" کے نزدیک کائنات کی تمام لذتیں ایک طرف اور محبوب ﷺ کے لبوں سے مس ہو کر بچ جانے والا ایک گھونٹ پانی یا دودھ ایک طرف تھا۔ وہ اس "پس خوردہ" (جھوٹے) کو صرف برکت نہیں بلکہ اپنی روح کی غذا اور خوش بختی کی معراج سمجھتے تھے۔

عشق و ادب کا ایک حسین منظر ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرہِ مبارک میں پیش آیا۔ حضور ﷺ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کی دائیں جانب نوعمر عاشق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بائیں جانب سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ دسترخوان پر دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔

حضور ﷺ نے نوش فرمایا اور پھر سنتِ نبوی کے مطابق دائیں طرف بیٹھے ہوئے

---

[1] -صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل ابی موسیٰ وابي عامر الاشعریین (رقم:2497)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر ایک لطیف رعایت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم دائیں طرف ہو اس لیے حق تمہارا ہے، لیکن خالد (بن ولید) تم سے عمر میں بڑے اور پہلے آئے ہیں، اگر تم اجازت دو تو (پہلے) انہیں دے دوں؟"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جو علم و حکمت کے سمندر تھے، اس موقع پر سراپا "عشق" بن گئے اور عرض کیا:

"مَا كُنْتُ أُوثِرُ عَلَى سُؤْرِكَ أَحَدًا"۔[1]

(یا رسول اللہ! جو آپ کا پس خوردہ ہے، اس پر میں کسی دوسرے کو ترجیح دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔)

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی انا نہ تھی، بلکہ اس "تبرکِ عظیم" کو پانے کی وہ تڑپ تھی جس کے سامنے بڑے سے بڑے منصب کی رعایت ہیچ تھی۔

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا ایثار اور تبرک کے لیے روزہ کی قربانی:

محبت کا ایک اور والہانہ انداز سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت میں ملتا ہے۔ وہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھی تھی کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں مشروب پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرمایا اور پھر بچا ہوا تبرک مجھے عنایت فرمایا۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی تاخیر کے اسے پی لیا، حالانکہ وہ روزے سے تھیں۔ تبرک پانے کے بعد انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے ایک خطا ہو گئی ہے، میں روزے سے تھی مگر آپ کا عطا کردہ تبرک پانے کے لیے میں نے روزہ توڑ دیا، میرے لیے استغفار فرمائیے۔"[2]

---

[1] -جامع الترمذی: کتاب الاشربہ، باب ما جاء فی شرب اللبن (رقم: 1894)۔

[2] -سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب فی الصائم یتطوع فیأکل (حدیث نمبر: 2456)۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اسیرِ جمال کی اس تڑپ پر کوئی سرزنش نہ فرمائی، بلکہ ان کی اس محبت کو قبول فرمایا (کیونکہ وہ نفلی روزہ تھا)۔

یہ اسیرانِ جمال کی وہ والہانہ جاں نثاری تھی کہ ان کے نزدیک نفلی عبادت کی قضاء تو ہوسکتی تھی، مگر محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لبوں سے لگے ہوئے پیالے سے محرومی کا کوئی بدل نہ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حق نہ چھوڑنا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کا روزہ توڑ دینا ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک "نسبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کائنات کے ہر عمل اور ہر فضیلت پر مقدم تھی۔

پسینۂ مبارک:

کائنات کی خوشبوؤں کا منبع

"اسیرانِ جمال" کے نزدیک حضور ﷺ کا پسینہ مبارک محض ایک جسمانی رطوبت نہ تھی، بلکہ وہ کائنات کی تمام خوشبوؤں کا نچوڑ اور منبع تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پسینے کو جمع کرنا اور اسے اپنے عطر میں شامل کرنا اپنی خوش بختی کی معراج سمجھتے تھے۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور پسینۂ مبارک کی شیشیاں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرمایا۔ آپ ﷺ کو پسینہ آیا تو میری والدہ (حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا) ایک شیشی لے آئیں اور آپ ﷺ کا پسینہ مبارک اس میں جمع کرنے لگیں۔ حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟"

انہوں نے عرض کیا:

"یَا رَسُولَ اللهِ! نَرْجُو بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا"۔

"(یا رسول اللہ!) ہم اس کے ذریعے اپنے بچوں کے لیے برکت کی امید رکھتے ہیں۔"

ایک اور روایت میں ہے: "یہ ہماری خوشبوؤں میں سب سے بہترین خوشبو ہے۔"[1]

حضور ﷺ نے ان کے اس عمل کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور منع نہ کیا۔

مشک و عنبر سے بہتر خوشبو:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ، جو دس سال تک سایۂ نبوت میں رہے، وہ اس بے مثال خوشبو کی

[1] - صحیح مسلم: 2331 / صحیح بخاری: 6281۔

گواہی ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"مَا شَمَمْتُ عَنْبَرًا قَطُّ وَلَا مِسْكًا وَلَا شَيْئًا أَطْيَبَ مِنْ رِيحِ رَسُولِ اللهِ ﷺ "۔[1]

"میں نے کبھی کوئی عنبر، مشک یا کوئی اور چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ معطر نہیں پائی۔"

بسی ہے یاد تیری دل میں، اس طرح اے جانِ عالم!
کہ جیسے مشک بسا ہو، نافۂ آہوئے تاتار میں
تیری گلی کی خاک بھی، مشک و عبیر ہے
خوشبو ترے پسینے کی، عطرِ منیر ہے

معطر گلیاں اور گزرگاہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی کسی گلی سے گزر جاتے، تو اس گلی میں ایسی خوشبو رچ بس جاتی کہ بعد میں آنے والا شخص پکار اٹھتا: "مَرَّ مِنْ هُنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ " (آج یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر رہوا ہے)۔[2]

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور دستِ مبارک کی ٹھنڈک وخوشبو:

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک مشاہدہ بیان فرماتے ہیں جو بچپن کی یادوں میں خوشبو بن کر بسا ہوا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل پڑا۔ راستے

---

[1] -صحیح مسلم:2330/جامع الترمذی:2012۔

[2] -السیوطی، الخصائص الکبریٰ:1/106۔

میں کچھ بچے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالِ شفقت سے ایک ایک بچے کے رخسار پر اپنا دستِ مبارک پھیرنے لگے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ثُمَّ مَسَحَ خَدِّی، فَوَجَدْتُ لِيَدِهِ بَرْدًا أَوْ رِيحًا كَأَنَّمَا أَخْرَجَهَا مِنْ جُؤْنَةِ عَطَّارٍ"

"پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے رخسار پر بھی اپنا ہاتھ پھیرا، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور ایسی خوشبو محسوس کی گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی ابھی عطار (خوشبو بیچنے والے) کے عطردان سے ہاتھ نکالا ہو۔"[1]

خوشبوئے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گلیوں کا مہکنا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ "اسیرانِ جمال" کے مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو کا یہ عالم تھا:

"إِذَا مَرَّ فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وُجِدَ مِنْهُ رِيحُ الْمِسْكِ، فَيُقَالُ: مَرَّ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

"جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی کسی گلی سے گزر جاتے تو وہاں سے مشک کی خوشبو آنے لگتی، اور لوگ (خوشبو سونگھ کر) پہچان لیتے کہ یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا ہے۔"[2]

دلہن کا عطر اور پسینہِ مبارک کی برکت:

ایک مشہور واقعہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ (یا ایک اور روایت کے مطابق ایک صحابی کی بیٹی) کا ہے، جن کے گھر والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوشبو کی درخواست کی کیونکہ ان

---

[1] -صحیح مسلم: 2329۔

[2] -ابویعلیٰ، المسند: 3494/6/ مجمع الزوائد: 282/8۔

کے پاس عطر نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک برتن میں اپنا پسینہ مبارک جمع کر کے انہیں عطا فرمایا۔

روایت میں آتا ہے کہ وہ دلہن جب وہ پسینہ بطور عطر استعمال کرتی تو پورا مدینہ اس کی خوشبو سے مہک اٹھتا تھا، یہاں تک کہ اس خاندان کا نام ہی "بیت المطیبین" (خوشبودار گھرانہ) پڑ گیا۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ: غسلِ میت اور خوشبو:

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان فرماتے ہیں کہ جب میں حضور ﷺ کو غسل دے رہا تھا، تو میں آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے ایسی خوشبو پاتا تھا جو زندگی میں بھی ویسی ہی تھی اور وصال کے بعد بھی ویسی ہی معطر تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے والہانہ انداز میں عرض کیا:

"بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، طِبْتَ حَيًّا وَطِبْتَ مَيِّتًا"۔

"میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ زندگی میں بھی معطر تھے اور وصال کے بعد بھی معطر ہیں۔"[2]

یہ خوشبو کسی عارضی عطر یا مشک کی مرہونِ منت نہ تھی، بلکہ یہ اس "جسمِ نوری" کی اپنی صفت تھی جسے اللہ نے کائنات کے لیے سراپا نفست بنایا تھا۔ "اسیرانِ جمال" کے لیے یہ خوشبو صرف سونگھنے کی چیز نہ تھی، بلکہ یہ محبوب کی موجودگی کا احساس اور ان کی یادوں کا وہ معطر جھونکا تھا جو ان کی روحوں کو تازگی بخشتا تھا۔

❁❁❁

---

[1]-الطبرانی، المعجم الکبیر: 32/17 / ابو نعیم، دلائل النبوۃ: 144/1۔

[2]-ابن ماجہ: 1467 / ابن ہشام: 4/311۔

سیف اللہ کی ٹوپی اور
موئے مبارک ﷺ کا اعجاز

"اسیرانِ جمال" کے نزدیک حضور ﷺ کے جسدِ اطہر سے جدا ہونے والا ایک ایک بال (موئے مبارک) وہ بیش بہا دولت تھی جس کے سامنے قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، جنہیں زبانِ رسالت ﷺ سے "سیف من سیوف اللہ" (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کا لقب ملا، ان کی فتوحات کا اصل راز ان کی جنگی حکمتِ عملی نہیں بلکہ ان کے پاس موجود "تبرکِ نبوی ﷺ" تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور ﷺ نے بال مبارک کٹوائے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان بالوں کو پانے کے لیے پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سبقت فرمائی اور حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کے کچھ بال حاصل کر لیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان بالوں کو نہایت عقیدت سے اپنی ایک ٹوپی (قلنسوہ) کے اگلے حصے میں سی لیا۔

جنگِ یرموک کے خونریز معرکے میں، جب رومیوں کا لشکر ٹڈی دل کی طرح سامنے تھا، اچانک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وہ ٹوپی سر سے گر گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فوراً اپنی جان کی پروا کیے بغیر دشمن کی صفوں میں گھس گئے تاکہ وہ ٹوپی اٹھا سکیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران تھے کہ ایک معمولی ٹوپی کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب آپ رضی اللہ عنہ ٹوپی اٹھا کر واپس آئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قدر اضطراب کی وجہ پوچھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک کے عشاق کے لیے سرمہِ بصیرت ہے:

"لَمْ أَفْعَلْهَا بِسَبَبِ الْقَلَنْسُوَةِ، وَلَكِنْ لِمَا تَضَمَّنَتْهُ مِنْ شَعْرِ رَسُولِ

اللهِ ﷺ، لِئَلَّا أُسْلَبَ بَرَكَتَهَا وَتَقَعَ فِي أَيْدِي الْمُشْرِكِينَ "۔

(خدا کی قسم!) میں نے یہ ٹوپی کی خاطر نہیں کیا، بلکہ اس میں موجود رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کی خاطر کیا ہے؛ تاکہ میں ان کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور وہ (مقدس بال) مشرکین کے ہاتھوں میں نہ چلے جائیں۔)

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی فتوحات کا راز ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"میں نے جس معرکے میں بھی یہ ٹوپی پہنی، اللہ تعالیٰ نے مجھے فتح و نصرت سے ہمکنار فرمایا۔"[1]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہ عمل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ "اسیرانِ جمال" کے لیے محبوب کی ایک نشانی کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ میدانِ جنگ میں دشمن کی تلواروں سے نہیں ڈرتے تھے، مگر وہ محبوب کی نسبت کے چھن جانے سے ڈرتے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار اگر دشمن کے سر قلم کرتی تھی، تو ان کی ٹوپی میں چھپے ہوئے "موئے مبارک ﷺ" ان کے لیے نصرتِ الٰہی کا پرچم بن کر لہراتے تھے۔

❁❁❁

[1] - الحاكم النيسابوری: المستدرک على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة (رقم: 5406)۔ابن کثیر: البدایہ والنہایہ، جلد 7، صفحہ 113۔ابن الجوزی: الوفا بأحوال المصطفیٰ، جلد 2، صفحہ 612۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی وصیت اور موئے مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت

خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جنہوں نے دس سال تک سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی سعادت پائی، ان کے پاس تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک قیمتی ذخیرہ موجود تھا۔ ان کے نزدیک یہ تبرکات محض یادگار نہ تھے بلکہ قبر کی تنہائی اور حشر کی پرسش میں شفاعت کا ذریعہ تھے۔

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ اور آنسوؤں کا نذرانہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک لکڑی کا پیالہ (قدح) تھا جس میں چاندی کے ٹانکے لگے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس پیالے کو سینے سے لگا کر رکھتے اور فرماتے:

"میں نے اس پیالے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کے مشروبات (پانی، شہد، دودھ اور نبیذ) پلاتے ہوئے دیکھا ہے۔"[1]

راوی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ اس پیالے کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور وہ اس یاد میں کھو جاتے جب محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبِ مبارک اس پیالے سے مس ہوتے تھے۔

آخری وصیت: زبان کے نیچے موئے مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے اپنے شاگردوں اور اہلِ خانہ کو ایک ایسی وصیت فرمائی جو ان کے عشقِ صادق کی انتہا تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے

---

[1] - صحیح بخاری: کتاب الاشربہ، باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم (رقم: 5638)۔

پاس حضور ﷺ کا ایک موئے مبارک (مقدس بال) تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی:

"جب میں مر جاؤں تو رسول اللہ ﷺ کا یہ موئے مبارک میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی اس وصیت پر عمل کیا گیا اور وہ تبرک ان کے ساتھ قبر میں دفن کیا گیا۔ ان کا یہ یقین تھا کہ جب منکر نکیر سوال کریں گے یا جب اللہ کے حضور پیشی ہوگی، تو یہ "نسبتِ مصطفیٰ ﷺ" میری نجات کا سبب بنے گی۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت اس حقیقت کو عیاں کرتی ہے کہ "اسیرانِ جمال" کے لیے محبوب کی ایک نشانی بھی قبر کے اندھیروں میں چراغِ ہدایت تھی۔ جس زبان نے زندگی بھر "قال اللہ و قال الرسول" کی صدائیں بلند کیں، وہ آخری وقت میں بھی "لمسِ نبوی ﷺ" کی پیاسی تھی۔ ان کے نزدیک حشر میں سرخروئی کا بہترین نسخہ یہی تھا کہ وہ اپنے ساتھ اس زلفِ گرہ گیر کا ایک تارا لے جائیں جس کے سائے میں کائنات پناہ لیتی ہے۔

❁❁❁

---

[1] -ابن حجر العسقلانی: الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد 1، صفحہ 127۔ابن کثیر: البدایہ والنہایہ، جلد 9، صفحہ 117۔

ردائے نبوی ﷺ اور
قبر کی تنہائی کے لیے اسیرِ جمال کی تڑپ

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں شامل جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (ایک قول کے مطابق) کا یہ عمل "اسیرانِ جمال" کی اس والہانہ وابستگی کا عکاس ہے کہ وہ حیاتِ دنیا ہی نہیں، بلکہ عالمِ برزخ میں بھی محبوب ﷺ کی نسبت کے سہارے کے طالب تھے۔

مدینہ منورہ کی ایک خوش نصیب خاتون ایک خوبصورت حاشیہ دار چادر (شملہ) تیار کر کے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے تاکہ آپ اسے زیبِ تن فرمائیں"۔

حضورِ اکرم ﷺ نے کمالِ بندہ پروری فرماتے ہوئے اسے قبول فرمالیا، جبکہ اس وقت آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ ﷺ وہ چادر اوڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف لائے۔

مجلس میں موجود ایک صاحب (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) نے جب اس چادر کو جسمِ اطہر سے مس ہوتے دیکھا، تو ان کے اندر "تبرک پانے" کا تلاطم برپا ہوگیا۔ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ چادر کس قدر خوبصورت ہے، یہ مجھے عطا فرما دیجیے!"

سخیِ کائنات ﷺ نے فوراً وہ چادر اتار کر انہیں عطا فرما دی۔ جب حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے، تو دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان صاحب کو ملامت کرتے ہوئے کہا:

"تم نے اچھا نہ کیا! تم جانتے تھے کہ حضور ﷺ کو اس کی ضرورت ہے اور آپ ﷺ کے در سے کوئی سائل خالی نہیں جاتا، پھر بھی تم نے سوال کر دیا؟"

ان صاحب نے ملامت کرنے والوں کو وہ جواب دیا جو رہتی دنیا تک کے عشاق کا منشور ہے:

"إِنِّي وَاللّٰهِ مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهَا، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفَنِي"

(خدا کی قسم!) میں نے یہ چادر پہننے کے لیے نہیں مانگی، بلکہ میں نے تو اس لیے مانگی ہے تاکہ یہ میرا کفن بنے (اور میں اس حال میں رب سے ملوں کہ میرے بدن پر مصطفیٰ ﷺ کے جسم کا لمس موجود ہو)۔"

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوا، جب ان صحابی کا وصال ہوا تو وہی مبارک چادر ان کا کفن بنی۔[1]

یہ اسیرانِ جمال کی وہ دور اندیشی تھی کہ وہ جانتے تھے کہ منکر نکیر کے سوالات ہوں یا قبر کی ہولناکی، ہر جگہ "نسبتِ مصطفیٰ ﷺ" ہی کام آئے گی۔ انہوں نے نئی چادر کو پہن کر دنیا میں نمائش نہیں کی، بلکہ اسے محبوب کے جسم سے مس کروا کر اپنی ابدی زندگی کا سامان کر لیا۔ یہ واقعہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس نے جیتے جی خود کو "جمالِ یار" کا اسیر بنا لیا، وہ مرنے کے بعد بھی اسی کی ردائے رحمت میں پناہ پاتا ہے۔

❁❁❁

[1] - صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ (رقم: 1277)۔صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ (رقم: 2061)۔جامع الترمذی: کتاب الادب (رقم: 2031)۔

محبوبِ خدا ﷺ کا
جبّہ مبارک اور شفائے باطنی وظاہری

"**اسیرانِ جمال**" کے نزدیک حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے مس ہو جانے والا لباس محض کپڑا نہیں تھا، بلکہ وہ "**انوارِ نبوت**" کا وہ غلاف تھا جس سے مس ہو کر پانی بھی تریاق بن جاتا تھا۔ سیدہ اسماء بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لیے تبرک کی مشروعیت کی روشن دلیل ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے غلام حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک "**طیالسی کسروانی**" (دھاری دار ایرانی طرز کا) جبّہ نکال کر دکھایا، جس کا گریبان ریشم (دیباج) کا تھا اور اس کے دامنوں پر بھی ریشمی سنجاف لگے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "یہ رسول اللہ ﷺ کا وہ مبارک جبّہ ہے جسے آپ ﷺ زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔ یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی وفات تک محفوظ رہا، پھر میں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔"

سیدہ اسماء ﷺ نے اس جبّہ مبارک کو محض تبرک کے طور پر سنبھال کر ہی نہیں رکھا تھا، بلکہ وہ اسے دکھی انسانیت کی تکلیف دور کرنے کے لیے بھی استعمال فرماتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اس کی تاثیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: "فَنَحْنُ نَغْسِلُهُ لِلْمَرْضَى فَنَسْتَشْفِي بِهِ"۔

ہم اسے (برکت کے لیے) دھوتے ہیں اور اس کا (دھویا ہوا) پانی بیماروں کو پلاتے ہیں، پس اس کے ذریعے (بیماروں کے لیے) شفا طلب کی جاتی ہے۔[1]

❁❁❁

---

[1] - صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینہ، (رقم: 2094)۔ سنن ابی داؤد: کتاب اللباس (رقم: 4054)۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک اور دستِ شفقت کا دائمی فیضان

"اسیرانِ جمال" میں سے بعض وہ خوش نصیب تھے جن کے اجسام حضور ﷺ کے دستِ مبارک کے لمس سے ہمیشہ کے لیے بابرکت ہو گئے۔ حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک ممتاز نام ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے والد انہیں بارگاہِ رسالت ﷺ میں لائے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے اس بیٹے کے حق میں دعائے خیر فرمائیے۔" رحمتِ عالم ﷺ نے کمالِ شفقت سے فرمایا: "اُدْنُ يَا غُلَامُ" (بیٹا! میرے قریب آؤ)۔ جب وہ قریب ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک ان کے سر پر پھیرا اور دعا دی: "بَارَكَ اللهُ فِيكَ" (اللہ تجھے برکت عطا فرمائے)۔

اس لمس کا اثر یہ تھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک شفا کا مرکز بن گیا۔ حضرت ذیال بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا:

"جب کسی انسان کے چہرے پر یا بکری کے تھنوں پر ورم (سوجن) ہو جاتی، تو لوگ اسے حضرت حنظلہؓ کے پاس لاتے۔ وہ اپنے ہاتھ پر لعابِ دہن ڈال کر اپنے سر کے اس حصے پر ملتے جہاں "ہاتھِ مصطفیٰ ﷺ" لگا تھا، اور فرماتے: "بِسْمِ اللهِ عَلَى أَثَرِ يَدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ" (اللہ کے نام سے برکت مانگتا ہوں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کے اس نشان پر)۔ پھر وہ ہاتھ ورم پر ملتے تو وہ ورم فوراً ختم ہو جاتا۔" [1]

❁❁❁

---

[1] - مسند احمد: 20436/ طبرانی، المعجم الکبیر: 3462۔

لکڑی کا تلوار بننا:

دستِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجاز

میدانِ کارزار میں جب "اسیرانِ جمال" کی تلواریں ٹوٹتیں، تو وہ پریشان نہیں ہوتے تھے، کیونکہ ان کے پاس وہ ہستی موجود تھی جن کا لمس مٹی کو سونا اور شاخ کو شمشیر بنا دیتا تھا۔

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اور تلوار "العون":

غزوہ بدر کے معرکے میں جب حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک سوکھی لکڑی عطا فرمائی۔ جیسے ہی وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں آئی:

"فَعَادَ سَيْفًا فِي يَدِهِ طَوِيلَ الْقَامَةِ، شَدِيدَ الْمَتْنِ، أَبْيَضَ الْحَدِيدَةِ"۔

(وہ لکڑی) ان کے ہاتھ میں پہنچتے ہی ایک نہایت لمبی، مضبوط اور چمکدار فولادی تلوار بن گئی۔[1]

آپ رضی اللہ عنہ اسی تلوار کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی۔

اس تلوار کا نام "العون" (مددگار) مشہور ہوا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور کھجور کی شاخ:

اسی طرح غزوہ احد میں جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک شاخ (عُرجون) عطا فرمائی۔

"فَرَجَعَ فِي يَدِ عَبْدِ اللهِ سَيْفًا"۔[2]

(وہ شاخ ان کے ہاتھ میں جاتے ہی (بہترین) تلوار بن گئی۔)

---

[1] -ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: 2/636/ابن سعد، الطبقات: 1/188۔

[2] -ابن عبدالبر، الاستیعاب: 3/880/ابن حجر، الاصابہ: 4/33۔

طوفانی رات اور عطیہِ رسول ﷺ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سخت اندھیری رات اور طوفانِ بادوباراں کے دوران دیر تک بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر رہے۔ جب وہ واپسی کے لیے رخصت ہونے لگے، تو چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا اور راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔

رحمتِ عالم ﷺ نے کمالِ شفقت سے انہیں کھجور کی ایک شاخ (عُرجون) عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"اذْهَبْ بِهَذَا، فَإِنَّهُ سَيُضِيءُ لَكَ عَشْرًا بَيْنَ يَدَيْكَ، وَعَشْرًا خَلْفَكَ"۔

(اے قتادہ!) اسے لے جاؤ! یہ تمہارے لیے دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ تمہارے پیچھے روشنی کرے گی۔)

غیبی مشعل اور شیطانی اثر کا خاتمہ:

نبی کریم ﷺ نے اس شاخ کے ساتھ انہیں ایک غیبی خبر بھی عطا فرمائی کہ جب تم گھر داخل ہو گے تو تمہیں ایک سیاہ چیز نظر آئے گی، اسے اس شاخ سے مارنا کیونکہ وہ شیطان ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے تو قدرت کا کرشمہ ظاہر ہوا:

"وہ بے جان لکڑی حضور ﷺ کے لمس سے ایک روشن مشعل بن گئی، جس کی ضیا میں وہ باحفاظت گھر پہنچ گئے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے واقعی اس سیاہ سائے کو پایا اور شاخِ

نبوی ﷺ کی برکت سے اسے وہاں سے بھگا دیا۔"[1]

یہ مشاہدات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ "**یدِ مصطفیٰ** ﷺ" کائنات کے لیے ایک ایسی کیمیا تھی جو بے جان لکڑی کی ماہیت بدل کر اسے آبدار فولاد میں ڈھال دیتی تھی۔ اسیرانِ جمال کے لیے حضور ﷺ کا لمس صرف ایک انسانی ہاتھ کا چھونا نہ تھا، بلکہ وہ "**یدِ قدرت**" کا وہ مظہر تھا جس سے ناممکن، ممکن ہو جاتا تھا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا اپنے سر کو شفا کا ذریعہ بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک محبوب کی ایک بار کی نسبت بھی قیامت تک کے لیے کافی تھی۔

❁❁❁

---

[1] -الامام احمد بن حنبل: (رقم: 11576)۔الامام البیہقی: دلائل النبوۃ، باب ما جاء فی ضیاء العرجون (جلد2، صفحہ639)۔الامام البیہقی: دلائل النبوۃ، باب ما جاء فی ضیاء العرجون (جلد2، صفحہ639)۔

توشہ دانِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اور دستِ اقدس کی لازوال برکت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور ﷺ کے دستِ مبارک کا چھوجانا وہ کیمیا تھی جو قلیل کو کثیر اور فنا ہونے والی چیز کو بقا عطا کر دیتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور "**توشہ دان**" (کھجوروں کا ڈبہ) تاریخِ عشق و برکت کا ایک انوکھا باب ہے۔

ایک غزوے کے موقع پر جب سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوک اور پیاس کی شدت سے نڈھال تھے اور کھانے کو کچھ نہ تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چھوٹا سا توشہ دان تھا جس میں صرف اکیس (21) کھجوریں تھیں۔ حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر آپ رضی اللہ عنہ وہ توشہ دان لے کر حاضرِ خدمت ہو گئے۔

سلطانِ دو جہاں ﷺ نے اپنا "**دستِ مبارک**" اس توشہ دان پر رکھا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر قدرتِ خداوندی کا وہ کرشمہ ظاہر ہوا جس نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا:

حضور ﷺ نے فرمایا: "دس دس آدمیوں کو بلاتے جاؤ"۔ وہ آتے، خوب سیر ہو کر کھاتے اور چلے جاتے۔ یہاں تک کہ پورے لشکر نے ان اکیس کھجوروں سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، مگر وہ توشہ دان اب بھی بھرا ہوا تھا۔

حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"**اے ابو ہریرہ!** جب تم اس توشہ دان سے کھجوریں نکالنا چاہو، تو ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو، لیکن اسے کبھی انڈیلنا (الٹانا) نہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یہ توشہ دان "**رزقِ غیبی**" کا وہ چشمہ بن گیا جو برسوں تک جاری رہا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پورے عہدِ خلافت تک اس میں سے کھجوریں نکالیں، خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ توشہ دان چوری ہو گیا۔ میں نے اس میں سے تخمیناً دو سو وسق (منوں کے حساب سے) کھجوریں کھائی ہوں گی، مگر وہ کبھی ختم نہ ہوئیں۔"[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ توشہ دان دراصل اس "ایمانِ کامل" کا نمونہ تھا کہ جس شے کو محبوب کا ہاتھ لگ جائے، اس میں فنا کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسیرانِ جمال نے منوں کے حساب سے کھجوریں نکالیں مگر انہیں کبھی ختم ہونے کا ڈر نہ تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس خزانے پر "یدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی مہر لگ جائے، اسے زمین و آسمان کے بخل ختم نہیں کر سکتے۔ یہ برکت صرف مادی نہ تھی، بلکہ اس میں "جمالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی وہ خوشبو شامل تھی جو پانے والے کو تا دمِ آخر نہال رکھتی تھی۔

❁❁❁

---

[1] - جامع الترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب لابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (رقم: 3910)۔ الامام البیہقی: دلائل النبوۃ (باب ما جاء فی برکۃ تمر ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)۔

نقشِ پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

جہاں پتھر موم ہوئے اور تقدیریں بدل گئیں

کائنات کی سب سے عظیم ہستی، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجودِ مسعود کا ہر گوشہ سراپا برکت اور معجزہ ہے۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے لمس سے پتھر گداز ہو کر "مقامِ ابراہیم" بن گئے، اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک قدموں کو وہ اعجازی شان عطا فرمائی کہ سخت چٹانیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تلووں تلے ریشم کی طرح نرم ہو جاتیں اور ان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدومِ مبارک کے انمول نشان ثبت ہو جاتے۔

پتھروں کا گداز ہونا (معجزہ نقشِ قدم):

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس اعجاز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ کریمی یہ تھی: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا مَشَى عَلَى الصَّخْرِ غَاصَتْ قَدَمَاهُ فِيهِ وَأَثَّرَتْ.[1]

"جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پتھروں پر چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاؤں مبارک کے نیچے وہ (موم کی طرح) نرم ہو جاتے اور قدمِ مبارک کے نشان ان پر ثبت ہو جاتے"۔

پیاسوں کے لیے چشمہ رحمت:

تاریخِ عشق و مستی گواہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں کی برکت صرف پتھروں تک محدود نہ تھی۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مقامِ ذی المجاز میں جب حضرت ابوطالب کو پیاس لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سواری سے اترے اور اپنا مبارک قدم زمین پر مارا:

---

[1] -زرقاني، شرح المواهب اللدنيه، 5:482، سيوطي، الجامع الصغير، 1:27، رقم:9

" عَطِشْتُ وَلَيْسَ عِنْدِي مَاءٌ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَضَرَبَ بِقَدَمِهِ الْأَرْضَ، فَخَرَجَ الْمَاءُ، فَقَالَ: اشْرَبْ". [1]

" مجھے پیاس لگی ہے اور اس وقت میرے پاس پانی نہیں، پس حضور ﷺ اپنی سواری سے اُترے اور اپنا پاؤں مبارک زمین پر مارا تو زمین سے پانی نکلنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: (اے چچا جان!) پی لیں"۔

جب اُنہوں نے پانی پی لیا تو آپ ﷺ نے دوبارہ اپنا قدمِ مبارک اُسی جگہ رکھا تو وہ جگہ باہم مل گئی اور پانی کا اِخراج بند ہو گیا۔

بیماروں کے لیے مژدہِ شفا:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جب شدید بیمار تھے، تو طبیبِ اعظم ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اپنا مبارک پاؤں حضرت علیؓ کو مس کیا اور دعا فرمائی: روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فَضَرَبَنِي بِرِجْلِهِ، وَقَالَ: اللَّهُمَّ اشْفِهِ، اللَّهُمَّ عَافِهِ". [2]

"پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا مبارک پاؤں مجھے مارا اور دعا فرمائی: اے اللہ! اسے شفا دے اور صحت عطا کر۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی برکت سے مجھے اسی وقت ایسی شفا ملی کہ اس کے بعد میں کبھی بھی اس بیماری میں مبتلا نہ ہوا۔

---

[1] -ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 1: 152، 153، ابن جوزي، صفوة الصفوه، 1: 76،

[2] -نسائي، السنن الکبریٰ، 6: 261، رقم: 10897، ترمذي، الجامع الصحیح، 5: 560، ابواب الدعوات، رقم: 3564

سست رفتار سواریوں کو مہمیز:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک اگر کسی سست رفتار کمزور جانور کو لگ جاتے تو وہ ہوا سے باتیں کرنے لگتا:

❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر اپنی اُونٹنی کی سست رفتاری کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پائے مبارک سے اُسے ٹھوکر لگائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"والذی نفسی بیدہ لقد رأیتها تسبق القائد".

"قسم اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اس کے بعد وہ ایسی تیز ہوگئی کہ کسی کو آگے بڑھنے نہ دیتی"۔[1]

❁ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اُونٹ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر اپنے مبارک قدموں سے ٹھوکر لگائی تھی، جس کی برکت سے وہ تیز رفتار ہو گیا تھا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

"فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وَدَعَا لَهُ فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ"۔[2]

"تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پائے مبارک سے اُسے ٹھوکر لگائی اور ساتھ ہی دُعا فرمائی، پس وہ اتنا تیز رفتار ہوا کہ پہلے کبھی نہ تھا"۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اُن سے دریافت کیا کہ اب تیرے اُونٹ کا کیا حال ہے تو اُنہوں نے عرض کیا:

بخیر قد أصابته برکتك.

---

[1] -ابو عوانه، المسند، 3:45، رقم: 4145، بیهقي، السنن الکبریٰ، 7:235،

[2] -مسلم، الصحیح، 3:1221، کتاب المساقاة، رقم: 715، نسائی، السنن، 7:297،

"بالکل ٹھیک ہے، اُسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت حاصل ہوگئی ہے"۔[1]

ان روایات سے یہ نکتہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ" تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "محض نشانیاں نہیں، بلکہ وہ انوارِالٰہی کا منبع ہیں جن میں ایسا روحانی کیف اور فیضان موجود ہوتا ہے کہ اس کے حصول کے لیے دیوانوں کی طرح تڑپا بھی جا سکتا ہے اور لڑا بھی جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک مومن کے لیے روزے کی قضا تو ممکن ہے، مگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں سے نسبت اور ان کی برکات سے محرومی کا کوئی ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اسیرانِ جمال کے لیے وہ مٹی کستوری سے بہتر ہے جہاں محبوب کے قدموں کے نشان ثبت ہو گئے ہوں۔

❁❁❁

[1] -بخاري، الصحيح، 3: 1083، كتاب الجهاد والسير، رقم: 2805، مسلم، الصحيح، 3: 1221،

باب پنجم

وصالِ جاوید اور سوزِ ہجر کا آغاز

آخری خطبہ اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے آنسو: جدائی کے سائے

وہ ایک خاموش اور اداس دوپہر تھی، جب کائنات کے والی، سرورِ کونین ﷺ اپنے مرضِ الوفات کی حالت میں حجرۂ مبارک سے برآمد ہوئے۔ نقاہت کا یہ عالم تھا کہ سرِ اقدس پر پٹی بندھی ہوئی تھی، مگر اپنے غلاموں سے ملاقات کی تڑپ آپ ﷺ کو مسجدِ نبوی کی طرف لے آئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مسجد میں موجود تھے، اپنے محبوب آقا ﷺ کو دیکھ کر پیچھے پیچھے چل پڑے۔ حضور ﷺ منبرِ نور پر جلوہ افروز ہوئے، صحابہ رضی اللہ عنہم گردِ منبر پروانوں کی طرح سمٹ آئے۔ فضا پر ایک عجیب سی ہیبت اور خاموشی طاری تھی۔ آپ ﷺ نے جلال و جمال کے ساتھ فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں اس وقت (یہیں سے) اپنے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں"۔

پھر آپ ﷺ نے وہ بات کہی جس نے فضا کو سوگوار کر دیا:

"اللہ کے ایک بندے کے سامنے دنیا، اس کی زیب و زینت اور آخرت (اللہ کی ملاقات) دونوں پیش کی گئیں، تو اس بندے نے اپنے رب کی ملاقات اور آخرت کو چن لیا"۔

مسجد میں موجود اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس جملے کی گہرائی کو نہ سمجھ سکے، وہ اسے ایک عام مثال سمجھ رہے تھے، مگر مجمع میں ایک ایسی ہستی موجود تھی جس کا دلِ مضطر حقیقت کو بھانپ گیا تھا۔ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ "وہ بندہ" کوئی اور نہیں بلکہ خود حضورِ اکرم ﷺ ہیں جنہیں

رب نے اپنے پاس بلانے کا فیصلہ کرلیا ہے اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوچ کی تیاری کرلی ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا ضبط ٹوٹ گیا۔ عشق کے بندھن آنسو بن کر آنکھوں سے جاری ہو گئے، سسکیاں بندھ گئیں اور وہ پکار اٹھے:

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! ہم اپنی جانیں، اپنے والدین اور اپنا مال و متاع سب کچھ آپ پر قربان کرتے ہیں (مگر آپ ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں)۔"

پورا مجمع حیران تھا کہ صدیق رضی اللہ عنہ کیوں رو رہے ہیں، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بصیرت دیکھ رہی تھی کہ وصال کا وقت قریب ہے۔ اس دن کے بعد تاریخ نے پھر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس منبر پر رونق افروز ہوتے نہ دیکھا۔ وہ آخری خطبہ تھا، وہ آخری وصیت تھی اور وہ صدیق رضی اللہ عنہ کے عشق کا آخری امتحان تھا جہاں انہوں نے اپنے محبوب کو رخصت ہوتے دیکھا۔[1]

یہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے وہ آنسو تھے جو دراصل مدینہ پر آنے والے "غمِ عظیم" کا پیش خیمہ تھے۔ جس جدائی کا ادراک صدیق رضی اللہ عنہ کو اس دن ہوا، چند ہی روز بعد اس کی تپش نے پورے مدینہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسیرانِ جمال کے لیے جینا دوبھر ہو گیا۔

❁❁❁

[1] -صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخوخۃ والممر فی المسجد، رقم الحدیث: 466۔صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق، رقم الحدیث: 2382. جامع ترمذی، رقم الحدیث: 3660۔

سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کا گریہ اور تبسم: ہجر و وصال کا انوکھا سنگم:

جب سورہ نصر ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ نازل ہوئی، تو عام لوگوں کے لیے یہ فتحِ مکہ اور غلبہِ دین کی نوید تھی، مگر اسیرانِ جمال کے سرخیل، حضورِ اکرم ﷺ سمجھ گئے کہ اب زمینی سفر مکمل ہو چکا ہے اور رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس رقت آمیز منظر کی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی لختِ جگر، سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو پاس بلایا اور رازداری میں فرمایا:

"بیٹی! اس سورہ میں مجھے میری وفات کی خبر دی گئی ہے۔"

یہ سننا تھا کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا، جن کی پوری زندگی اپنے بابا کے جمال کے گرد گھومتی تھی، تڑپ اٹھیں اور زار و قطار رونے لگیں۔ ان کے لیے کائنات کے سب سے بڑے صدمے کی خبر ان کے سامنے تھی۔

بیٹی کو ہجر کے تصور سے نڈھال دیکھا تو رحمتِ عالم ﷺ کی شفقتِ پدری جوش میں آئی اور آپ ﷺ نے ایک ایسا راز بتایا جس نے آنسوؤں کو مسکراہٹ میں بدل دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے فاطمہ! مت رو، کیونکہ میرے خاندان میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے (آکر) ملوگی۔"

یہ سنتے ہی سیدہ رضی اللہ عنہا کے مرجھائے ہوئے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور وہ ہنسنے لگیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے بعد میں حیرت سے پوچھا:

"اے فاطمہ! میں نے تمہیں عجیب حال میں دیکھا، پہلے تم رو رہی تھیں اور پھر فوراً ہی ہنس پڑیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟"۔

سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا نے اس "**عشق و بندگی**" کے راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:

"پہلے حضور ﷺ نے مجھے اپنی وفات کی خبر دی تو جدائی کے تصور سے میں رو پڑی، لیکن جب آپ ﷺ نے یہ خوشخبری سنائی کہ آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے میں ہی آپ ﷺ کے پاس پہنچوں گی اور ہمیں دوبارہ وصال نصیب ہوگا، تو اس خوشی میں میں ہنس پڑی۔"[1]

یہ اسیرانِ جمال کی وہ شان ہے کہ ان کے نزدیک زندگی کی سب سے بڑی خوشی دنیا کی لذتیں نہیں، بلکہ اپنے محبوب ﷺ کی معیت کا دوبارہ مل جانا ہے۔ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا وہ تبسم دراصل اس یقین کا اظہار تھا کہ موت ان کے لیے جدائی نہیں بلکہ ابدی وصال کا ذریعہ بننے والی ہے۔

❁❁❁

[1]-: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 1478 / صحیح بخاری: 3624۔اخرجہ الطبرانی قال الہیثمی ۹: ۲۳، رجالہ رجال الصحیح

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا گریہ اور ہجر کی پہلی دستک:

عشق و ہجر کی داستان میں وہ لمحہ کس قدر گراں ہوگا جب محبوب خود اپنی زبانِ مبارک سے جدائی کی خبر سنا دے۔"اسیرانِ جمال" کے قافلے کے ایک جلیل القدر مسافر، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ دلوں کو تڑپا دینے والا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی اور معلم بنا کر رخصت فرمایا، تو کرم کی انتہا دیکھیے کہ کائنات کے والی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود پیدل چل کر انہیں شہر سے باہر چھوڑنے آئے۔ معاذ رضی اللہ عنہ سواری پر تھے اور کائنات کا سب سے حسین و جمیل انسان، تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی رکاب کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

جدائی کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جس نے معاذ رضی اللہ عنہ کی دنیا بدل دی:

"اے معاذ! شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو، اور شاید (جب تم یمن سے واپس آؤ تو) تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو۔"

یہ کلمات کیا تھے، گویا ہجر کا ایک تند و تیز طوفان تھا جس نے معاذ رضی اللہ عنہ کے دل کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ صحابی جو علم و حکمت کا پہاڑ تھے، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے "قبرِ انور" کا تذکرہ سن کر قابو نہ رکھ سکے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ان کے آنسوؤں میں وہ تڑپ تھی جو ایک اسیرِ جمال کو اپنے مرکزِ جمال سے جدا ہوتے وقت محسوس ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے اس جانثار کو ہجر کی تپش میں جھلستے دیکھا، تو ان کی ڈھارس بندھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک آفاقی حقیقت بیان فرمائی:

"(یاد رکھو!) لوگوں میں سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ متقی لوگ ہوں گے،

وہ جو بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں (میرے قرب کا معیار مکان نہیں بلکہ تقویٰ ہے)۔"[1]

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ رونا اس بات کی گواہی تھا کہ ایک عاشق کے لیے "قربِ الٰہی" کی خوشخبری اپنی جگہ، مگر محبوب کے "جمالِ ظاہری" سے محرومی کا تصور ہی جان لیوا ہوتا ہے۔

معاذ رضی اللہ عنہ یمن تو چلے گئے، مگر ان کا دل مدینہ کی ان گلیوں میں رہ گیا جہاں سے وہ جمال رخصت ہونے والا تھا۔

وصال کا کھٹکا اور اسیرانِ جمال کی اشکباری:

جب آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غروب ہونے کے سائے گہرے ہونے لگے، تو مدینہ کی فضاؤں میں ایک عجیب سی گھٹن اور اداسی چھا گئی۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی صبح و شام جمالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدے سے عبارت تھی، اب اس مہرِ منیر کے اوجھل ہونے کے تصور سے ہی لرزنے لگے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کی خبر پھیلی، تو انصارِ مدینہ (جو محبت و جاں نثاری میں اپنی مثال آپ تھے) مسجدِ نبوی میں جمع ہو گئے۔ مرد ہوں یا عورتیں، سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دلوں میں ایک ہی خوف تھا کہ کہیں "مرکزِ جمال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہمیں چھوڑ کر نہ چلا جائے۔

کسی نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! انصار کے مرد و

---

[1] -طبرانی۔اخرجہ احمد قال الهیثمی ۹:۲۲ رواہ احمد باسنادین، ورجال الاسنادین رجال الصحیح۔

زن مسجد میں بیٹھے رو رہے ہیں۔" آپ ﷺ نے پوچھا: "وہ کیوں رو رہے ہیں؟" جواب ملا: "اس ڈر سے کہ کہیں آپ کا وصال نہ ہو جائے۔"

اپنے غلاموں کی یہ تڑپ دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ کی شفقت جوش میں آئی۔ آپ ﷺ حجرہِ مبارک سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر انصار کے حق میں وہ کلمات فرمائے جو تاریخِ وفاداری کا سنہرا باب بن گئے:

"**لوگو!** یاد رکھو، آئندہ لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اور انصار (تعداد میں) کم رہ جائیں گے، یہاں تک کہ وہ لوگوں میں ایسے (قلیل اور ناگزیر) ہو جائیں گے جیسے کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ لہٰذا، جو بھی انصار کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے، اسے چاہیے کہ ان کے نیک لوگوں کی بھلائی کو قبول کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرے۔"[1]

❁❁❁

[1] - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 1480۔

سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا کی بے قراری اور اندیشۂ مستقبل:

محبت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہ صرف اپنے محبوب کی جدائی کا دکھ تھا، بلکہ انہیں یہ فکر بھی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد ان کا پرسانِ حال کون ہوگا۔

حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے مرضِ الوفات میں حاضرِ خدمت ہوئی تو میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔ آپ ﷺ نے سرِ مبارک اٹھا کر پوچھا: "اے ام فضل! کیوں روتی ہو؟"

انہوں نے دل کے ارمان زبان پر لاتے ہوئے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ کے وصال کے خوف سے روتی ہوں، اور اس فکر میں ہوں کہ نہ جانے آپ ﷺ کے بعد ہمیں لوگوں کی طرف سے کیسا رویہ برداشت کرنا پڑے گا (یعنی اب ہمارا سہارا کون ہوگا؟)"

حضور ﷺ نے اپنی اس جاں نثار صحابیہ کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

"یقیناً تمہیں میرے بعد (دنیاوی اعتبار سے) کمزور سمجھا جائے گا۔"[1]

یہ انصارِ مدینہ اور ام فضل رضی اللہ عنہم کے آنسو ہی تو تھے جنہوں نے ثابت کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی صرف ایک مربی اور پیشوا ہی نہیں تھی، بلکہ وہ ان کی زندگی کا واحد سہارا اور کائنات کا سب سے بڑا حسن و جمال تھے۔ ان کے نزدیک آقا ﷺ کا وجود ہی ان کی عزت، بقا اور سکون کی ضمانت تھا، اور اس جمال کا رخصت ہونا ان کے نزدیک دنیا کے اجڑ جانے کے مترادف تھا۔ ❁❁❁

---

[1] - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 1481۔

جنت میں ہجر کا خوف اور وصالِ ابدی کی تڑپ:

جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسیروں کے لیے اصل زندگی صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دید تھی۔ ان کے نزدیک دنیا کی کل کائنات ایک طرف اور رخِ انور کی ایک جھلک ایک طرف تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں انہیں دنیا میں لحہ بھر کی جدائی گوارا نہ تھی، وہیں ان کے دل اس خوف سے لرزتے تھے کہ کہیں آخرت کی ابدی زندگی میں درجات کے فرق کی وجہ سے وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے محروم نہ رہ جائیں۔

"آپ کی زیارت کے بغیر میری جان نکل جائے گی"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک ایسے ہی مشتاقِ دید کا تذکرہ کرتے ہیں جو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنے دل کی بےقراری ان الفاظ میں بیاں کی:

"یا رسول اللہ! میں آپ سے اس قدر محبت کرتا ہوں کہ ہر وقت آپ کی یاد میرے سینے میں دھڑکتی ہے۔ جب تک حاضر ہو کر آپ کے رخِ زیبا کی زیارت نہ کر لوں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری جان نکل جائے گی"۔

پھر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے اپنے اصل دکھ کا اظہار کیا:

آقا! جب میں جنت کا خیال کرتا ہوں تو تڑپ اٹھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو انبیاء کے اعلیٰ ترین مقام پر ہوں گے اور میں نچلے درجے میں۔ یہ خیال میرے لیے موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے، کیونکہ میں جنت میں بھی آپ کی دائمی معیت چاہتا ہوں۔[1]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور صحابی کی اشکباری:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک صحابی اسی قسم کا سوال لے کر آئے

---

[1] - طبرانی، المعجم الاوسط: 1472۔

کہ "یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان اور والدین سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ گھر میں ہوتا ہوں تو چین نہیں آتا، دوڑا چلا آتا ہوں تاکہ آپ کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔" ان کا اندیشہ بھی وہی تھا کہ بلند درجاتِ نبوت کی وجہ سے کہیں جنت میں دیدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محرومی نہ ہو جائے۔[1]

ایک انصاری کی بے قراری اور غیبی خوشخبری:

عشق کے اسی تلاطم میں ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے اور زار و قطار روتے ہوئے عرض کیا: "یا رسول اللہ! جب میں یہ سوچتا ہوں کہ آپ وصال فرما جائیں گے اور ہم بھی مر جائیں گے، تو آپ تو انبیاء کے ساتھ بلند درجات پر فائز ہوں گے، اور ہم نچلے درجات میں۔ ہائے! اس جدائی کا مداوا کیا ہوگا؟"

ان جاں نثاروں کی تڑپ پر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ آسمان سے وحی کا نزول ہوا اور ربِ کائنات نے خود اپنے محبوب کے اسیروں کو تسلی دی:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرے، تو یہی لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین؛ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔"

آیت سنانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اسیرِ جمال کو پکارا اور وہ تاریخی جملہ فرمایا جو رہتی دنیا تک کے عشاق کا سہارا بن گیا:

---

[1] - طبرانی، المعجم الصغیر: 1473۔

"اے فلاں! تجھے (میری ابدی رفاقت کی) خوش خبری مبارک ہو!"[1]

کتبِ احادیث وسیر کے یہ اوراق پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دین و دنیا کا خلاصہ صرف "ذاتِ مصطفیٰ ﷺ" تھی۔ وہ اسیرانِ جمال تھے جو دیدارِ یار سے زندگی پاتے تھے اور انہیں محبوب کی ایک لمحے کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ ان کے دلوں میں ہر لمحہ یہی تمنا دھڑکتی تھی کہ ان کا محبوب کبھی ان سے جدا نہ ہو، کیونکہ جس نے سورج کو دیکھ لیا ہو وہ اندھیروں سے کیسے سمجھوتہ کر سکتا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عشق والہانہ تھا، بے مثال تھا اور رہتی دنیا تک اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کا اضطراب اور ابدی معیت کی نوید

جمالِ محمدی ﷺ کے اسیروں میں ایک نمایاں نام آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ تاجدارِ دو عالم ﷺ کے عشق میں اس قدر سرشار تھے کہ ایک لمحے کی جدائی بھی ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی تھی۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک روز حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو ان کی حالت غیر تھی۔ چہرہ زرد پڑ چکا تھا، جسم نحیف معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں میں اداسی کے گہرے سائے تھے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے اس جاں نثار غلام کی یہ حالت دیکھی تو رقت آمیز لہجے میں دریافت فرمایا:

"اے ثوبان! تمہارا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟ کیا کوئی بیماری یا تکلیف لاحق ہے؟"

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا، وہ رہتی دنیا تک عشاق کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ عرض کیا:

---

[1] - ابن کثیر / ضیاء المقدسی: 1474۔

"یارسول اللہ! نہ مجھے کوئی جسمانی بیماری ہے اور نہ ہی کوئی درد، سوائے اس کے کہ جب آپ ﷺ میری نظروں کے سامنے نہیں ہوتے تو مجھ پر انتہا درجے کی وحشت اور پریشانی طاری ہو جاتی ہے"۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے اپنے دل کا وہ چھپا ہوا ڈر بیان کیا جو ہر اسیرِ جمال کا اصل دکھ ہے:

آقا! جب میں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو میرا دل کانپ اٹھتا ہے کہ وہاں میں آپ کا دیدار کیسے کر پاؤں گا؟ آپ ﷺ تو انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ ترین مقام (مقامِ محمود) پر جلوہ افروز ہوں گے، اور اگر اللہ نے اپنے کرم سے مجھے جنت عطا بھی کر دی تو میرا مقام تو بہت نیچے ہوگا۔ وہاں اس "مقامِ عالی" تک میری رسائی کہاں؟ ہائے! میں جنت میں ہو کر بھی اگر آپ کے دیدار سے محروم رہا تو وہ جنت میرے لیے کیسی ہوگی؟

ایک عاشقِ صادق کی اس تڑپ نے عرشِ الٰہی کو ہلا دیا۔ ابھی گفتگو جاری تھی کہ جبرائیلِ امین علیہ السلام قرآنِ کریم کی یہ آیتِ مبارکہ لے کر نازل ہوئے:

﴿ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا ﴾[1]

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا، یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک لوگ، اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔"

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ اسیرانِ جمال کے لیے جنت کی نعمتیں بھی تب تک بے معنی ہیں جب تک ان میں "دیدارِ مصطفیٰ ﷺ" شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس

---

[1] -سورہ النساء: 69/ حوالہ: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 1471۔ تفسیر الخازن، کذا فی البدایۃ۔

آیت کے ذریعے قیامت تک کے عشاق کو یہ مژدہ سنا دیا کہ جو دنیا میں جمالِ محمدی ﷺ کا اسیر ہوکر زندگی گزارے گا، وہ آخرت میں بھی اسی معیتِ کبریٰ سے سرفراز ہوگا۔

❁❁❁

الوداعی کلمات:

محبوب ﷺ کی آخری وصیت اور غلاموں کا اضطراب

جب سفرِ آخرت کی گھڑی بالکل قریب آ گئی اور اسیرانِ جمال کے سروں سے سایہِ رحمت کے اٹھ جانے کے آثار نمایاں ہوئے، تو تاجدارِ کائنات ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو آخری بار وہ متاعِ زندگی عطا فرمائی جو قیامت تک ان کا سہارا بنی رہی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، جن کا رشتہ حضور ﷺ سے بے پناہ والہانہ تھا، فرماتے ہیں: "ہمارے محبوب ﷺ کے وصال سے چھ دن پہلے ہی ہمیں اس جانکاہ خبر کا ادراک ہو گیا تھا۔ جب جدائی کا وقت بالکل قریب آیا تو آقا ﷺ نے ہمیں اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہِ مبارک میں جمع فرمایا۔"

آپ ﷺ کی نظرِ کرم جب اپنے ان وفادار غلاموں پر پڑی، تو رحمتِ الٰہی جوش میں آ گئی اور آپ ﷺ کی چشمانِ مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے شفقت بھرے لہجے میں فرمایا:

" مرحبا! تمہیں خوش آمدید ہو! اللہ تمہاری عمر دراز کرے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں ٹھکانا دے اور تمہاری مدد فرمائے! اللہ تمہیں ہدایت، رزق اور توفیق سے نوازے اور تمہیں (فتنوں سے) سلامت رکھے۔"

اس آخری ملاقات میں آپ ﷺ نے اپنے اسیروں کو کبر و غرور سے بچنے کی تاکید فرمائی اور قرآنِ کریم کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾[1]

”یہ عالمِ آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔“

پھر آپ ﷺ نے اپنی روانگی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا کہ کلیجے منہ کو آنے لگے:

”اللہ کا مقرر کردہ وقت قریب آ گیا ہے۔ اب سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ اور ”رفیقِ اعلیٰ“ (اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جن کا مرکزِ حیات ہی آپ ﷺ کی ذات تھی، اس جدائی کے تصور سے نڈھال ہو کر پوچھنے لگے: ”یا رسول اللہ! (جب وہ گھڑی آئے گی تو) آپ کو غسل کون دے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے خاندان کے قریبی مرد“۔

پھر پوچھا گیا: ”ہم آپ کو کس میں کفن دیں؟“

فرمایا: ”اگر چاہو تو میرے ان ہی کپڑوں میں، یا یمنی و مصری کپڑوں میں“۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ”ہم میں سے آپ کی نمازِ جنازہ کون پڑھائے گا؟“ تو یہ سن کر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رو پڑے اور رحمتِ عالم ﷺ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ذرا ٹھہرو! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ جب تم مجھے غسل دے چکو اور میرے جنازے کو قبر کے کنارے رکھ دو، تو کچھ دیر کے لیے باہر چلے جانا، کیوں کہ سب سے پہلے

---

[1]۔ سورۃ القصص، آیت نمبر: 83۔

میرے خلیل جبرائیل علیہ السلام میری نمازِ جنازہ پڑھیں گے، پھر میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام اپنے لشکروں کے ساتھ، پھر سارے فرشتے نماز پڑھیں گے۔ اس کے بعد تم جماعت در جماعت اندر آنا اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا۔"

امت کے نام آخری پیغام اور سلام:

آپ ﷺ نے اپنے اسیرانِ جمال کو وصیت فرمائی کہ شور و غوغا نہ کرنا کہ اس سے مجھے تکلیف ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے وہ تاریخی کلمات کہے جو آج بھی ہر امتی کے لیے باعثِ فخر ہیں:

"تم میری طرف سے اپنا سلام قبول کرلو! اور میرے جو بھائی اس وقت غائب ہیں، انہیں بھی میرا سلام کہہ دینا۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میرے بعد جو بھی میرے دین میں داخل ہوگا اور قیامت تک جو بھی میری اتباع کرے گا، میں ان سب کو سلام کہہ رہا ہوں۔"[1]

یہ ایک "نبیِ برحق" کا اپنے غلاموں سے آخری کلام تھا، جس میں نہ صرف موجودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعائیں تھیں، بلکہ ہم جیسے گناہگاروں کے لیے بھی "سلامِ نبوی" کی نوید تھی۔ اسیرانِ جمال کے لیے یہ وصیتیں آج بھی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔

❁❁❁

---

[1] -ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 1483-1485/ البدایۃ والنہایۃ۔

سوزِ ہجر اور فراقِ یار

(حضور ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت)

جس جمالِ جہاں آرا کے تذکروں سے کائنات مہکتی تھی، جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوا تو اسیرانِ جمال پر کیا گزری، اس کا تصور ہی روح کو لرزا دیتا ہے۔ وہ قدسی صفات ہستیاں جو رخِ انور کے ایک ادنیٰ اشارے پر کائنات قربان کرنے کو تلے رہتے تھے، آج اپنے مرکزِ حیات کی جدائی کے صدمے سے نڈھال تھے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا استقلال اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تڑپ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس جانکاہ منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے اس دنیائے فانی سے پردہ فرما لیا، تو مسجدِ نبوی کا عالم عجیب تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جن کا رشتہ محبتِ رسول ﷺ سے جڑا تھا، اس صدمے کو قبول کرنے کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک جذباتی کیفیت میں لوگوں سے محوِ گفتگو تھے۔ ایسے میں پیکرِ صبر و رضا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حجرہ نبوی ﷺ سے برآمد ہوئے۔ آپؓ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ تاریخی خطبہ دیا جس نے بکھرے ہوئے دلوں کو سہارا دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

"لوگو! تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ جان لے کہ اللہ ہمیشہ زندہ ہے، اسے موت نہیں آ سکتی۔"

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ

قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ﴿[1]

اور محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں آپ ﷺ سے پہلے اور بہت سے رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپ ﷺ کا انتقال ہو جائے یا آپ ﷺ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے؟[2]

ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا غم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وحشت:

جدائی کا یہ زخم اتنا گہرا تھا کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی عقلیں بھی جواب دے رہی تھیں۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس صدمے نے ہمیں اس قدر نڈھال کر دیا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر وحشت طاری ہوگئی اور یہ وسوسے آنے لگے کہ اب دین کا کیا بنے گا؟

”اے خلیفہ رسول! کیا میں آپ کو ایک عجیب بات نہ بتاؤں؟ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، انہیں سلام کیا، مگر انہوں نے جواب تک نہ دیا“۔[3]

یہ اسیرانِ جمال کی وہ کیفیت تھی جہاں صدمے کی شدت نے حواس کو معطل کر دیا تھا۔ جس نے سورج کو دیکھا ہو، اس کے سامنے جب اندھیرا چھا جائے تو اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہی حال ان عشاق کا تھا جن کے لیے کائنات کا واحد اجالا ”جمالِ مصطفیٰ ﷺ“ تھا۔

غمِ ہجر کا تلاطم اور کائنات کی سب سے بڑی مصیبت:

جب ”شمس الضحیٰ“ کی ضیا پاشیاں ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوئیں، تو مدینہ کی

---

[1] -سورۃ آل عمران آیت: 144

[2] -اخرجہ عبد الرزاق وابن سعد وابن ابی شیبۃ واحمد والبخاری وابن حبان وغیرہم کذا فی الکنز ۷:۴۸۰۔

[3] -اخرجہ ابن سعد ۳:۱۲۸

گلیوں میں اداسی کا وہ ڈیرہ تھا جس کی مثال تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہر اسیرِ جمال اپنے طور پر اس صدمے کی تپش محسوس کر رہا تھا۔

سیدنا علی وصدیق اکبر رضی اللہ عنہما کا مکالمہِ غم:

حضرت عبدالرحمن بن سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ اس غم کی شدت کا ایک ورق یوں پلٹتے ہیں کہ ایک روز شیرِ خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سرِ مبارک پر کپڑا تھا اور چہرہ انور غم کی گہری لہروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے رفیقِ خاص کی یہ حالت دیکھی تو بے ساختہ پوچھا: "اے علی! خیریت تو ہے؟ آج آپ اتنے زیادہ رنجیدہ کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ، جن کا بچپن سے جوانی تک کا ہر لمحہ جمالِ نبوی کے سائے میں گزرا تھا، تڑپ کر بولے: "آج مجھے وہ زبردست غم درپیش ہے جو شاید آپ کو پیش نہیں آیا!"

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، جن کے وجود کا ہر ریشہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے عبارت تھا، یہ سن کر تڑپ اٹھے اور فرمایا: "اللہ کے واسطے ذرا غور تو کیجیے آپ کیا کہہ رہے ہیں! کیا آپ کے خیال میں کائنات میں کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے جسے مجھ سے بڑھ کر حضور ﷺ کی جدائی کا صدمہ ہوا ہو؟"

یہ دو عظیم ہستیوں کے درمیان "مقابلہِ غم" نہیں تھا، بلکہ یہ اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اسیروں میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ اس سے بڑھ کر لٹنے والا کوئی نہیں۔[1]

---

[1] - اخرجہ ابن سعد 2:82

ازواجِ مطہرات کی بے قراری اور پھاوڑوں کی وہ صدا:

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اس پر ہول رات کا نقشہ کھینچتی ہیں جب آفتابِ رسالت ﷺ غروب ہو چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا جسدِ اطہر حجرے میں رکھا تھا اور ہم تمام ازواجِ مطہرات جمع تھیں۔ غم کے بوجھ سے آنکھیں اشکبار تھیں اور نیند کوسوں دور تھی۔ ہم بار بار آپ ﷺ کے رخِ زیبا کی زیارت کرتیں اور خود کو تسلی دیتیں کہ ابھی "مرکزِ حیات" ہمارے پاس موجود ہے۔

لیکن جب رات کا آخری پہر آیا اور وہ گھڑی آئی جب محبوب کو لحد میں اتارا جانا تھا، تو سکوتِ شب میں اچانک "پھاوڑوں" کے چلنے کی آواز گونجی۔ وہ مٹی گرنے کی آواز نہیں تھی، بلکہ اسیرانِ جمال کے دلوں پر بجلی گرنے کی صدا تھی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جیسے ہی ہمیں ادراک ہوا کہ اب مٹی اور محبوب کے درمیان جدائی کی دیوار کھڑی ہو رہی ہے، تو ہماری چیخ نکل گئی، مسجد نبوی کے در و دیوار لرز اٹھے اور پورا مدینہ اس آہ و بکا سے گونج اٹھا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور زخموں کا ہرا ہونا:

صدمے کی انتہا تو تب ہوئی جب فجر کی اذان کا وقت آیا۔ وہ بلال رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے اشارہِ ابرو کے منتظر رہتے تھے، آج لرزتے قدموں سے مصلے کے قریب آئے۔ جب کلمہِ شہادت کے کلمات "اشهد ان محمد رسول الله" تک پہنچے، تو جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی یاد نے گلے میں آواز کو دبا دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ دھاڑیں مار کر رو پڑے، اذان کی صدا سسکیوں میں بدل گئی اور مدینہ کے ہر گھر میں غم کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی۔

لوگ دیوانہ وار حجرہِ نبوی کی طرف لپکنے لگے تاکہ ایک آخری بار اپنے آقا کی زیارت کر سکیں، یہاں تک کہ ہجوم کے پیشِ نظر دروازہ اندر سے بند کرنا پڑا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سچ فرماتی ہیں:

"وہ کائنات کی سب سے بڑی مصیبت تھی! اس کے بعد ہم پر جو بھی دکھ یا تکلیف آئی، جب ہم نے حضور ﷺ کی جدائی کے صدمے کو یاد کیا، تو ہر بڑی سے بڑی مصیبت ہمیں ہیچ اور ہلکی معلوم ہونے لگی۔"[1]

حضرت ابوذویب ہذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے دیکھا کہ مدینہ والے اونچی آواز سے ایسے زور زور سے رو رہے ہیں جیسے کہ سارے حاجی احرام کی حالت میں زور سے لبیک کہہ رہے ہوں۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے (اس وجہ سے سب لوگ رو رہے ہیں)۔[2]

مدینہ کی تاریخ کا روشن اور تاریک ترین دن:

عشق و ہجر کی داستان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان اسیرانِ جمال کے لیے بصیرت کا سامان رکھتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی آمد کا جشن بھی دیکھا اور جدائی کا وہ جاں گسل منظر بھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو مدینہ کی ہر چیز روشن و منور ہو گئی (ایسا محسوس ہوتا تھا کہ در و دیوار مسکرا رہے ہیں)۔ پھر جب وہ دن آیا جس میں آپ ﷺ کا وصال ہوا، تو مدینہ کی ہر چیز پر تاریکی چھا گئی (اور ہر شے سوگوار ہو گئی)۔"[3]

آپ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ ابھی ہم نے حضور ﷺ کو دفن کر کے اپنے ہاتھ مٹی سے جھاڑے ہی نہ تھے کہ ہمیں اپنے دل بدلے ہوئے محسوس ہونے لگے (یعنی وہ سکون اور اطمینان

---

[1] -اخرجہ الواقدی کذا فی البدایۃ 5:271

[2] -اخرجہ ابن مندہ و ابن عساکر کذا فی الکنز، ج:4، ص:58

[3] -سنن ترمذی: 3618، سنن ابن ماجہ: 1631۔

جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری معیت میں تھا، وہ اب وحشت اور اداسی میں بدل چکا تھا)۔

سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا صدمہ اور خاکِ قبر کی خوشبو:

جب کائنات کا سب سے بڑا جنازہ اٹھا اور اسیرانِ جمال نے اپنے ہاتھوں سے "مرکزِ جمال" کو منوں مٹی تلے چھپا دیا، تو جگر گوشہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حالت دیدنی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تدفین کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (انتہائی رقت آمیز لہجے میں) مجھ سے پوچھا:

"اے انس! کیا تمہارے دلوں نے یہ گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے جسمِ اطہر) پر مٹی ڈالو؟"[1]

آپ رضی اللہ عنہا کی زبانِ مبارک پر وہ اشعار جاری تھے جو رہتی دنیا تک اسیرانِ جمال کے لیے نوحہ بن گئے:

مَاذَا عَلَى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدٍ   أَنْ لَا يَشَمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

ترجمہ: اس شخص کا کیا نقصان ہے جس نے احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی خاک سونگھ لی، کہ وہ اب زندگی بھر کسی اور قیمتی خوشبو کو نہ سونگھے (یعنی اس مٹی کی مہک ہی اسے تمام جہان کی خوشبوؤں سے بے نیاز کر دینے والی ہے)

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا   صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

ترجمہ: مجھ پر (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے) وہ مصائب ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ روشن دنوں پر پڑتے، تو وہ کالی راتوں میں بدل جاتے۔[2]

---

[1] -صحیح بخاری: 4462۔

[2] -القسطلاني، المواهب اللدنية: جلد 3، صفحه 609-ابن جوزي، الوفاء بأحوال المصطفى: صفحه 819۔

حضرت ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ اس حزن و ملال کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (کھل کر) ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں! کبھی کبھار صرف تھوڑا سا مسکرا لیتیں جس سے چہرے کی ایک جانب ذرا لمبی ہو جاتی۔"[1]

یہ محض ایک تاریخی جملہ نہیں، بلکہ اس کرب کا اظہار ہے جو ہجرِ مصطفیٰ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے دل پر نقش کر دیا تھا۔ جس ہستی کی مسکراہٹ پر کائنات واردی جاتی تھی، اب اس کے لبوں پر مسکراہٹ کے سائے بھی دھندلا گئے تھے۔ اسیرانِ جمال کے لیے یہ واقعہ ایک خاموش گواہی ہے کہ جب محبوب رخصت ہو جائے تو پھر زندگی کی بہاریں اور قہقہے اجنبی محسوس ہونے لگتے ہیں۔

فراقِ یار میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی بینائی کا ختم ہونا:

محبت کی انتہا تو دیکھیے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو یہ دعا تک مانگ لی کہ اب جب "جمالِ مصطفیٰ ﷺ" نہیں رہا، تو ان کی آنکھیں بھی نہ رہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی (حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ) نے حضور ﷺ کی وفات کی خبر سنی تو عرض کیا:

"اے اللہ! میری بینائی چھین لے تاکہ اس محبوب ﷺ کے بعد میں اب کسی اور کو نہ دیکھ سکوں۔" چنانچہ وہ اسی وقت نابینا ہو گئے تاکہ ان کی آنکھوں میں آخری نقش صرف "جمالِ یار" کا ہی رہے۔[2]

❁❁❁

---

[1] -اخرجہ ابن سعد 2:82.

[2] -الشفاء للقاضی عیاض۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ محض ایک اتفاق نہیں تھا، بلکہ ایک عاشقِ صادق کی وہ "حسین سازش" تھی جو رہتی دنیا تک عشقِ رسول ﷺ کی ایک بے مثال داستان بن گئی۔

وہ رقت آمیز منظر:

جب سورج چھپنے والا تھا

مدینہ منورہ کی فضاؤں میں سوگ کا سماں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ وہ ہستی جس کے قدموں کی دھول کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے، آج انہیں منوں مٹی تلے چھپانے کا وقت آ گیا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو قبرِ انور میں اتار دیا گیا اور قبر کو بند کرنے کے لیے اینٹیں (لحد) رکھی جانے لگیں، تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا دل تڑپ اٹھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اب چند لمحوں بعد یہ در ہمیشہ کے لیے ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ ان کے اندر کے عشق نے ایک عجیب تدبیر سجھائی۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی نکالی اور خاموشی سے قبرِ اطہر کے اندر گرا دی۔

جب مٹی ڈالی جانے لگی تو انہوں نے پکار کر کہا:

"ٹھہریے! میری انگوٹھی قبر میں گر گئی ہے، مجھے اسے نکال لینے دیں"۔

آپ رضی اللہ عنہ کو اجازت ملی۔ یہ انگوٹھی نکالنا تو محض ایک بہانہ تھا، اصل مقصد تو کچھ اور تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے، انگوٹھی اٹھائی اور اس بہانے رسول اللہ ﷺ کے جسدِ اطہر اور کفنِ مبارک کو چھوا، اسے آنکھوں سے لگایا اور اپنے ہاتھوں کو آپ ﷺ کے تلووں سے مس کیا۔

جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ قبر سے باہر نکلے تو ان کے آنسو تھمتے نہ تھے، مگر دل مژدہ سنا رہا تھا کہ اے مغیرہ! اب تیرے ان ہاتھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی جنھوں نے سب سے آخر میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوا ہے۔ وہ فخر سے فرمایا کرتے تھے:

"أنا أحدثكم عهداً برسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

ترجمہ: لوگو! تم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے آخری ملاقات (لمس) کا شرف مجھے حاصل ہے۔[1]

اگرچہ بعض روایات میں حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ سب سے آخر میں نکلے، لیکن علمائے سیرت (جیسے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ان کی خصوصی محبت اور آخری ملاقات کی تڑپ کی علامت کے طور پر تاریخ میں محفوظ ہو گیا اور ان کا یہ دعویٰ مشہور رہا۔

❁❁❁

[1]- دلائل النبوۃ للبیہقی: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں اس واقعے کو تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ کس طرح حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے انگوٹھی گرا کر آخری لمس کی سعادت حاصل کی۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام:

آسمانی رابطے کا انقطاع
اور اسیرانِ جمال کی تڑپ

حضور ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا کہا:

جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اوجھل ہونے کا صدمہ محض ایک ہستی کی جدائی نہ تھی، بلکہ یہ زمین کا آسمان سے مادی رابطہ ٹوٹ جانے کا المیہ تھا۔ اسیرانِ جمال جہاں آپ ﷺ کی دید کے پیاسے تھے، وہیں وہ اس "وحیِ الٰہی" کے انقطاع پر بھی نوحہ کناں تھے جو بیس سال سے ان کی روحوں کی غذا بنی ہوئی تھی۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اعترافِ محرومی:

حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اس کیفیت کو بیان کرتے ہیں کہ جب وفاتِ نبوی ﷺ کا پہاڑ جیسا صدمہ نازل ہوا، تو یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک پر یہ دردناک جملہ تھا:

"آج ہم وحیِ الٰہی اور اللہ جل جلالہ کے پاس سے آنے والے کلام (کی برکات) سے محروم ہو گئے۔"[1]

یہ اسیرِ جمال کا وہ شعور تھا جو جانتا تھا کہ اب کائنات اس نورِ ہدایت کی تازہ بوندوں کو ترسے گی جو براہِ راست قلبِ مصطفیٰ ﷺ پر اترا کرتی تھیں۔

سیدہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کا گریہ اور وحی کا غم:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، تو آپ ﷺ کی خادمہ اور پرورش کرنے والی معتبر ہستی حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا زارو

---

[1] - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 2585۔

قطار رونے لگیں۔ کسی نے حیرت سے پوچھا: "آپ حضور ﷺ کے انتقال پر اس قدر بے حال کیوں ہیں؟ (جبکہ موت برحق ہے)"۔

آپ رضی اللہ عنہا نے تڑپ کر وہ جواب دیا جو تاریخِ عشق کا حصہ بن گیا:

"میں حضور ﷺ کے انتقال پر اس لیے نہیں رو رہی کہ مجھے ان کی وفات کا یقین نہ تھا، میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ آسمان سے وحی آنے کا سلسلہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا"۔ [1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نوحہ اور جبرائیل علیہ السلام سے تعزیت:

محبت اور درد کی سب سے اونچی لہر جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نظر آتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مرض الوفات میں حضور ﷺ کی بے چینی بڑھی، تو سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی ممتا تڑپ اٹھی اور بولیں: "ہائے ابا جان کی بے چینی!"

حضور ﷺ نے اپنی لختِ جگر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "بیٹی! آج کے بعد تمہارے باپ پر کبھی بے چینی نہیں آئے گی"۔

مگر جب وہ گھڑی آ گئی اور جمالِ نبوی ﷺ پردہ فرما گیا، تو سیدہ رضی اللہ عنہا کے لبوں سے وہ جملے نکلے جو پتھروں کو بھی موم کر دیں:

"ہائے میرے ابا جان! جنہوں نے رب کی پکار پر لبیک کہہ دیا۔ ہائے میرے ابا جان! جن کا ٹھکانہ اب جنت الفردوس ہے۔ ہائے میرے ابا جان! جن کی موت پر ہم (فرشتۂ وحی) جبرائیل علیہ السلام سے تعزیت کرتے ہیں"۔

اور جب تدفین کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس پلٹے، تو غم سے نڈھال سیدہ رضی اللہ عنہا

---

[1] - صحیح مسلم: 2454/ ابن سعد: 2586۔

نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ سوال کیا جس نے سب کے کلیجے چیر دیے:

"اے انس! تمہارے دلوں نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تم (اپنے ہاتھوں سے) حضور ﷺ کے پیکرِ جمال پر مٹی ڈال دو؟"[1]

یہ محض چند جملے نہیں تھے، بلکہ ان اسیرانِ جمال کی روحوں کا اضطراب تھا جنھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے "وحی کے مرکز" اور "کائنات کے سب سے حسین انسان" کو سپردِ خاک ہوتے دیکھا تھا۔ ان کے لیے مٹی کا وہ ڈھیر صرف قبر نہیں تھی، بلکہ ان کی تمناؤں کا مدفن تھا، مگر ان کا عشقِ صادق آج بھی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وہ جمال کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔

❁❁❁

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بے قراری اور پیرِ زال کا نوحہ:

عشقِ رسول ﷺ کا یہ عالم صرف حجروں اور مسجد کے مصلوں تک محدود نہ تھا، بلکہ مدینہ کی خاموش گلیوں میں بھی ہجر کے دیپ جل رہے تھے۔ وہ فاروقِ اعظمؓ جن کے رعب سے باطل تھراتا تھا، جب ذکرِ حبیب ﷺ چھڑتا تو ان کا دل موم کی طرح پگھل جاتا۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حسبِ معمول رعایا کی خبر گیری کے لیے نکلے۔ اندھیری رات میں آپ رضی اللہ عنہ کا گزر ایک گھر کے پاس سے ہوا جہاں چراغ جل رہا تھا۔ اندر سے ایک بوڑھی خاتون کے اون کاتنے کی آواز آ رہی تھی، مگر اس کے ساتھ ہی وہ فراقِ ہجر میں ڈوبے ہوئے کچھ ایسے اشعار پڑھ رہی تھی جنھوں نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قدموں کو زنجیر پہنا دی۔ وہ اشعار یہ تھے:

---

[1] - صحیح بخاری: 4462/ ابن سعد: 2587۔

عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَاةُ الْأَبْرَارِ صَلَّى عَلَيْهِ الطَّيِّبُونَ الْأَخْيَارِ
قَدْ كُنْتَ قَوَّامًا بَكِيٍّ بِالْأَسْحَارِ يَا لَيْتَ شِعْرِي وَالْمَنَايَا أَطْوَارِ
هَلْ تَجْمَعُنِي وَحَبِيبِي الدَّارُ

ترجمہ: محمد ﷺ پر نیک لوگوں کا درود ہو، اور ان پر پاکیزہ و برگزیدہ ہستیوں کا سلام ہو۔ (اے اللہ کے رسول!) آپ راتوں کو کثرت سے قیام کرنے والے اور سحری کے وقت (خشیتِ الٰہی میں) آنسو بہانے والے تھے۔ ہائے افسوس! موت کے راستے جدا جدا ہیں، کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کیا روزِ قیامت مجھے میرے محبوب ﷺ کا قرب نصیب ہو سکے گا؟"

یہ اشعار کیا تھے، گویا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زخموں پر نمک پاش تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ وہیں دیوار سے لگ کر زار و قطار رونے لگے۔ جب دل ذرا سنبھلا تو دروازے پر دستک دی۔ بڑھیا نے پوچھا: "کون؟" فرمایا: "عمر بن الخطاب!"

وہ گھبرا گئی کہ رات کے اس پہر خلیفہ کو یہاں کیا کام؟ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اطمینان دلایا اور اندر داخل ہو کر مقتدر لہجے میں نہیں بلکہ ایک "اسیرِ جمال" کی عاجزی کے ساتھ التجا کی:

"اللہ تجھ پر رحم کرے! جو اشعار تو ابھی پڑھ رہی تھی، ذرا دوبارہ تو پڑھنا۔"

اس نے جب دوبارہ وہ اشعار پڑھے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے لرزتی آواز میں فرمایا:

"اے اللہ کی بندی! اس مبارک دعا اور اجتماع میں مجھے بھی شامل کر لے اور یہ کہہ کہ: (اے اللہ!) ہم دونوں کو آخرت میں حضور ﷺ کی رفاقت نصیب فرما اور اے غفور و رحیم! عمر کو معاف کر دے۔"[1]

[1] - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 1365۔

محبت کی یہ چوٹ اتنی گہری تھی کہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کئی دن تک بیمار (صاحبِ فراش) رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی عیادت کے لیے آتے رہے۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ خلیفہِ وقت کسی جسمانی مرض میں نہیں، بلکہ "مرضِ عشق" اور "تیغِ ہجر" کا شکار ہوئے ہیں۔ [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایمان و دین کا خلاصہ یہی تھا کہ کائنات کی ہر شے، ہر لمحہ اور ہر نسبت صرف اور صرف "ذاتِ مصطفیٰ ﷺ" سے جڑی ہو۔ وہ اسیرانِ جمال تھے جو وصال کے بعد بھی یادِ یار میں جیتے اور یادِ یار میں ہی تڑپتے تھے۔

❁❁❁

ترانہِ عشق اور مؤذنِ رسول ﷺ کی بے قراری:

اسیرانِ جمال کی داستان تب تک ادھوری ہے جب تک اس میں سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے عشقِ صادق کا تذکرہ نہ چھیڑا جائے۔ وہ بلال رضی اللہ عنہ جن کی اذانِ سحر اہل مکہ کے لیے پیغامِ توحید تھی، وصالِ نبوی ﷺ کے بعد ان کے لیے مدینہ کی گلیاں بن مصلے کے حجرہ بن گئیں۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی حالت دیدنی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ دیوانہ وار مدینہ کی گلیوں میں پھرتے اور ہر ملنے والے سے پکار کر کہتے:

"لوگو! تم نے کہیں میرے رسول ﷺ کو دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دو!"

جب ہجر کی آگ حد سے بڑھی اور مدینہ کی ہر دیوار سے محبوب کی یادیں وابستہ نظر آئیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں رہنا دشوار پایا اور ملکِ شام (حلب) کی طرف ہجرت کر گئے۔

---

[1] - رحمۃ للعالمین / ابن سعد: 1366۔

تقریباً چھ ماہ اسی عالمِ بے بسی میں گزرے کہ ایک رات خواب میں "مرکزِ جمال ﷺ" کی زیارت نصیب ہوئی۔ آقا ﷺ نے بڑے دلنشین مگر گلہ آمیز لہجے میں فرمایا:

"مَا هٰذِهِ الْجَفْوَةُ يَا بِلَالُ! مَا آنَ لَكَ أَنْ تَزُورَنَا؟" [1]

"اے بلال! یہ کیسی بے وفائی ہے؟ کیا ابھی ہماری ملاقات کا وقت نہیں آیا؟"۔

خواب سے بیدار ہوتے ہی بلال رضی اللہ عنہ کے وجود میں جیسے بجلی دوڑ گئی۔ لبوں پر "لبیک یا سیدی یا رسول اللہ" کی صدائیں تھیں اور رخ مدینہ کی جانب۔ جب مدینہ کی حدود میں داخل ہوئے تو سیدھے مسجدِ نبوی پہنچے۔ وارفتگی کا عالم یہ تھا کہ کبھی حجروں میں جھانکتے اور کبھی منبرِ رسول ﷺ کی طرف دوڑتے، جب کہیں نہ پایا تو روتے ہوئے روضہِ اقدس پر سر رکھ دیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ نے بلایا تھا، غلام حاضر ہوگیا ہے!" اسی عالمِ وجد میں آپ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہوکر مزارِ پرانوار کے پاس گر پڑے۔

جب مدینہ میں خبر پھیلی کہ "مؤذنِ رسول ﷺ" آگئے ہیں، تو شہر میں ایک ہلچل مچ گئی۔ ہر چھوٹا بڑا، مرد وزن مسجدِ نبوی میں اکٹھا ہوگیا اور سب کی ایک ہی التجا تھی: "بلال! ایک بار وہی اذان سنادو جو محبوبِ خدا ﷺ کے دور میں سناتے تھے۔"

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے روکر معذرت کی: "لوگو! میں جب اذان میں "اشھد ان محمداً رسول الله" کہتا تھا تو سامنے رخِ انور کی زیارت کرتا تھا، اب ان الفاظ پر میں کسے دیکھوں گا؟"

آخرکار اسیرانِ جمال کے شہزادوں، یعنی حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو سفارش کے لیے لایا گیا۔ جب ان لختِ جگرِ رسول ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

---

[1] - ابن عساکر، تاریخ دمشق: 1367/ اسد الغابہ۔

"یَا بِلَالُ! نَشْتَهِي نَسْمَعُ أَذَانَكَ الَّذِي كُنْتَ تُؤَذِّنُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ"[1]

"اے بلال! ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم آپ سے وہی اذان سنیں جو آپ ہمارے نانا جان ﷺ کو سناتے تھے"۔

اب بلال رضی اللہ عنہ کے پاس انکار کی گنجائش نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ اسی مقام پر کھڑے ہوئے جہاں حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں کھڑے ہوتے تھے۔

جیسے ہی بلال رضی اللہ عنہ کی بلند آواز میں "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کی صدا گونجی، پورا مدینہ لرز اٹھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ" پر پہنچے تو لوگوں کی سسکیاں نکل گئیں۔ اور جیسے ہی آپ رضی اللہ عنہ نے "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کے کلمات ادا کیے، تو وہ پردہ نشین خواتین جو سالہا سال سے گھروں سے باہر نہ نکلی تھیں، وہ بھی دیوانہ وار باہر نکل آئیں کہ شاید "جمالِ محمدی ﷺ" واپس آ گیا ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ میں اس دن سے زیادہ رونے والے مرد و زن نہیں دیکھے گئے۔[2]

علامہ اقبالؒ نے اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی یہ اذان ثابت کرتی ہے کہ اسیرانِ جمال کے لیے زندگی کی ہر عبادت، ہر پکار اور ہر سانس کا مقصد صرف اور صرف محبوب ﷺ کا دیدار تھا۔ اگر دیدار نہیں تو آواز میں وہ سوز نہیں، اور اگر نسبتِ رسول ﷺ نہیں تو بندگی کا مزہ نہیں۔

---

[1] -ابن عساکر: 1368۔

[2] -السیوطی، الخصائص الکبریٰ: 1369۔

باب ششم

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تسخیرِ کائنات

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامات کا بیان)

معرکہِ یرموک:

جب فقرِ مومن نے قیصر کے غرور کو خاک کر دیا

تاریخ کے اوراق جب بھی شجاعت اور الٰہی نصرت کی داستانیں دہرائیں گے، "یرموک" کا نام ایک روشن مینار کی طرح جگمگائے گا۔ یہ محض دو لشکروں کا ٹکراؤ نہیں تھا، بلکہ ایک طرف مادی وسائل کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا اور دوسری طرف تشنہ لبِ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ پروانے، جن کے نزدیک موت زندگی سے زیادہ عزیز تھی۔

یہ اس عظیم معرکے کی سرگزشت ہے جہاں 60 فدائیانِ اسلام نے 60 ہزار کے لشکرِ جرار کی صفیں الٹ دیں، جہاں "سیف اللہ" کی تدبیر نے وقت کی سپر پاور کے تکبر کو ریگزارِ شام میں دفن کر دیا اور جہاں اطاعتِ امیر کا وہ نمونہ پیش کیا گیا جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آیئے! بصیرت کی آنکھ سے اس معرکے کا مشاہدہ کرتے ہیں جس نے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا اور ثابت کیا کہ نصرتِ الٰہی تعداد کی کثرت میں نہیں، بلکہ جذبوں کی سچائی میں پوشیدہ ہے۔

60 کا مقابلہ 60 ہزار سے:

عقل حیران، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میدان

جنگِ یرموک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہدِ مبارک کی وہ فیصلہ کن لڑائی ہے جس نے بازنطینی (رومی) سلطنت کے غرور کو خاک میں ملا دیا اور شام میں اسلامی فتوحات کی راہ ہموار کی۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے اپنی بے مثال شجاعت، جنگی حکمتِ عملی اور قوتِ ایمانی سے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

تاریخی پس منظر اور سنِ وقوع

- اس جنگ کے وقت کے تعین میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں:
- **بقول ابنِ جریر طبری:** یہ معرکہ 13 ہجری میں پیش آیا۔
- **بقول جمہور مؤرخین:** یہ جنگ 15 ہجری میں لڑی گئی۔

دورِ خلافت کی تبدیلی:

یہ جنگ ایک ایسے نازک موڑ پر لڑی گئی جب اسلامی ریاست کی قیادت تبدیل ہو رہی تھی:

- **آغاز:** یہ معرکہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شروع ہوا۔
- **دورانِ جنگ:** عین معرکے کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا اور خلافت کی ذمہ داریاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو منتقل ہوئیں۔
- **قیادت کی تبدیلی:** اسی دوران سپہ سالاری کی ذمہ داری حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو منتقل کرنے کا حکم نامہ بھی پہنچا، جسے صحابہ نے کمالِ

اطاعت سے قبول کیا۔

نوٹ: یہ معرکہ صرف زمین کے ٹکڑے کی جنگ نہیں تھی، بلکہ یہ حق و باطل کا وہ ٹکراؤ تھا جس میں مٹھی بھر فدائیانِ اسلام نے وقت کی سپر پاور کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

مرحلہ اوّل: رومی افواج کا اجتماع اور مقامِ یرموک کا انتخاب

جب رومی شہنشاہ ہرقل کو شام کے مختلف شہروں کی فتوحات اور مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ملی، تو اس نے اسے اپنی سلطنت کے وجود کے لیے خطرہ محسوس کیا اور ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

ہرقل نے اپنی قلمرو کے ہر کونے سے افواج طلب کیں۔ تاریخ دانوں کے مطابق:

- **رومی لشکر:** ان کی تعداد لاکھوں (تقریباً 2 لاکھ سے زائد) بتائی جاتی ہے، جن کا پھیلاؤ انطاکیہ سے لے کر رومۃ الکبریٰ تک تھا۔
- **اسلامی لشکر:** اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد محض 40 سے 60 ہزار کے درمیان تھی۔

رومیوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کی اور فرمایا کہ فتح کا دارومدار تعداد پر نہیں بلکہ اللہ کی نصرت اور صبر پر ہے۔

اس مرحلے پر ایک اہم مشاورتی نشست ہوئی:

- **عمومی رائے:** بعض کی رائے تھی کہ شام کے شہروں کے اندر رہ کر دفاع کیا جائے۔
- **خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:** آپ نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے مشورہ دیا

کہ شہروں کے اندر محصور ہونے کے بجائے میدانِ یرموک کا انتخاب کیا جائے۔

❁ **حکمتِ عملی کا مقصد:** کھلے میدان میں لڑنے سے مسلمانوں کو اپنی مرضی کی ترتیب بنانے کا موقع ملتا اور ضرورت پڑنے پر مدینہ منورہ سے آنے والی کمک کے راستے بھی کھلے رہتے۔

مسلمانوں نے شام کے شہروں سے نکل کر یرموک کی سمت کوچ کیا، جہاں جغرافیائی لحاظ سے دفاعی پوزیشن بہتر تھی۔ رومی افواج بھی اپنے لاؤلشکر کے ساتھ اس میدان میں پہنچ گئیں اور یوں تاریخ کے سب سے بڑے ٹکراؤ کے لیے اسٹیج تیار ہو گیا۔

مرحلۂ دوم:

60 جاں نثاروں کا انتخاب اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حکمتِ عملی

جب رومیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر سامنے آیا، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نفسیاتی اور عسکری اعتبار سے ایک ایسی چال چلی جس نے دشمن کے رعب کو خاک میں ملا دیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو عجز و انکساری کا درس دیتے ہوئے ان کے ذہنوں کو اس حقیقت کی طرف موڑا کہ ہماری طاقت ہماری تعداد میں نہیں بلکہ اللہ کی تائید میں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم حزب الرحمن (اللہ کا گروہ) ہیں اور وہ حزب الشیطان (شیطان کا گروہ) ہیں۔ ہمیں اپنی پوری قوت ایک ساتھ جھونکنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔"

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ایمان اس قدر قوی تھا کہ انہوں نے ابتدا میں صرف 30 نامور جاں نثاروں کو ساتھ لے کر دشمن کے ہراول دستے (جو کہ 60 ہزار پر مشتمل تھا) پر حملے کا ارادہ کیا۔ آپ کا استدلال یہ تھا کہ:

میرا ایک ایک سپاہی دشمن کے دو ہزار سپاہیوں پر بھاری ہے۔

جب دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خصوصاً حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خطرے کی سنگینی کو دیکھا، تو انہوں نے اصرار کیا کہ تعداد کچھ بڑھائی جائے۔ اس مشورے کے بعد تعداد 60 کر دی گئی۔

اب تناسب یہ تھا کہ ایک مسلمان مجاہد، ایک ہزار رومیوں کے مدمقابل تھا۔

ان 60 فدائیانِ مصطفیٰ ﷺ نے جب تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمن پر یلغار کی، تو رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

- **دشمن کا جانی نقصان:** رومیوں کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہوئی اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔
- **مسلمانوں کی قربانیاں:** اس شدید جھڑپ میں 10 مسلمان رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے اور 15 مجاہدین قید کر لیے گئے۔

اپنے ساتھیوں کی گرفتاری پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شدید صدمہ پہنچا، لیکن اس مہم کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ دشمن کا وہ رعب جو ان کی کثرت کی وجہ سے تھا، ختم ہو گیا۔ اب میدانِ جنگ کی لکیریں واضح ہو چکی تھیں اور رومیوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا مقابلہ کسی عام فوج سے نہیں بلکہ موت کے سوداگروں سے ہے۔

مرحلۂ سوم:

جنگ کا باقاعدہ آغاز اور رومی لشکر میں انتشار

ابتدائی جھڑپوں کے بعد، اب وہ وقت آ گیا تھا جب دونوں سلطنتوں کی مکمل طاقتیں ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ یہ صرف دو فوجوں کا نہیں، بلکہ دو نظریات کا ٹکراؤ تھا۔

رومیوں نے اپنی عددی برتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف محاذوں سے ایک ساتھ

زوردار حملے کیے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو چاروں طرف سے دباؤ میں لا کر ان کی صفیں توڑ دی جائیں۔ رومیوں کے ٹھاٹھیں مارتے لشکر کی گونج میلوں دور تک سنی جا سکتی تھی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دشمن کی چال کو بھانپتے ہوئے دفاعی پوزیشنوں کو مزید مضبوط کیا۔ آپ نے بھاری بھرکم لشکر کے سامنے سینہ سپر ہونے کے بجائے ایسی عسکری تقسیم کی جو دشمن کے لیے غیر متوقع تھی:

- **چھوٹی جماعتوں کی تشکیل:** آپ نے پورے لشکر کو مختلف چھوٹی لیکن انتہائی متحرک جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔
- **الگ الگ جہتوں سے جوابی حملہ:** بجائے اس کے کہ مسلمان صرف دفاع کرتے، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان جماعتوں کو حکم دیا کہ وہ الگ الگ سمتوں سے رومیوں کے مخصوص حصوں پر اچانک اور بھرپور ضرب لگائیں۔

جب مسلمانوں نے مختلف جہتوں سے منظم حملے کیے، تو رومی لشکر اپنی بڑی تعداد کے باوجود بوکھلا گیا۔

- **انتشار کی کیفیت:** لاکھوں کی فوج کے لیے اتنی تیزی سے پوزیشن بدلنا ناممکن تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رومیوں کی اپنی صفیں ایک دوسرے میں الجھ گئیں اور ان میں شدید "تنظیمی خلل" پیدا ہو گیا۔
- **نفسیاتی شکست:** رومی سپاہی جو پہلے ہی مسلمانوں کے "60 جانبازوں" والے حملے سے خوفزدہ تھے، اس اچانک افراتفری کو برداشت نہ کر سکے۔

اس انتشاری حالت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مجاہدینِ اسلام نے رومیوں کے پرخچے اڑا دیے۔ رومیوں کی ایک بڑی تعداد میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی، جبکہ بہت سے اہم جنگجو اور سپاہی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔

مرحلہ چہارم:

قیدیوں کی رہائی کے لیے مذاکرات اور دربارِ باہان میں للکار

پچھلی جھڑپ میں جو 15 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رومیوں کی قید میں چلے گئے تھے، ان کی رہائی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بڑا چیلنج اور جذباتی مسئلہ تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ خود رومی جرنیل باہان کے پاس جا کر اپنے ساتھیوں کی رہائی کی بات کریں گے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خدشہ تھا کہ باہان بدعہدی کر سکتا ہے، اس لیے ان کے اصرار پر آپ تنہا جانے کے بجائے 100 جانبازوں کے ہمراہ رومی لشکرگاہ پہنچے۔

رومی جرنیل باہان نے مسلمانوں کی ظاہری حالت (غربت و افلاس) کا مذاق اڑانے کی کوشش کی اور انہیں مال و دولت، کپڑوں اور خوراک کا لالچ دے کر صلح کی پیشکش کی۔ اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو کچھ "معاوضہ" دے کر واپس بھیج دے، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ:

یہ غازی، یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کی پیشکش کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا اور دوٹوک الفاظ میں واضح کیا کہ ہم یہاں مال جمع کرنے نہیں بلکہ کلمۂ حق بلند کرنے آئے ہیں۔

جب مذاکرات تلخ ہوئے تو باہان نے قیدی صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کرنے کی دھمکی دی تاکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر دباؤ ڈالا جا سکے۔ سیف اللہ (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے وہ تاریخی جواب دیا جس نے رومی جرنیل کے پسینے چھڑا دیے:

"تم ہمیں موت سے ڈراتے ہو؟ یاد رکھو! ہم وہ لوگ ہیں جو شہادت کو غنیمت اور زندگی کا سب سے بڑا انعام سمجھتے ہیں۔"

اگرچہ باہان غصے سے آگ بگولا تھا اور آپ کے قتل کی گھات میں تھا، لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ہیبت اور بین الاقوامی سفارتی قوانین (کہ قاصد کو قتل نہیں کیا جاتا) کے خوف سے وہ پیچھے ہٹ گیا۔

نتیجہ: اللہ نے دشمن کے دل میں ایسی ہیبت ڈالی کہ باہان نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مطالبے پر تمام 15 قیدی صحابہ رضی اللہ عنہم کو رہا کر دیا۔

نکتہ: یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اپنے بھائیوں کی زندگی اور عزت، اپنی جان سے زیادہ مقدم تھی اور وہ دشمن کے گھر میں گھس کر بھی حق بات کہنے سے نہیں کتراتے تھے۔

مرحلہ پنجم:

صف بندی اور پہلی بڑی جھڑپ

مذاکرات کی ناکامی کے بعد اب میدانِ جنگ میں طاقت کے مظاہرے کا وقت تھا۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنی دور اندیشی اور اخلاص کا ثبوت دیتے ہوئے لشکر کی صف بندی اور عسکری کمان مکمل طور پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی، کیونکہ آپ جنگی چالوں کے ماہر تھے۔

دوسری طرف رومی کمانڈر باہان نے بھی اپنے لاکھوں کے لشکر کو جدید جنگی ترتیب کے ساتھ میدان میں اتارا۔

قدیم جنگی روایت کے مطابق عام حملے سے پہلے دونوں طرف کے نامور جنگجوؤں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ اس میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسی شجاعت دکھائی کہ رومیوں کے بڑے بڑے نامور سورما ڈھیر ہو گئے، جس سے

دشمن کا حوصلہ پست ہو گیا۔

دن بھر کی چھوٹی بڑی جھڑپوں کے بعد رات کے سائے پھیلتے ہی جنگ روک دی گئی۔ اس دن مسلمانوں کا جانی نقصان بہت کم رہا اور دونوں لشکر اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گئے۔

مرحلہ ششم:

باہان کا اچانک حملہ اور فیصلہ کن معرکہ

رومی کمانڈر باہان نے اپنی ناکامیوں کا بدلہ لینے کے لیے ایک خطرناک منصوبہ بنایا۔

آٹھویں دن جب مسلمان ابھی نمازِ فجر کی تیاری میں تھے، باہان نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اچانک حملہ کر دیا۔ یہ ایک انتہائی منظم اور خونریز یلغار تھی جس کا مقصد مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع نہ دینا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کمالِ ہوشیاری سے فوراً لشکر کو منظم کیا۔

- 500 جاں نثار مجاہدین کو فوری طور پر دفاع کے لیے آگے کیا گیا۔
- خواتین اور بچوں کو لشکر گاہ کے پیچھے محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

جنگ اتنی شدید تھی کہ لشکر کے دونوں بازوؤں پر رومیوں نے شدید دباؤ ڈالا۔

ایک وقت ایسا آیا کہ رومیوں کا پلہ بھاری لگنے لگا۔

عین نازک وقت پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے مخصوص دستے کے ساتھ دشمن کے میسرہ (بائیں بازو) پر اتنا زوردار حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں الٹ گئیں۔

یہ خونریز معرکہ صبح سے شروع ہو کر سورج ڈوبنے تک جاری رہا۔ بالآخر رومیوں کو

پیچھے ہٹنا پڑا اور رات کو ایک بار پھر خاموشی چھا گئی، لیکن اس بار مسلمان فتح کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔

سبحان اللہ! دشمن کی ہر چال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آہنی عزم کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئی۔

ساتواں مرحلہ:

تیراندازی کی بارش اور "یوم التعوّیر" (آنکھوں کا دن)

یہ جنگِ یرموک کا سب سے سخت اور آزمائش والا دن تھا، جس میں رومیوں نے اپنی تمام تر فنی مہارت کا استعمال کیا۔

دن کا آغاز دشمن کے 10 ہزار شہسواروں کے بھرپور حملے سے ہوا۔ اس جھڑپ میں مسلمانوں نے کمال بہادری دکھائی اور رومیوں کے دو بڑے صوبائی گورنروں کو واصلِ جہنم کر دیا، جس نے باہان کو مشتعل کر دیا۔

غصے میں بپھرے ہوئے باہان نے اپنے تیراندازوں کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر دیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس دن اتنی کثرت سے تیر چلے کہ فضا تاریک ہو گئی۔

اس شدید تیراندازی کی وجہ سے تقریباً سات سو (700) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھیں زخمی ہوئیں یا ضائع ہو گئیں۔ اسی نسبت سے تاریخ میں اسے "یوم التعوّیر" کہا جاتا ہے۔

ایسی نازک صورتحال میں بھی حضرت خالد بن ولیدؓ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہے، لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کے مجموعی مفاد اور زخمیوں کی بڑی تعداد کو دیکھتے ہوئے انہیں پیچھے ہٹنے اور صفیں دوبارہ درست کرنے کا مشورہ دیا، جسے قبول کر لیا گیا۔

آٹھواں مرحلہ:

رومی افواج کا ندی میں غرقاب ہونا

اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک غیبی مدد اور ایک مقامی شخص کی رہنمائی سے مسلمانوں کے لیے فتح کا راستہ آسان کر دیا۔

ایک مقامی عیسائی، "ابو الجعید"، جو رومیوں کے مظالم سے تنگ آ چکا تھا، مسلمانوں کے پاس آیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ رومیوں کی اتنی بڑی تعداد کو صرف تلوار سے ختم کرنا بہت وقت طلب ہے، بہتر یہ ہے کہ انہیں جغرافیائی چال میں پھنسایا جائے۔

اس نے مسلمانوں کو ایک ایسی جگہ کی نشاندہی کی جہاں گہری ندی اور کھائیاں تھیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کی رہنمائی میں 500 منتخب سپاہی روانہ کیے جنہوں نے رات کی تاریکی میں رومیوں کے پیچھے واقع واحد پل اور راستے پر قبضہ کر لیا۔

جب مسلمانوں نے سامنے سے بھرپور حملہ کیا اور رومی پیچھے ہٹنے لگے تو انہیں معلوم نہ تھا کہ واپسی کا راستہ بند ہے۔ اندھیرے اور بھگدڑ میں رومی سپاہی ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے گہری ندی اور کھائیوں میں گرنے لگے۔ لاکھوں کا لشکر اس قدر بدحواس ہوا کہ وہ ہتھیاروں سے زیادہ ایک دوسرے کے پیروں تلے کچل کر اور پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

سبحان اللہ! یہ اللہ کی وہ تدبیر تھی جس نے ظالموں کو ان کے اپنے ہی بوجھ سے غرق کر دیا۔

حاصلِ معرکہ:

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جیت اور نصرتِ الٰہی کا ظہور

جنگِ یرموک کی یہ عظیم الشان فتح محض ایک عسکری کامیابی نہیں تھی، بلکہ یہ "اسیرانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے اس والہانہ عشق کا ثمر تھی جس میں "جان" کی کوئی قیمت نہ تھی اور "حکمِ امیر" کی اطاعت ہی اصل زندگی تھی۔ اس معرکے کے آخری لمحات ہمیں عشق اور اطاعت کے چند لازوال اسباق دیتے ہیں:

1. اطاعتِ امیر میں فنا ہو جانا:

جب معرکہ اپنے عروج پر تھا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تلوار رومیوں پر قہر بن کر برس رہی تھی، عین اس وقت خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حکم نامہ پہنچتا ہے کہ سپہ سالاری حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی جائے۔ تاریخِ عالم کا کوئی جرنیل اپنی فتح کے قریب عہدہ چھوڑنا برداشت نہیں کرتا، مگر یہ صدیقی و فاروقی تربیت کا اثر تھا کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی شکن کے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ اطاعتِ امیر دراصل اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی پرتو تھی، جس کی برکت سے اللہ نے مسلمانوں کو وہ فتح عطا کی جو عقلِ انسانی سے بالاتر تھی۔

2. شوقِ شہادت: محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا راستہ:

یرموک کے میدان میں جب 60 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے 60 ہزار کے لشکر پر یلغار کی، یا جب "یوم التعوّیر" میں آنکھیں تیروں سے چھلنی ہوئیں، تو کسی زبان پر شکوہ نہ تھا۔ ہر مجاہد کے پیشِ نظر صرف ایک ہی مقصد تھا: "محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی سربلندی اور ان کے حضور سرخروئی"۔ ان کے نزدیک زخم کھانا تکلیف نہیں بلکہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں

پیش کرنے والا تحفہ تھا۔

3. فقرِ مومن کی ہیبت:

باہان کے دربار میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ کہ "ہم وہ قوم ہیں جو موت کو زندگی سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں"، دراصل اس عشق کی انتہا تھی جہاں انسان فنا ہو کر بقا پا لیتا ہے۔ رومیوں کے پاس سونا، چاندی اور لاکھوں کی فوج تھی، مگر مسلمانوں کے پاس "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام" اور ان کی لائی ہوئی توحید کا نور تھا۔ اسی نور نے رومیوں کے اندھیرے لشکر کو ندیوں میں غرق کر دیا۔[1]

4. ابدی کامیابی کا پیغام

فتحِ یرموک نے ثابت کر دیا کہ جب بندہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں فنا کر دیتا ہے، تو کائنات کی ہر مادی طاقت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا خط محض ایک رپورٹ نہیں تھی، بلکہ اس عہدِ وفا کی تکمیل کی اطلاع تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت اور جہاد کے وقت اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا۔

یرموک کی زمین آج بھی ان جاں نثاروں کے خون کی خوشبو سے مہک رہی ہے جنہوں نے ثابت کیا کہ اگر سینوں میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تڑپ اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ ہو، تو 60 سوار بھی لاکھوں کے لشکر کا رخ موڑنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ فتح ایمان کی مادی وسائل پر اور عشق کی عقل پر ابدی جیت کا نام ہے۔

❁❁❁

---

[1] - فتوح الشام: لامہ ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (وفات 207ھ) (جلد 1، ص 150-250)۔ الفاروق: علامہ شبلی نعمانی (باب: فتوحاتِ شام - معرکہ یرموک)۔

سلطانِ کائنات ﷺ کی فرمانروائی:
جب درندے بھی سجدہ گزار ہوئے

محبت اور غلامیِ مصطفیٰ ﷺ کا جذبہ صرف انسانوں کے دلوں تک محدود نہیں، بلکہ اس نمکِ رسالت کا اثر کائنات کے ذرے ذرے میں رچا ہوا ہے۔ جب ہم سیرت کے اوراق پلٹتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مکے کی گھاٹیاں ہوں یا مدینے کے ریگزار، شجر و حجر سے لے کر صحرا کے خونخوار درندوں تک، سب اس حقیقت سے واقف ہیں کہ کائنات کا اصل مرکز و محور ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

ان دو روح پرور واقعات میں ہمارے لیے اطاعتِ رسول ﷺ اور تسخیرِ کائنات کا وہ نسخہِ کیمیا ہے جو عقل کو دنگ کر دیتا ہے:

1- بقیع کے راستے میں بھیڑیے کی حاضری:

ایک مرتبہ سیدِ عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے جنازے کے لیے بقیع تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک خونخوار بھیڑیا، جو فطری طور پر انسانوں سے دور بھاگتا ہے، کتے کی طرح اپنے بازو پھیلائے راستے میں بیٹھا ہے۔ وہ کسی شکار کی تلاش میں نہیں تھا، بلکہ وہ اپنے "سلطان ﷺ" کی بارگاہ میں اپنی فریاد لے کر حاضر ہوا تھا۔

رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی وحیِ الٰہی سے اس کی خاموش التجا کو سمجھ لیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"یہ تمہاری بکریوں میں سے اپنا حصہ مقرر کروانے آیا ہے، لہٰذا اس کا حصہ مقرر کر دو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جو فدایانِ مصطفیٰ ﷺ تھے، عرض گزار ہوئے:

"یارسول اللہ! جو آپ کی رائے مبارک ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کہ ہر ریوڑ میں سے سالانہ ایک بکری اسے دے دیا کرو۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے زیادہ محسوس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس درندے کو اشارہ کرکے حکم دیا: "تم چپکے سے جھپٹا مار کر (اپنا رزق) لے جایا کرو۔"

سبحان اللہ! وہ بھیڑیا جو کسی کی نہیں سنتا تھا، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم پاتے ہی خاموشی سے وہاں سے رخصت ہو گیا۔[1]

2- درندوں کا نمائندہ اور بارگاہِ نبوت

مدینہ منورہ کی ریاست میں جہاں انسانوں کو انصاف ملتا تھا، وہاں جانور بھی محروم نہ تھے۔ حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیا دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"یہ تمام درندوں کی طرف سے "نمائندہ" بن کر آیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اختیار دیا کہ یا تو اس کے لیے کچھ حصہ طے کر دو، یا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور اپنے جانور بچانے کی کوشش کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے انکار پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی تین مبارک انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور بھیڑیے سے کہا: "تم جھپٹا مار کر لے جایا کرو۔" وہ درندہ، جس کی زبان ہم نہیں سمجھتے، وہ زبانِ نبوت کا ایسا شناسہ تھا کہ آوازیں نکالتا ہوا (گویا شکریہ ادا کرتا ہوا) خوشی خوشی واپس لوٹ گیا۔[2]

---

[1] - دلائل النبوة للبيهقي، ج6، ص41، الخصائص الكبرى للسيوطي، ج2، ص64۔

[2] -: مصنف ابن أبي شيبة، ج6، ص319، البداية والنهاية لابن كثير، ج6، ص164۔

اطاعتِ رسول ﷺ: کائنات کی تسخیر کا واحد راستہ:

یہ واقعات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ:

❁ **حاکمیتِ مصطفیٰ ﷺ:** کائنات کا کوئی بھی جاندار اللہ کے رسول ﷺ کے حکم سے باہر نہیں۔ بھیڑیے کا آ کر کھڑے ہونا اور حکم کی تعمیل کرنا ثابت کرتا ہے کہ درندوں کے دلوں کی لگام بھی مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔

❁ **تسخیر کا نسخہ:** اگر آج کا انسان چاہتا ہے کہ فطرت کی قوتیں اس کے تابع ہو جائیں، تو اسے اس "مرکزِ قدرت" یعنی ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت کرنی ہوگی۔ جب بندہ رسول اللہ ﷺ کا سچا غلام بن جاتا ہے، تو زمین کی تنگی ہو یا جنگل کا درندہ، سب اس کے لیے سہولت بن جاتے ہیں۔

❁ **جذباتی پیغام:** اے مومن! جس نبی ﷺ کی بات جنگل کا بھیڑیا ٹالنے کی جرات نہیں کرتا، کیا ہمارا دل اس نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے آمادہ نہیں؟ کائنات تب تمہارے قدم چومے گی جب تمہارا سر بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں جھکا ہوگا۔

❁❁❁

یہ وہ عظیم المرتبت واقعات ہیں جو رہتی دنیا تک اس سچائی کی گواہی دیتے رہیں گے کہ غلامیِ مصطفیٰ ﷺ وہ جوہر ہے جو خاک نشینوں کو افلاک کا وقار عطا کرتا ہے۔ جب ایک انسان اپنا سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ کے قدموں میں نچھاور کر دیتا ہے، تو کائنات کے خونخوار درندے اس کے سامنے دربان بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے ان واقعات کو اگر ہم ایمانی بصیرت سے دیکھیں، تو یہ اطاعتِ رسول ﷺ کی برکت سے تسخیرِ کائنات کا روشن ترین نمونہ نظر آتے ہیں:

سلطانِ دو جہاں ﷺ کی غلامی:

جب درندے پاسبان بن گئے

1-لہروں کے تھپیڑوں سے شیر کی پناہ تک:

تصور کیجیے! سمندر کی تلاطم خیز موجیں ہیں، کشتی ٹوٹ چکی ہے اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک تختے کے سہارے زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں۔ قدرت انہیں ایک ایسے جزیرے یا گھنے جنگل کے ساحل پر لا پھینکتی ہے جہاں موت شیر کی صورت میں سامنے کھڑی ہے۔

ایک بھوکا شیر جب ان کی طرف لپکا، تو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے کسی مادی ہتھیار کا سہارا نہیں لیا، بلکہ وہ "ایمی طاقت" استعمال کی جس کے سامنے کائنات کی ہر شے ہیچ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا:

"اے ابوالحارث! (اے شیر) میں اللہ کے رسول ﷺ کا غلام ہوں!"

یہ جملہ کیا تھا، گویا شیر کے وحشی پن پر پہرا بٹھا دیا گیا۔ وہ شیر جو چیر پھاڑنے آیا تھا، اس نے اپنا سرِ تسلیم جھکا دیا، اپنا کندھا مار کر آپ رضی اللہ عنہ کو راستہ دکھایا اور ایک وفادار محافظ

کی طرح آپ کو جنگل سے باہر نکال کر رخصت کیا۔[1]

2-رومیوں کی قید سے لشکرِ اسلام تک کا سفر:

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ رقت آمیز اور ایمان افروز ہے۔ ملکِ روم میں جب آپ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر سے بچھڑ گئے یا دشمن کی قید سے نکلے، تو بے سروسامانی کے عالم میں ایک بار پھر سامنا شیر سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر وہی رشتہ یاد دلایا:

"میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں" اور اپنی بپتا سنائی۔

اس بار شیر نے نہ صرف راستہ دکھایا، بلکہ ایک "شاہی باڈی گارڈ" کا کردار ادا کیا:

* جب کسی دوسرے جانور کی آہٹ پاتا تو دوڑ کر اسے بھگا دیتا تاکہ اس کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کو کوئی خراش نہ آئے۔
* مسلسل پہلو میں چلتا رہا یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کو بحفاظت لشکرِ اسلام تک پہنچا دیا۔
* رخصت ہوتے وقت دم ہلا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور واپس چلا گیا۔[2]

❁❁❁

[1] -المستدرک للحاکم، ج 3، ص 606؛ مجمع الزوائد، ج 9، ص 366؛ البیہقی فی دلائل النبوۃ، ج 6، ص 46۔

[2] -البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج 6، ص 164؛ الخصائص الکبریٰ، ج 2، ص 63؛ ابو نعیم فی الحلیہ، ج 1، ص 369۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا شیر کو تھپڑ مار کر راستے سے ہٹانا

تصور کیجیے! ایک شاہراہ ہے جہاں مسافروں کا ہجوم خوف زدہ کھڑا ہے، کیونکہ سامنے راستہ روکے ایک خونخوار شیر بیٹھا ہے۔ لوگ سہمے ہوئے ہیں، زندگیاں داؤ پر ہیں اور کوئی آگے بڑھنے کی جرات نہیں کر رہا۔ اسی اثناء میں فدائے رسول، پیکرِ اتباعِ سنت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچتے ہیں۔

جب آپ کو معلوم ہوا کہ ایک درندہ راستہ روکے کھڑا ہے، تو آپ کے چہرے پر خوف کی جگہ جلالِ ایمانی چمک اٹھا۔ آپ اپنی سواری سے نیچے اترے، کسی ڈھال یا تلوار کی حاجت نہ سمجھی، بلکہ اس درندے کے پاس پہنچ کر اس کا کان مروڑا اور اس کی گردن پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے اسے راستے سے ہٹا دیا۔ وہ شیر جو دوسروں کے لیے موت کا پیغام تھا، ایک سچے مومن کے ہاتھوں میں ایک بھیگی بلی بن گیا۔[1]

خوف کی حقیقت: ایک نبوی ﷺ نسخہ:

اس حیرت انگیز واقعے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وہ سنہری قول ارشاد فرمایا جو ہر دور کے مسلمان کے لیے مشعلِ راہ ہے:

اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ ابنِ آدم پر وہی چیز مسلط ہوتی ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ اگر انسان اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے، تو کائنات کی کوئی شے اس پر غلبہ نہیں پا سکتی۔

اطاعتِ رسول ﷺ کائنات کی کنجی:

ان واقعات سے یہ سبق عام ہوتا ہے کہ جو سچے دل سے حضور ﷺ کی اطاعت کا

---

[1] -الہدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج9، ص107۔ مجمع الزوائد للہیثمی، ج10، ص183۔

پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے، اسے دنیا کے کسی خوف کی پروا نہیں رہتی۔

❁ **پہچان کی طاقت:** شیر نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پہچانا تھا، بلکہ ان کے اندر موجود "**غلامِ مصطفیٰ** ﷺ" کی خوشبو کو پہچانا تھا۔ جب انسان اپنے کردار سے محمد عربی ﷺ کا سچا غلام بن جاتا ہے، تو درندے اس کے آگے دم ہلاتے ہیں۔

❁ **تسخیر کا نسخہ:** ہم آج اسباب کے پیچھے بھاگتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے "**مسبب الاسباب**" کے محبوب ﷺ کو اپنا لیا تھا۔ اگر ہم سنتِ نبوی ﷺ کی سچی پیروی کریں، تو آج بھی حالات کے "**شیر**" ہمارے سامنے سرنگوں ہو سکتے ہیں۔

❁ **محبت کی تاثیر:** یہ واقعات دلیل ہیں کہ نبوت کا فیض صرف انسانوں تک نہیں، بلکہ کائنات کے جانوروں اور ذرات تک پہنچتا ہے۔

نتیجہ: کائنات کی تسخیر کا نسخہ مادی ترقی میں نہیں، بلکہ اطاعتِ رسول ﷺ میں پوشیدہ ہے۔ جس نے آقا ﷺ کی مرضی کو اپنی مرضی بنا لیا، اللہ نے کائنات کی ہر طاقت کو اس کا تابعِ فرمان بنا دیا۔

❁❁❁

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کو شیر کا پیغام دینا

مقامِ اریحا کا ایک گوشہ ہے، جہاں سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ محوِ استراحت ہیں۔ نیند سے بیدار ہوتے ہی سامنے ایک ہیبت ناک شیر کو پاتے ہیں جوان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ انسانی فطرت کے تحت آپ رضی اللہ عنہ نے دفاع کے لیے ہتھیاروں کی طرف ہاتھ بڑھایا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی وار ہوتا، شیر کی زبان کھل گئی اور اس نے پکار کر کہا:

"ٹھہر جاؤ! مجھے ایک پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا ہے تاکہ تم اسے آگے پہنچا دو"۔

ایک صحابیِ رسول ﷺ کے لیے یہ منظر حیران کن تو تھا، مگر ایمان کے لیے نیا نہ تھا۔ جب آپ نے پوچھا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ تو اس درندے نے جواب دیا: "مجھے اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے" تاکہ تم حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو یہ خوشخبری سنا دو کہ وہ جنت والوں میں سے ہیں۔[1]

اطاعتِ رسول ﷺ اور کائنات کی بندگی:

یہ واقعہ ہمیں "تسخیرِ کائنات" کے حوالے سے چند اہم نکات کی طرف متوجہ کرتا ہے:

- **کائنات کا نظام اور حکمِ الٰہی:** شیر کا پیغام لانا ثابت کرتا ہے کہ پوری کائنات اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ جب اللہ چاہتا ہے، تو وہ آگ سے گلزار بنا دیتا ہے اور شیر جیسے درندے کو اپنے برگزیدہ بندوں کے لیے "نامہ بر" بنا دیتا ہے۔
- **عظمتِ صحابہ کی گواہی:** یہ واقعہ جہاں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی کرامت

---

[1] - دلائل النبوۃ للبیهقي، ج6، ص414۔ البدایۃ والنهایۃ لابن کثیر، ج8، ص124۔

ہے، وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر مہرِ تصدیق بھی ہے۔ درندوں کی زبان سے صحابہ کی تعریف دراصل اس نظامِ خلافت اور اتباعِ سنت کی کامیابی کا اعلان ہے جو حضور ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔

❁ **خوف کا خاتمہ:** ایک سچا مومن جب یہ جان لیتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کے حکم کا پابند ہے، تو اس کے دل سے غیر اللہ کا خوف نکل جاتا ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا شیر سے کلام کرنا ان کے بلند پایہ توکل کی دلیل ہے۔

اے طالبِ حق! اگر تم چاہتے ہو کہ زمانے کی تند و تیز موجیں تمہارا راستہ نہ روکیں اور مشکلات تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائیں، تو اپنے دل کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور اپنی زندگی کو اطاعتِ رسول ﷺ سے منور کر لو۔ جس نے اللہ کے محبوب ﷺ کی غلامی کا حق ادا کر دیا، اللہ نے پوری کائنات کو اس کی خدمت پر مامور کر دیا۔

❁❁❁

نبوت کی گواہی:

جب صحرا کے درندے نے "سلطانِ یثرب ﷺ" کا پتہ بتایا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ داستانِ حق، ایمان کو تروتازگی بخشنے والی اور اتباعِ سنت کی ترغیب دینے والی ایک عظیم دلیل ہے:

ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بھیڑیے نے جھپٹا مار کر ایک بکری پکڑ لی۔ چرواہے نے ہمت دکھائی اور اپنی بکری چھڑا لی۔ یہاں تک تو یہ ایک عام دنیاوی واقعہ تھا، لیکن حیرت کی انتہا تب ہوئی جب وہ بھیڑیا کتے کی طرح اپنی دم پر بیٹھ گیا اور انسانوں کے لہجے میں گویا ہوا:

"کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم مجھ سے وہ رزق چھین رہے ہو جو اللہ نے مجھے عطا کیا تھا۔"

چرواہا دنگ رہ گیا کہ ایک درندہ انسانوں کی طرح کلام کر رہا ہے! لیکن بھیڑیے نے اسے اس سے بھی بڑی حقیقت کی طرف متوجہ کیا۔

بھیڑیے نے کہا: "کیا میں تمہیں اس سے زیادہ عجیب بات نہ بتاؤں؟ یثرب (مدینہ منورہ) میں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ لوگوں کو گزشتہ زمانے کی خبریں اور غیب کے اسرار بتا رہے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ چرواہے کے دل کی دنیا بدل گئی۔ وہ بکریاں ہانکتا ہوا مدینہ پہنچا اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر سارا ماجرا گوش گزار کیا۔

حضور ﷺ نے اس واقعے کی اہمیت کے پیشِ نظر پورے مدینہ میں منادی کروا دی کہ سب مسجد میں جمع ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے چرواہے سے فرمایا کہ وہ سب کے سامنے یہ واقعہ سنائے تاکہ لوگوں کے ایمان کو تقویت ملے۔ جب اس نے قصہ سنایا تو آپ ﷺ

نے مہرِ تصدیق ثبت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اس نے سچ کہا ہے! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک درندے انسانوں سے باتیں نہ کرنے لگیں، اور آدمی کے کوڑے کا سرا اور جوتی کا تسمہ اسے گھر کی خبریں نہ دینے لگیں۔"[1]

غلامیِ مصطفیٰ ﷺ کی برکت اور تسخیرِ کائنات:

یہ واقعہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ کائنات کی تسخیر کا اصل نسخہ کیا ہے:

- **درندوں کی گواہی:** جب انسان اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ درندوں کو بھی اس کا مددومعاون بنا دیتا ہے۔ بھیڑیے کا حضور ﷺ کی نبوت کی گواہی دینا ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی حاکمیت صرف انسانوں پر نہیں بلکہ کائنات کی ہر مخلوق پر ہے۔
- **مادی اشیاء کی فرمانبرداری:** آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ "جوتی کا تسمہ اور کوڑا بات کرے گا" اس بات کی دلیل ہے کہ مادہ بھی اللہ کے حکم سے صاحبِ شعور ہو جاتا ہے۔ جو قدم سنتِ نبوی ﷺ پر چلتے ہیں، ان کی جوتیاں بھی معتبر ہو جاتی ہیں۔
- **ترغیبِ اطاعت:** اے مومن! اگر ایک جنگلی درندہ حضور ﷺ کی عظمت کو پہچان کر آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی ترغیب دے سکتا ہے، تو ہم جو آپ ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں، ہمیں کس قدر آپ ﷺ کی سنتوں کا گرویدہ ہونا چاہیے؟

❁❁❁

---

[1] -ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی کلام السباع، رقم: 2181۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج6، ص41۔

یقینِ کامل کی کرامت:

سمندر کی لہروں سے سوئی کی واپسی

سیدنا ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ، جو بارگاہِ رسالت ﷺ کے تربیت یافتہ اور انوارِ نبوت سے منور تھے، ایک مرتبہ سمندر کے سفر پر تھے۔ وہ اپنی کچھ کا پیاں یا اوراق سی رہے تھے کہ اچانک ان کی سوئی گہرے سمندر کی بے رحم لہروں کی نذر ہو گئی۔

عام انسانی عقل کہتی ہے کہ اتنے بڑے سمندر میں ایک چھوٹی سی سوئی کا ملنا ناممکن ہے، لیکن ایک غلامِ مصطفیٰ ﷺ کا توکل اسباب کا محتاج نہیں ہوتا۔ انہوں نے اسی وقت اپنے رب کے حضور دستِ سوال دراز کیے اور عرض کیا:

"اے میرے رب! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو میری سوئی ضرور واپس کر دے۔"

سبحان اللہ! یہ کیسا ناز اور کیسا یقین تھا؟ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ قدرت نے اپنے قانون بدل دیے۔ وہ سوئی جو سمندر کی تہہ میں جانی چاہیے تھی، سطحِ آب پر ابھر آئی اور حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا۔[1]

پیغام: جو اللہ کا ہو جاتا ہے، سمندر کی لہریں اس کی خادمہ بن جاتی ہیں۔ اگر ایک سوئی سمندر سے واپس آ سکتی ہے، تو امتِ مسلمہ کا کھویا ہوا وقار بھی اطاعتِ رسول ﷺ کی برکت سے دوبارہ حاصل ہو سکتا ہے۔

❁❁❁

[1] - البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج 6، ص 160۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر، ج 7، ص 124۔

صاحبزادگانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آسمانی روشنی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عشق وشفقت کا ایک دلنشین منظر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں جاتے تو جگر گوشہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما (بچپن کے عالم میں) آپ کی پشتِ مبارک پر سوار ہو جاتے۔ قربان جائیے اس شفقت پر کہ کائنات کے امام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے سے سر اٹھاتے وقت کمالِ نرمی سے انہیں نیچے اتارتے اور دوبارہ سجدے میں جانے پر جب وہ پھر سوار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس معصومانہ ادا پر مہر ومحبت کا معاملہ فرماتے۔

نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو اپنی رانوں پر بٹھا لیا۔ رات اندھیری تھی، جب انہیں گھر بھیجنے کا وقت آیا تو اللہ کے حکم سے اچانک بجلی چمکی اور فضا روشن ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ۔"

وہ معجزاتی روشنی تب تک برقرار رہی جب تک یہ دونوں شہزادے بحفاظت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ پہنچ گئے۔[1]

❁❁❁

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اور نوری ٹہنی

ایک اندھیری اور ابر آلود رات میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نمازِ عشاء کے لیے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "قتادہ! اس اندھیرے میں کیسے آنا ہوا؟"

---

[1] - مسند احمد / ابن سعد: 2583۔

عرض کیا: "یا رسول اللہ! خیال آیا کہ بارش اور اندھیرے کی وجہ سے لوگ کم ہوں گے، اس لیے حاضری دی تاکہ نماز کا ثواب اور آپ کی معیت مل جائے"۔

نماز کے بعد حضور ﷺ نے انہیں کھجور کی ایک ٹہنی عطا فرمائی اور فرمایا:

"یہ لے جاؤ! یہ تمہارے آگے اور پیچھے دس دس ہاتھ تک روشنی کرے گی"۔

نورِ نبوت کا اعجاز دیکھیے کہ وہ لکڑی ایک روشن چراغ بن گئی جس کی ضیا میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ باحفاظت گھر پہنچے اور اسی ٹہنی کے ذریعے ایک شیطان (جنی) کو بھی گھر سے بھگایا جس کی نشاندہی حضور ﷺ نے پہلے ہی فرما دی تھی۔[1]

لاٹھیوں سے پھوٹتا نور: اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما ایک رات بارگاہِ رسالت ﷺ میں کسی ضرورت کے تحت حاضر تھے۔ جب واپسی ہوئی تو رات نہایت اندھیری تھی۔ ان دونوں کے پاس ایک ایک چھوٹی لاٹھی تھی۔ اچانک ایک کی لاٹھی سے نور برآمد ہوا اور وہ دونوں اس چراغ نما لاٹھی کی روشنی میں چلنے لگے۔

راستے میں جب دونوں کے گھر الگ ہونے لگے تو اللہ کی قدرت سے دوسرے صحابی کی لاٹھی بھی روشن ہو گئی۔ یوں یہ دونوں اسیرانِ جمال اپنی اپنی مشعلیں لیے اپنے گھروں کو سدھار گئے۔[2]

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کی روشن انگلیاں:

عشقِ رسول ﷺ کے کرشمے سفر کی صعوبتوں میں بھی ساتھ رہے۔ حضرت حمزہ

---

[1] -مسند احمد: 1393۔

[2] -صحیح بخاری/ابن سعد: 1394۔

بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور رات کا گھپ اندھیرا تھا۔ اس عالم میں جب لوگ بکھرنے لگے تو میری انگلیوں سے نور نکلنے لگا۔ اس روشنی کی مدد سے لوگوں نے نہ صرف اپنی سواریاں جمع کیں بلکہ گرا ہوا سامان بھی اٹھا لیا۔

تبوک کے مقام پر بھی جب منافقین کی شرارت سے حضور ﷺ کی اونٹنی بدکی اور سامان گر گیا، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی پانچوں انگلیاں روشن ہو گئیں اور انہوں نے اس نوری روشنی میں تمام سامان اکٹھا کر لیا۔[1]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ: حسنِ سلوک اور روشنی:

حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اکثر اپنے تجربے کی بنیاد پر فرمایا کرتے تھے:

"جب بھی میں نے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو میرے اور اس کے درمیان ایک روحانی روشنی پیدا ہو گئی، اور جب برا سلوک کیا تو اندھیرا چھا گیا۔"

آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو تاکید فرماتے کہ نیکی اور حسنِ سلوک کو لازم پکڑو کیونکہ یہ نہ صرف دلوں کو منور کرتا ہے بلکہ انسان کو بری موت سے بھی بچاتا ہے۔[2]

یہ مادی روشنیاں دراصل اس باطنی نور کا عکس تھیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی بدولت موجود تھا۔ کائنات کا اصول ہے کہ جو "نورِ مجسم ﷺ" کا اسیر ہو جائے، پھر اندھیرے اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔

❁❁❁

[1] - ابن سعد: 1395-1396۔

[2] - ابن سعد: 1397۔

بادلوں کی ردا اور عشاق کا اخفائے راز

(بادلوں کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر سایہ کرنا)

نورِ نبوت کا فیضان صرف روشنی کی صورت میں ہی نہیں، بلکہ رحمت کے سائے بن کر بھی اسیرانِ جمال پر برستا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے جاں نثاروں کو وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ بے جان بادل بھی ان کی خدمت گزاری اور سایۂ فگنی کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ اور غیبی سائبان:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام اس حیرت انگیز مشاہدے کی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ اور حضرت شافع بن حبیب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ اس کٹھن سفر کے دوران جب حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو وہ تپتی دوپہر میں جانور چرانے کے لیے جنگل کی طرف نکل گئے۔

غلام بیان کرتے ہیں کہ جب میں دوپہر کے وقت انہیں دیکھنے گیا تو میری آنکھوں نے وہ منظر دیکھا جو عقلِ انسانی سے بالاتر تھا:

"ایک بادل کا ٹکڑا فضا میں معلق تھا اور وہ مسلسل حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ وہ جدھر جاتے، بادل بھی ادھر ہی مڑ جاتا؛ گویا قدرت نے تپتی دھوپ میں اپنے اسیرِ جمال کے لیے ایک غیبی سائبان تان دیا تھا۔"

جب غلام نے اس کرامت کا تذکرہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے کیا، تو انہوں نے اسے اپنی بڑائی کا ذریعہ بنانے کے بجائے ایک "**عاشقانہ راز**" کے طور پر چھپانے کا حکم دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ میرا اور میرے رب کا ایک خاص راز ہے، اسے کسی کو مت بتانا! اگر مجھے پتہ

چلا کہ تم نے کسی کو بتایا ہے تو تمہاری خیر نہیں۔"

چنانچہ اس غلام نے وفاداری کا حق ادا کیا اور حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے انتقال تک اس رازِ الفت کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا۔ [1]

یہ اسیرانِ جمال کا وہ بے ساختہ عشق تھا کہ وہ اپنی کرامات کو بھی "رازِ نیاز" سمجھتے تھے۔ ان کے لیے اصل انعام بادل کا سایہ نہیں، بلکہ اپنے محبوب ﷺ کی رضا تھی؛ اور قدرت ان کے قدموں میں معجزات بچھاتی تھی تا کہ دنیا جان لے کہ جو "شمس الضحیٰ ﷺ" کا ہو جائے، کائنات کی ہر شے اسے ٹھنڈک پہنچانے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔

❁❁❁

غلامیِ مصطفیٰ ﷺ کی برکات اور کائنات کی اطاعت

تاریخِ انسانی میں محبت اور غلامی کے بہت سے دعوے ملتے ہیں، لیکن غلامیِ مصطفیٰ ﷺ وہ منفرد مقام ہے جہاں انسان صرف خالق کا محبوب ہی نہیں بنتا، بلکہ کائنات کے ذرات اس کے تابع کر دیے جاتے ہیں۔ جب دل میں اتباعِ رسول ﷺ کا نور رچ بس جائے، تو مادی اشیاء اپنی فطرت بدل کر صاحبِ ایمان کی سہولت اور گواہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

تسبیحِ کائنات: جب مادہ بول اٹھا:

سیدنا سلمان فارسی اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہم، جو جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اسیر اور

---

[1] -اخرجہ ابو نعیم عن عبدالرحمن بن عمران بن الحارث، کذا فی "الاصابة" 2/3

آپ ﷺ کی تعلیمات کے پیکر تھے، ایک بار کھانا تناول فرما رہے تھے۔اس وقت قدرت نے ایک عظیم کرامت دکھائی:

واقعہ: جس طشتری میں وہ کھانا کھا رہے تھے،اس سے اوراس میں موجود اشیاء سے بلند آواز میں اللہ کی تسبیح سنائی دینے لگی۔

درسِ اطاعت: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو وجود رزقِ حلال اور سنتِ نبوی ﷺ کے نور سے منور ہوتا ہے، مٹی کے برتن بھی اس کی رفاقت پر وجد میں آ جاتے ہیں۔ جب انسان زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے احکامات کی اطاعت کرتا ہے،تو بے جان اشیاء اس کے حق میں گواہ بن جاتی ہیں۔

❀❀❀

بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کی غلامی:

کائنات پر حکمرانی اور برکاتِ الٰہیہ

صحابہ کرام کی زندگیوں میں رونما ہونے والے یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ جب انسان اپنی مرضی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے، تو قدرت اس کے اعزاز میں اپنے قوانین بدل دیتی ہے۔

1-معیشت وطعام میں برکت (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

جب نیت مہمان نوازی اور رضائے الٰہی ہو، تو تھوڑا کھانا بھی پورے لشکر کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر کھانے کا بڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک میں ہوتا ہے، اللہ اس میں ایسی برکت ڈالتا ہے کہ مادی ترازو اسے ناپنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔[1]

2-غیبی رزق اور تحفظ (سیدنا خبیب اور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہما)

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ: قید و بند کی صعوبتوں میں بے موسم کے انگور ملنا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کے وفاداروں کو دنیا کی کوئی دیوار رزقِ الٰہی سے محروم نہیں کر سکتی۔[2]

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا: ہجرت جیسی عظیم عبادت کے دوران جب پیاس نے آلیا تو آسمان سے ڈول کا اترنا ثابت کرتا ہے کہ جو اللہ کے دین کے لیے گھر چھوڑتے ہیں، اللہ ان کی پیاس بجھانے کے لیے فرشتوں کو مامور فرما دیتا ہے۔[3]

---

[1] -بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب السمر مع الضیف والاھل رقم: ۶۰۲۔

[2] -بخاری، کتاب الجھاد باب ھل یستاثر الرجل ومن لم یستاثر، ۳۰۴۵۔

[3] -ابن سعد ۸/۲۲۴۔ الاصابہ۔ باسناد رجالہ ثقات ولکنہ منقطع۔

3-موت پر فتح اور رفعتِ درجات (سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ)

شہادت کے بعد جسم کا زمین سے اٹھالیا جانا اور فضاؤں میں بلند ہونا یہ پیغام دیتا ہے کہ اللہ کے محبوب غلاموں کے اجسادِ مطہرہ کی حفاظت زمین پر انسان نہیں بلکہ آسمان پر فرشتے کرتے ہیں۔[1]

4-وحشی درندوں کی اطاعت (سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ)

شیر کا سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سر جھکانا اور انہیں منزل تک پہنچانا یہ بتاتا ہے کہ:

جو سچے دل سے مصطفیٰ ﷺ کا غلام بن جاتا ہے، جنگل کے بادشاہ بھی اس کے پہرے دار بن جاتے ہیں۔[2]

5-مستجاب الدعوات شخصیات (سیدنا براء بن مالک اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما)

ان عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعاؤں کا فوراً قبول ہونا اور اللہ کا ان کی قسموں کو سچا کرنا اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ تقویٰ اور اطاعتِ رسول ﷺ انسان کی زبان میں وہ اثر پیدا کر دیتی ہے کہ پھر زمین پر دعا مانگی جاتی ہے اور آسمان پر فیصلے بدل دیے جاتے ہیں۔[3]

6-حق و باطل کا فیصلہ (سیدہ زنیرہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما)

سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا: کی آنکھوں کی روشنی کا واپس آنا بتاتا ہے کہ باطل کی تہمتیں سچے ایمان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں۔

سعید بن زید رضی اللہ عنہ: کی بددعا سے ظالم کا انجام یہ سبق دیتا ہے کہ مظلوم صحابی کی

---

[1] -ابن سعد ۸/۲۲۴-الاصابہ-باسناد رجالہ ثقات ولکنہ منقطع-

[2] -مستدرک حاکم ۳/۶۰۶، مجمع الزوائد ۹/۳۶۶، والبیہقی فی الدلائل ۶/۴۶-

[3] -ترمذی، کتاب المناقب-

آہ عرش کو ہلا دیتی ہے اور جھوٹے الزام لگانے والے دنیا ہی میں نشانِ عبرت بن جاتے ہیں۔[1]

ان تمام واقعات کا نچوڑ یہ ہے کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ کیمیا ہے جو انسان کو مٹی سے اٹھا کر ثریا تک پہنچا دیتی ہے۔

- اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے رزق میں برکت ہو، تو صدیقی جذبہ اپنائیں۔
- اگر ہم چاہتے ہیں کہ مشکل وقت میں غیبی مدد آئے، تو خبیب وام ایمن جیسا توکل پیدا کریں۔
- اگر ہم چاہتے ہیں کہ دشمن ہم سے لرزیں، تو عمر و خالد جیسی اتباعِ سنت اختیار کریں۔

غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہی درحقیقت اللہ کی قربت اور کائنات کی تسخیر کا راستہ ہے۔

❁❁❁

---

[1] -الاصابہ: ۲/۳۱۲۔مسلم کتاب المساقاۃ، باب تحریم الظلم، وغصب الارض وغیرھا، رقم: ۱۶۱۰۔

دستِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ اور مہکتا بدن

یہ اس دور کی بات ہے جب فاتحِ موصل، جلیل القدر صحابی حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا گھرانہ مدینہ کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ ان کی اہلیہ حضرت اُمِ عاصم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھر میں ہم چار بیویاں تھیں اور ہم سب کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ بہترین سے بہترین خوشبو لگائیں تاکہ ایک دوسرے سے زیادہ مہک سکیں۔

لیکن ایک عجیب اور حیران کن بات یہ تھی کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی میں تیل تو لگاتے تھے، مگر کبھی کوئی عطر یا خوشبو استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود، ان کے جسمِ اطہر سے ایسی دلآویز اور پیاری خوشبو آتی تھی کہ ہم سب کی مہنگی ترین خوشبوئیں اس کے سامنے ہیچ (ماند) پڑ جاتیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گلیوں سے گزرتے تو لوگ پکار اٹھتے:

"خدا کی قسم! ہم نے عتبہ رضی اللہ عنہ کے جسم سے آنے والی خوشبو جیسی مہک آج تک نہیں سونگھی۔"

ایک دن تجسس اور محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ان کی اہلیہ نے پوچھ ہی لیا:

"اے عتبہ! ہم بیویاں تو دن رات خوشبوؤں کا اہتمام کرتی ہیں، مگر آپ تو کچھ بھی نہیں لگاتے۔ پھر یہ کیسی خوشبو ہے جو آپ کے وجود سے ہر وقت پھوٹتی رہتی ہے؟"

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں شاید اس وقت چمک اٹھی ہوں گی جب انہوں نے وہ حسین یاد تازہ کی:

"اے اُمِ عاصم! یہ کسی عطر کا کمال نہیں، یہ تو اس لمس کی برکت ہے جس نے کائنات کو مہکا دیا۔ عہدِ رسالت میں میرے جسم پر دانے (آبلے) نکل آئے تھے جس سے میں بہت تکلیف میں تھا۔ میں تڑپتا ہوا آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہوا اور اپنی بیماری کا حال سنایا۔"

"میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "اپنے کپڑے اتار دو"۔ میں نے ستر کے علاوہ کپڑے ہٹا دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مؤدب بیٹھ گیا۔ پھر وہ ہوا جو میری زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ بن گیا... دو جہاں سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دونوں مبارک ہتھیلیوں پر دم کیا اور انہیں شفقت سے میرے پورے جسم پر پھیر دیا۔"

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بس وہ دن تھا اور آج کا دن ہے، میرے جسم کے وہ زخم تو بھرے ہی، مگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کی وہ خوشبو میرے پور پور میں ایسی بسی کہ اب مجھے دنیا کی کسی خوشبو کی حاجت نہیں رہی۔[1]

یہ وہ خوشبو تھی جو کسی بازار سے نہیں خریدی گئی تھی، بلکہ یہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت تھی جو عشروں گزر جانے کے بعد بھی ویسے ہی تازہ اور معطر تھی۔ سچ ہے کہ جس کو میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھولیا، وہ دنیا و آخرت میں معطر ہو گیا۔

تیری خوشبو سے مہکتے ہیں سبھی باغ و چمن
تیری رنگت سے ملی پھولوں کو رنگت پیاری

❀❀❀

[1] -المعجم الصغیر (للطبرانی): جلد 1، صفحہ 39، حدیث نمبر 16-دلائل النبوۃ (للبیهقي): جلد6، صفحہ215-اسد الغابہ (ابن اثیر)۔

رحمتِ عالم کی زبان اور شفائے کاملہ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ حج کے مقدس سفر پر نکلے تھے۔ قافلہ جب وادیِ روحا پہنچا، تو ایک ماں اپنے جگر گوشے کو اٹھائے، آنکھوں میں امید کے دیئے جلائے، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی۔

اس بے بس ماں نے تڑپ کر عرض کی:

"یارسول اللہ! میرا یہ بچہ جب سے پیدا ہوا ہے، بیماری نے اسے ایسا گھیرا ہے کہ ایک پل اسے سکون نہیں ملتا۔"

منظر کی خوبصورتی دیکھیے! دکھیوں کے مددگار، یتیموں کے والی ﷺ نے اپنی سواری روک لی۔ اس معصوم بچے کو اپنے سامنے بٹھایا، اپنا تھوک مبارک (جو بیماروں کے لیے شفا اور بے قراروں کے لیے قرار ہے) اس کے منہ میں ڈالا اور جلال و جمال کے ساتھ فرمایا:

"اے اللہ کے دشمن (بیماری)! نکل جا، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

پھر اس ماں سے فرمایا:

"اسے لے جا، اب اسے کوئی تکلیف نہ ہو گی"۔

حج سے واپسی پر جب قافلہ دوبارہ اسی مقام پر پہنچا، تو وہی عورت خوشی سے نہال، شکرانے کے طور پر ایک بُھنی ہوئی بکری لے کر حاضر ہوئی۔ آقا کریم ﷺ نے اس سے بکری کا ایک بازو طلب فرمایا، اس نے پیش کر دیا۔ پھر دوسرا طلب فرمایا، اس نے وہ بھی دے دیا۔ جب تیسری بار بازو طلب کیا گیا، تو عورت نے حیرت سے عرض کی:

"یارسول اللہ! بکری کے تو دو ہی بازو ہوتے ہیں، جو میں پیش کر چکی ہوں۔"

اس وقت کائنات کے سچے مربی اور مالک و مختار آقا ﷺ نے وہ بات ارشاد

فرمائی جو عقلِ انسانی کو حیران کر دیتی ہے۔آپ نے فرمایا:

"اے خاتون! اگر تو خاموش رہتی (اور اپنی عقل کے مطابق حساب نہ لگاتی)، تو جب تک میں تجھ سے مانگتا رہتا، تو اس ایک بکری سے مجھے بازو نکال کر دیتی رہتی!"[1]

یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ

- مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لعابِ دہن: وہ شفا ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔
- عقیدہ وایمان: اللہ کے نبی کے دربار میں منطق اور حساب نہیں، بلکہ صرف تسلیم و رضا کام آتی ہے۔ وہاں "دو اور دو چار" کا قانون نہیں، بلکہ "عطا اور سخا" کا قانون چلتا ہے۔

کتنا خوش نصیب تھا وہ بچہ اور کتنی برکت والی تھی وہ گھڑی! کاش ہمیں بھی ان کے در کی غلامی اور ان کے حکم پر بن دیکھے ایمان لانے کی سچی توفیق مل جائے۔

❁❁❁

[1] -الخصائص الکبریٰ (المعروف بہ: انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب)۔دلائل النبوۃ (للامام بیہقی): مجمع الزوائد (للامام ہیثمی):

لعابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت
اور جلے ہوئے بازو کی شفا

ذرا تصور کیجیے اس ممتا کا، جو اپنے لختِ جگر کی تکلیف دیکھ کر تڑپ اٹھی ہو۔ حضرت محمد بن حاطب اپنی والدہ محترمہ امِ جمیل رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں:

"اے میرے پیارے بیٹے! وہ وقت مجھے آج بھی یاد ہے جب میں تمہیں لے کر ملکِ حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف آ رہی تھی۔ ابھی مدینے کی بہاروں سے ہم صرف ایک دن کی مسافت پر تھے کہ ایک جگہ پڑاؤ کیا۔

میں نے تمہارے لیے کھانا پکانا چاہا، لیکن لکڑیاں ختم ہوگئیں۔ میں ذرا سی دیر کے لیے ایندھن لینے مڑی ہی تھی کہ تم نے کھیلتے ہوئے ہنڈیا کھینچ لی۔ ابلتا ہوا سالن تمہارے نازک سے بازو پر گر گیا اور تمہارا بازو بری طرح جھلس گیا"۔

ایک ماں کا دل اپنے بچے کو تڑپتا دیکھ کر بیٹھ گیا، لیکن اسے معلوم تھا کہ قریب ہی وہ ہستی موجود ہے جو دکھیوں کا مداوا کرتی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

"میں تمہیں اسی تڑپتی حالت میں لے کر شفیق و کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوگئی"۔

جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ننھے بچے کی تکلیف دیکھی، تو آپ کا دلِ مبارک پسیج گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ شفقت فرماتے ہوئے:

اس جلے ہوئے بازو پر اپنا مقدس تھوک (لعابِ مبارک) لگایا۔

زبانِ حق ترجمان سے کچھ کلمات پڑھ کر دم فرمایا۔

سبحان اللہ! قدرت کا کرشمہ دیکھیے!

والدہ فرماتی ہیں:

"ابھی میں تمہیں لے کر وہاں سے اٹھی ہی تھی کہ تمہارا وہ جلا ہوا ہاتھ اور بازو بالکل تندرست ہو چکا تھا، جیسے وہاں کبھی کوئی زخم تھا ہی نہیں!"[1]

یہ واقعہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ:

امید کا مرکز: صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر مصیبت کا حل درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موجود ہے۔

خارق العادت اثر: جس لعابِ مبارک نے آگ کے جلائے ہوئے زخم کو سیکنڈوں میں مٹا دیا، وہ لعاب اگر گناہوں سے جلے ہوئے دلوں پر پڑ جائے تو وہ دل بھی منور ہو جائیں۔

❁❁❁

---

[1] -کتاب: صحیح ابن حبان (کتاب الجنائز، باب المریض)۔ المعجم الکبیر (للطبرانی) ۔مسند احمد بن حنبل۔

عشقِ رسول ﷺ اور تسخیرِ کائنات

یہ ایک ایمان افروز واقعہ ہے جو اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ جب بندہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع کر دیتا ہے، تو کائنات کی سرکش قوتیں بھی اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں۔

تاریخِ انسانی کے اوراق گواہ ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلے کفر و شرک کی ظلمتوں کو مٹانے نکلے، تو صرف زمین کے نقشے ہی نہیں بدلے، بلکہ فطرت کے اصولوں نے بھی ان کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔ یہ داستان ہے اس دور کی جب مصر کی سرزمین پر اسلام کا پرچم لہرایا، مگر صدیوں کی جاہلانہ رسمیں اب بھی وہاں کے سینوں میں پیوست تھیں۔

مصر کے باسیوں کا عقیدہ تھا کہ جب تک دریائے نیل کی موجوں کو کسی معصوم دوشیزہ کے خون کا نذرانہ نہ دیا جائے، وہ اپنی روانی کھو دیتا ہے۔ قدیم جاہلیت کا یہ تقاضا جب فاتحِ مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا گیا، تو ایک غلامِ مصطفیٰ ﷺ کا ایمانی غیرت سے لبریز جواب تاریخ کا حصہ بن گیا:

اسلام مٹانے آیا ہے، مٹنے نہیں آیا! وہ جاہلیت کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

دریائے نیل سوکھ گیا، زمین تڑپنے لگی، ہجرت کے بادل منڈلانے لگے، مگر ایک سچے مومن کا توکل متزلزل نہ ہوا۔ جب یہ معاملہ مرادِ رسول، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچا، تو آپ نے وہ تاریخی رقعہ تحریر فرمایا جو رہتی دنیا تک عشق اور بندگی کی معراج رہے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی انسان کو نہیں، بلکہ ایک بے جان دریا کو مخاطب کیا:

"اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو ہمیں تیری ضرورت نہیں، اور اگر تجھے

اللہ چلاتا ہے، تو ہم اس واحد وقہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔"[1]

یہ الفاظ نہیں تھے، بلکہ یہ اس یقین کی پکار تھی جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی دھول سے پیدا ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ پرچہ نیل کی لہروں کی نذر ہوا، قدرت نے اپنی روش بدل لی۔ جو دریا انسانی خون کا پیاسا تھا، وہ اب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم کا تابع فرمان ہو چکا تھا۔ راتوں رات نیل کی موجیں مچلنے لگیں اور وہ ایسا رواں ہوا کہ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کی روانی تھمی نہیں ہے۔

کائنات پر حکمرانی:
غلامیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثمر

یہ واقعہ محض ایک تاریخی حکایت نہیں بلکہ اس آفاقی حقیقت کا اعلان ہے کہ جب کوئی انسان اپنی مرضی کو اللہ جل جلالہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے اور سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے، تو اللہ جل جلالہ کائنات کی لگامیں اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔

مدینہ منورہ کی زمین لرز رہی تھی، لوگ خوفزدہ تھے، لیکن خلیفہ وقت کے پائے استقلال میں لرزش نہ تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمین پر درّہ مار کر یہ کہنا: "کیا میں نے تجھ پر عدل قائم نہیں کیا؟" دراصل اس بات کا اعلان تھا کہ جہاں عدلِ فاروقی ہو، وہاں

---

[1] -اخرجه ابن عبدالحكم فی فتوح مصر وابو الشيخ فی العظمة، وابن عساكر كذا فی منتخب الكنز 3/380 واخرجه الحافظ ابو القاسم اللالكائی والطبری فی كتاب السنة عن قيس بن الحجاج نحوه كما فی التفسير لابن كثير 3/464۔

زمین کو سرکشی کا حق نہیں پہنچتا۔

یہ تسخیرِ کائنات دراصل اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعام تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھالا، تو مٹی کی تہیں بھی آپ کے حکم کی تابع ہو گئیں۔

ایک اور مختصر مگر ایمان افروز واقعہ: "یا ساریۃ الجبل!"

اسی تسخیرِ کائنات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے فاصلوں کو سمیٹ دیا تھا۔ ایک بار آپ رضی اللہ عنہ مدینہ میں منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک بلند آواز میں پکارا: "اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لو!"

سینکڑوں میل دور نہاوند (ایران) کے میدانِ جنگ میں موجود اسلامی لشکر کے سپہ سالار سیدنا ساریہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، پہاڑ کی اوٹ لی اور دشمن کے شب خون سے بچ کر فتح حاصل کی۔ یہ "ٹیلی پیتھی" نہیں تھی، بلکہ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کردہ وہ بصیرت تھی جس کے سامنے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں۔[1]

یہ معجزہ ہے یا کرامت؟:

یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیثِ مبارکہ کی عملی تفسیر ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" مومن کی فراست (بصیرت) سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" (جامع ترمذی)

آج کے دور میں جب انسان ٹیکنالوجی اور سیٹلائٹ کے ذریعے میلوں دور دیکھ

---

[1] -البدایۃ والنہایۃ از علامہ ابنِ کثیر (جلد 7، صفحہ 131)۔دلائل النبوۃ از امام بیہقی (جلد 6، صفحہ 370)

رہا ہے، ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ جس خدا نے مادی آلات میں یہ طاقت رکھی ہے، اس نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی سچی غلامی کرنے والے دلوں کو اس سے کہیں بڑھ کر "روحانی وائرلیس" اور "قلبی بصیرت" عطا فرمائی ہے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ تصرفات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اگر آج کا مسلمان بھی اپنی زندگیوں میں وہی عدل، وہی سچائی اور وہی "فنا فی الرسول" والا جذبہ پیدا کر لے، تو آج بھی قدرت کے تمام کارخانے اس کی نصرت کے لیے وقف ہو سکتے ہیں۔

❁❁❁

یہ ایک ایمان افروز واقعہ ہے جو اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ جب بندہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تابع کر دیتا ہے، تو کائنات کی سرکش قوتیں بھی اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں۔

سبحان اللہ! اب ذکر کرتے ہیں اس مجاہدِ اسلام کا جنہوں نے بپھری ہوئی لہروں کو قدموں تلے روند ڈالا، یعنی سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ۔

یہ واقعہ بحرین کی مہم کے دوران پیش آیا، جو تاریخِ انسانی میں "تسخیرِ بحر" (سمندر کی تسخیر) کی ایک انوکھی اور محیر العقل مثال ہے۔

سمندر کی لہروں پر
عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش قدمی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب فتنہ ارتداد (اسلام سے پھر جانے والے قبائل) اٹھا، تو سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف روانہ کیا گیا۔ دشمن نے سمندر پار ایک جزیرے میں پناہ لے لی اور تمام کشتیاں اپنے قبضے میں کر لیں تا کہ اسلامی لشکر ان تک نہ پہنچ سکے۔

اسلامی لشکر سمندر کے کنارے پہنچا تو نہ کشتیاں تھیں اور نہ ہی پار اترنے کا کوئی ظاہری ذریعہ۔ دشمن دوسری طرف اطمینان سے بیٹھا تھا کہ سمندر ان کے لیے ڈھال بن چکا ہے۔ اس کڑے وقت میں سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور فرمایا:

"خدا کی قسم! جس اللہ نے زمین پر تمہاری مدد فرمائی ہے، وہی سمندر میں بھی تمہاری حفاظت فرمائے گا۔"

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا مانگی:

"یا حلیم! یا علیم! یا علی! یا عظیم! ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہیں، ہمارے لیے راستہ بنادے"۔

دعا ختم ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا اور لشکر کو حکم دیا:

"اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو!"

پھر دنیا نے وہ منظر دیکھا جو انسانی عقل تسلیم کرنے سے قاصر تھی۔ پورا اسلامی لشکر، جس میں گھوڑے، اونٹ اور پیادہ سپاہی شامل تھے، سمندر کی لہروں پر اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی ہموار سڑک پر چل رہا ہو۔

گھوڑوں کے سم (پاؤں) پانی میں نہیں ڈوب رہے تھے۔

اونٹوں کے پاؤں تک گیلے نہیں ہوئے (جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے)۔

لشکر کا کوئی سامان یا ہتھیار لہروں کی نذر نہ ہوا۔

جب دشمن نے دیکھا کہ سمندر کی لہریں ان جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے راستہ دے رہی ہیں، تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ پکار اٹھے: "ہم انسانوں سے نہیں بلکہ فرشتوں سے لڑ رہے ہیں!" وہ جزیرہ چھوڑ کر بھاگ نکلے اور اللہ نے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح عطا فرمائی۔[1]

اے آج کے مسلمان! تو مادی وسائل کی کمی کا رونا روتا ہے، کبھی اپنی نسبت تو دیکھ! تو اس عظیم ہستی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہے جن کے اشارے پر چاند دولخت ہوا۔ اگر آج بھی تو اپنے دل میں وہی تڑپ، وہی عشق اور وہی کامل اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کر لے، تو آج بھی سمندر تجھے راستہ دیں گے اور بادل تیری پیاس بجھانے کو برسیں گے۔

---

[1] - البدایہ والنہایہ (ابنِ کثیر، جلد 6)۔ تاریخِ طبری (واقعاتِ بحرین)۔ دلائل النبوہ (امام بیہقی)۔

بقول علامہ اقبال کے:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

❁❁❁

یہ واقعہ تاریخِ اسلام کا وہ درخشندہ باب ہے جہاں عقل حیران، فلسفہ گنگ اور تاریخ انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ یہ محض ایک لشکر کی پیش قدمی نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس غیر متزلزل ایمان کا ظہور تھا جس کے سامنے کائنات کے مادی قوانین سجدہ ریز ہو گئے تھے۔

فاتحِ مدائن کی کرامت اور دجلہ کی بپھری لہروں کا تسخیر ہونا

جب حق اور باطل کا معرکہ سجا اور ایرانی سلطنت کا غرور مٹی میں ملنے کو تھا، تو دریائے دجلہ اپنی تمام تر طغیانیوں کے ساتھ مسلمانوں کے راستے میں حائل ہو گیا۔

ایرانیوں نے تمام کشتیاں قبضے میں لے لیں تاکہ اللہ کے سپاہی مدائن تک نہ پہنچ سکیں۔ دشمن کو اپنی مادی طاقت اور دریا کی بپھری لہروں پر ناز تھا، لیکن وہ بھول گئے تھے کہ یہ وہ "عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہیں جن کے دلوں میں عشقِ الٰہی کی تپش سمندروں کے رخ موڑ دیتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جو فاتحِ مدائن ہیں، مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کے پیشِ نظر تذبذب میں تھے۔ مگر جب اللہ کی نصرت شاملِ حال ہوئی، تو انہوں

نے خواب میں دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑے دریا کی لہروں کو چیرتے ہوئے پار جا رہے ہیں۔ یہ محض خواب نہ تھا، بلکہ قدرت کی طرف سے اذنِ سفر تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر فرمایا:

"تمہارا دشمن اس دریا کی آڑ میں چھپ گیا ہے، لیکن میں نے عزم کر لیا ہے کہ ہم اسے پار کر کے دم لیں گے!"

حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے ساٹھ جانبازوں نے جب دریا میں قدم رکھا، تو دجلہ کی سرکش لہریں ان کے پاؤں چومنے لگیں۔ پھر چشمِ فلک نے وہ منظر دیکھا جو رہتی دنیا تک نشانِ عبرت بن گیا:

"نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"۔

ہم اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت، جو بلند و برتر اور عظمت والا ہے۔

دریائے دجلہ اس وقت اپنے پورے جاہ و جلال میں تھا، لہریں جھاگ اڑا رہی تھیں اور پانی سیاہی مائل ہو چکا تھا، مگر قربان جائیے ان غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان پر! پورا لشکر سمندر میں یوں داخل ہوا جیسے خشک زمین پر چل رہا ہو۔

- گھوڑے پانی کی سطح پر یوں رواں تھے جیسے ہموار سڑک ہو۔
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوڑیوں کی صورت میں ایک دوسرے سے یوں محوِ گفتگو تھے جیسے کسی باغ کی سیر کر رہے ہوں۔

یہ منظر دیکھ کر ایرانیوں کے جگر چھلنی ہو گئے اور وہ "دیواں آمدند" (دیو آ گئے) پکارتے ہوئے راہِ فرار اختیار کر گئے۔ صفر 16 ہجری کا وہ دن گواہ ہے کہ جب عشقِ رسول

ﷺ دلوں میں رچ بس جائے، تو اللہ تعالیٰ صرف انسانوں کو ہی نہیں، بلکہ دریاؤں، لہروں اور وقت کی گردشوں کو بھی ان کا تابع کر دیتا ہے۔

کسریٰ کے وہ خزانے جن کی مالیت تین ارب تک تھی، ان غلاموں کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے جنہوں نے دنیا کو نہیں، بلکہ صاحبِ دنیا کو راضی کیا تھا۔[1] یہ کرامت بتاتی ہے کہ:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی

یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

سبحان اللہ! عشق اور بندگی کی داستانیں تو بہت ہیں، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں "توکل" کا جو رنگ نظر آتا ہے، وہ عقلِ انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ذرا اس منظر کی گہرائی میں اتر کر دیکھیے! پورا لشکر بپھرے ہوئے دریا کو پامال کرتا ہوا گزر رہا ہے، گھوڑے لہروں پر ایسے دوڑ رہے ہیں جیسے صحرا کی ریت پر۔

اسی تلاطم میں جب ایک شخص گھوڑے سے گرتا ہے، تو قدرت کا پہرہ دیکھیے کہ وہ پانی میں ڈوبنے کے بجائے پانی کی سطح پر ایسے رہتا ہے جیسے کسی نے اسے تھام رکھا ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو اللہ کے دین کی نصرت کے لیے نکلتے ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ ان کا محافظ بن جاتا ہے۔

اور پھر وہ پیالے کا واقعہ! بظاہر ایک معمولی پیالہ پانی کی لہروں کی نذر ہوا، ساتھی نے طنز کیا کہ تقدیر نے اسے چھین لیا، مگر اس غلامِ مصطفیٰ ﷺ کا جواب سنیے: **"خدا کی قسم! میرا رب اس پورے لشکر میں سے صرف میرا پیالہ نہیں چھینے گا۔"** یہ تکبر نہیں تھا، یہ اس خالق پر وہ مان تھا جو بندگی کے کمال سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ جس دریا

---

[1] – اخرجه ابو نعیم فی الدلائل 208 و ذکره الطبری فی تاریخه 3/19 عن سیف مع زیادات وذکره فی البدایه 31/6 بطوله۔

نے بڑے بڑے متمردوں کو غرق کر دیا، اس کی موجیں ایک مسلمان کا پیالہ اٹھا کر ساحل پر رکھ آتی ہیں تا کہ اس کا یقین متزلزل نہ ہو۔

جب بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے، تو کائنات کی ہر شے اس کے اشارے کی منتظر رہتی ہے۔ یہ دریائے دجلہ کا پار کرنا دراصل اس بات کا اعلان تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے لیے سمندر راستے چھوڑ دیتے ہیں اور پہاڑ ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں۔

یہ واقعہ ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے امتِ مسلمہ! اگر آج تمہارے سامنے مسائل کے دجلہ حائل ہیں، اگر زمانے کی موجیں تمہیں ڈبونا چاہتی ہیں، تو مایوس نہ ہو۔ اپنے اندر وہی توکل پیدا کر، اپنی نسبت کو غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مضبوط کر۔ جب تو سچا مومن بن جائے گا، تو آج بھی دجلہ راستہ دیں گے اور آج بھی کائنات کی ہر شے تیرے سامنے سرنگوں ہو جائے گی۔

❁❁❁

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ

کا ایمان پرور واقعہ

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منور ہوئے اور انہوں نے بندگی کا حق ادا کر دیا، تو اللہ رب العزت نے نہ صرف انسانوں کے دلوں کو ان کے لیے نرم کر دیا بلکہ جنگل کے درندے اور زمین کے موذی جانور بھی ان کے حکم کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

50 ہجری کا واقعہ ہے کہ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابی حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کو افریقہ کا والی مقرر فرمایا۔ افریقہ کے سرکش قبائل (بربر) بارہا عہد شکنی کرتے تھے، جس کی بنیادی وجہ وہاں مسلمانوں کی کسی مستقل فوجی چھاؤنی کا نہ ہونا تھا۔ حضرت عقبہ بن نافع نے دفاعی نقطہ نظر سے ایک شہر بسانے کا ارادہ فرمایا، جسے آج ہم قیروان کے نام سے جانتے ہیں۔

شہر کی تعمیر کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا، وہ ایک ایسا گھنا اور خوفناک جنگل تھا جہاں سورج کی کرنیں بھی مشکل سے پہنچتی تھیں۔ وہ مقام خونخوار درندوں، زہریلے سانپوں اور موذی جانوروں کا مسکن تھا۔ انسانی قدم تو دور کی بات، وہاں سے گزرنا بھی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اپنے ہمراہ 18 جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر اس جنگل کے کنارے تشریف لائے اور فضاؤں میں ایک ایسی صدا بلند کی جس نے فطرت کے قوانین کو حیرت زدہ کر دیا:

"اے زمین کے کیڑے مکوڑو اور جنگل کے درندو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام

اور صحابہ ہیں۔ ہم یہاں قیام کرنے والے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اس اعلان کے بعد جو بھی یہاں پایا گیا، اسے قتل کر دیا جائے گا۔"

یہ محض الفاظ نہیں تھے، بلکہ یہ اس قدرتِ الٰہی کا ظہور تھا جو "غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کو عطا کی گئی ہے۔ چشمِ فلک نے وہ منظر دیکھا کہ شیر اپنے بچوں کو اٹھائے، بھیڑیے اپنی چھوٹی نسل کو سمیٹے اور سانپ اپنے بچّوں کو ساتھ لیے گروہ در گروہ اس جنگل سے نکلنے لگے۔

مقامی بربر قبائل، جو اس جنگل کی دہشت سے واقف تھے، جب اس منظر کو دیکھا کہ وحشی جانور ایک مردِ مومن کے حکم پر اپنا مسکن چھوڑ کر جا رہے ہیں، تو پکار اٹھے کہ یہ جادو نہیں بلکہ حق کی وہ طاقت ہے جس کے سامنے کائنات مسخر ہے۔ اس ایک واقعے نے ہزاروں غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر دی۔[1]

یہ واقعہ اس حقیقت کا غماز ہے کہ:

گفتہ او گفتہ اللہ بود --- گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

(بندے کا کلام درحقیقت اللہ ہی کا کلام ہوتا ہے، اگرچہ وہ بندے کے حلق سے نکل رہا ہو۔)

جب انسان اپنی مرضی کو رضائے الٰہی میں فنا کر دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہواؤں، دریاؤں اور جنگل کے درندوں کو اس کا خادم بنا دیتا ہے۔ قیروان کی بستی آج بھی اس سچائی کی گواہ ہے کہ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ نے پوری کائنات کو مسخر کر دیا ہے۔

❀❀❀

---

[1] ۔ابنِ خلکان، "وفیات الاعیان" (تذکرہ عقبہ بن نافع)۔ابنِ اثیر، "الکامل فی التاریخ"۔امام جلال الدین سیوطی نے بھی "تاریخ الخلفاء" میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ واقعہ انسانی عقل کو حیران کر دینے والا ہے کہ اللہ کے وہ بندے جنہوں نے اپنے نفس کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، ان کے لیے آگ جیسی جلا دینے والی مخلوق بھی موم بن گئی۔

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جہاں شعلے بھی راستہ دیتے ہیں

تاریخِ اسلام کا یہ روشن باب ہمیں ایک ایسی حقیقت سے روشناس کراتا ہے جو صرف "ایمانِ کامل" ہی سے ممکن ہے۔ مدینہ کی سرزمین سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے، ایک ایسا خطرہ جو بستی کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا تھا۔ مگر دیکھیے! اس دور کے حکمران، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کسی مادی آلے کی تلاش میں نہیں نکلتے، بلکہ وہ ایک "مردِ مومن" کو آواز دیتے ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ، جن کا زہد اور تقویٰ مشہور تھا، اپنی عاجزی اور انکساری کی انتہا پر تھے۔ وہ ڈر رہے تھے کہ کہیں ان کی کرامت ظاہر نہ ہو جائے، مگر جب امیر المومنین کا حکم ہوا، تو وہ آگ کے سامنے ڈٹ گئے۔ ذرا اس منظر کا تصور تو کریں! وہ آگ جس کے قریب جانا ناممکن ہے، ایک غلامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنے ہاتھوں سے اس طرح دھکیل رہا ہے جیسے کوئی بکری کے ریوڑ کو ہانکتا ہے۔

ابو نعیم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ان ہی جیسے کاموں کے لیے ہم نے تمہیں چھپا رکھا ہے ابو رقیہ (یہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے)"۔

یہ منظر گواہی دے رہا تھا کہ جس کے دل میں محبتِ الٰہی کی آگ ٹھنڈی ہو، کائنات کی ظاہری آگ اسے نہیں جلا سکتی۔ آگ نے اپنا راستہ بدلا اور اسی غار میں واپس

چلی گئی جہاں سے نکلی تھی۔ اور کمالِ عشق دیکھیے! حضرت تمیم اس آگ کے پیچھے اندر تک چلے گئے اور پھر صحیح سلامت باہر تشریف لائے۔[1]

❁❁❁

غیبی نصرت:

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ اور پکارِ یاارحم الراحمین

کائنات کے "اسیرانِ جمال" کا جب بھی دنیا کے ظالموں اور رہزنوں سے مقابلہ ہوا، تو ان کی پشت پر وہ غیبی طاقت کھڑی ہوئی جس کے قبضے میں پوری کائنات کی باگ ڈور ہے۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ جو صاحبِ جمال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کا ہر لمحہ ذکرِ الٰہی سے معمور رہتا تھا، ایک بار طائف سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک سنگدل چور نے انہیں گھیر لیا۔

حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ نے کمالِ وقار سے فرمایا:

"میرا مال لے لے، مجھے چھوڑ دے"۔

مگر وہ بدبخت اپنی موت کے تعاقب میں تھا، کہنے لگا: "نہیں! میں تجھے بھی قتل کروں گا، ورنہ تو جا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو میری شکایت لگا دے گا اور میں پکڑا جاؤں گا"۔

اسیرِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ موت سامنے ہے، تو آخری تمنا یہی کی کہ: مجھے دو رکعت نماز تو پڑھنے دے، اپنے رب کے سامنے سجدہ تو کر لینے دے"۔

---

[1] - اخرجه ابو نعيم فى الدلائل 212 واخرجه البيهقى عن معاوية بن حرمل قال خرجت نار بالحرة فذكر نحوه كما فى البداية 6/153- اخرجه البغوى كذا فى الاصابة 3/497-

نماز کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وہ دعا مانگی جس نے عرشِ الٰہی کے پائے ہلا دیے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے پکارا:

"یا ودود! یا ذا العرش المجید! یا فعالاً لما یرید! أسألك بعزك الذی لا یرام، وملكك الذی لا یضام، وبنورك الذی ملأ أركان عرشك أن تكفینی شر هذا اللص، یا مغیث أغثنی! یا أرحم الراحمین!"۔

جب آپ نے پہلی بار "یا ارحم الراحمین" کہا، تو ساتوں آسمانوں کے دروازے لرز اٹھے۔ دوسری بار پکارا، تو فرشتوں میں چیخ و پکار مچ گئی۔ تیسری بار پکارا، تو اللہ نے فرمایا: "کون ہے جو میرے بندے کی مدد کو جائے گا؟"۔

ابھی وہ چور تلوار اٹھا کر وار کرنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک شہسوار نمودار ہوا، جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور اس کی رفتار بجلی سے زیادہ تیز تھی۔ اس نے آتے ہی نیزہ اس چور کے سینے کے پار کر دیا اور وہ بدبخت خاک و خون میں تڑپنے لگا۔

حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا:

"اے اللہ کے بندے! تو کون ہے؟ اللہ نے تیرے ذریعے میری مدد فرمائی"۔

اس نے جواب دیا: "اے ابو مالک! میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں۔ جب تم نے پہلی بار پکارا تو میں نے دروازوں کے کھڑکنے کی آواز سنی، دوسری بار پکارا تو میں نے فرشتوں کا شور سنا، اور تیسری بار پکارا تو مجھے اجازت ملی کہ جاؤ اپنے بھائی کی مدد کرو"۔

❁❁❁

باب ہفتم

ابدی بہار: غلامانِ مصطفیٰ ﷺ اور مٹی کی امانت داری

(جن کا کفن میلا نہیں ہوتا اور جن کی قبریں مشک وعنبر سے مہکتی ہیں)

عشقِ مصطفیٰ ﷺ ایک ایسی اکسیر ہے جو فانی انسان کو بقائے دوام عطا کر دیتی ہے۔ کائنات کا اصول ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہر جسد کو مٹی کی چادر اوڑھنی ہے، مگر "اسیرانِ جمال" کی داستان یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاں سے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ تاریخِ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جن اجسام نے اپنی زندگی میں "اتباعِ سنت" کا لباس پہنا اور جن دلوں میں "محبتِ رسول ﷺ" کی شمع فروزاں رہی، قبر کی اندھیری کوٹھڑی ان کے لیے گلزار بن گئی۔ مٹی ان کے تر و تازہ اجسام کو چھونے سے کتراتی ہے اور کفن کی سفیدی صدیوں بعد بھی اس لیے میلی نہیں ہوتی کہ اسے "غلامِ مصطفیٰ ﷺ" کی نسبت کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

یہ اللہ رب العزت کا اپنے محبوب ﷺ کے وفاداروں سے وہ وعدہ ہے کہ جو دنیا میں ان کا ہو گیا، قبر و حشر میں خدا اس کا ہو گیا۔ ان پروانوں کی میتوں سے اٹھنے والی خوشبو عالمِ برزخ کو مہکاتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ:

"موت تو صرف ایک پل ہے جو محب کو محبوب سے ملا دیتا ہے، ورنہ اسیرانِ جمال تو قبر میں بھی زندہ جاوید رہتے ہیں۔"

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد:

چالیس سال بعد بھی تر و تازہ میت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے والد کی شہادت اور ان پر قرض کے بوجھ کی وجہ سے نہایت غمزدہ تھے۔ کائنات کے محسن، نبی کریم رضی اللہ عنہ نے جب اپنے صحابی کو اس حال میں دیکھا تو ان کے ٹوٹے ہوئے دل کو جو مژدہ سنایا، وہ رہتی دنیا تک کے عشاق کے لیے سرمایۂ تسکین ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جابر! اللہ نے جب بھی کسی سے کلام کیا تو حجاب (پردے) کے پیچھے سے کیا، لیکن تمہارے والد کی شانِ قربت دیکھو کہ اللہ نے انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور بغیر کسی پردے کے بالمشافہ گفتگو فرمائی۔“

یہ وہ اعزاز ہے جو صرف اس لیے ملا کہ عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اشارے پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

”اے میرے بندے! مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں تجھے عطا کروں گا“، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کوئی جنت یا حور و قصور نہیں مانگے۔ ایک سچے عاشق کی طرح انہوں نے عرض کیا:

”اے باری تعالیٰ! مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج تا کہ میں تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر ایک بار پھر اپنی جان نثار کروں اور تیری راہ میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔“

یہ تمنا اس بات کی دلیل تھی کہ انہیں موت کی تکلیف سے زیادہ شہادت کی اس لذت میں سرور ملا تھا جو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نتیجے میں حاصل ہوئی تھی۔

اگرچہ اللہ جل جلالہ کا قانون ہے کہ دنیا میں واپسی ممکن نہیں، لیکن اللہ جل جلالہ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس غلام کی ادا اتنی پسند آئی کہ ان کی اس تڑپ کو قرآن کا حصہ بنا دیا۔ اللہ جل جلالہ نے سورہ آل عمران کی آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾۔ ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے"۔[1،2]

❁❁❁

تدفینِ احد اور جدائی کا کرب:

غزوہ احد کے شہداء میں ایک جلیل القدر نام حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد) کا ہے۔ انہوں نے میدانِ احد میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا، مگر اللہ رب العزت نے ان کی میت کو وہ ابدی زندگی عطا فرمائی جو عقلِ انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب احد کے شہداء کو دفن کیا گیا، تو میرے والد کو ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ میرا دل یہ گوارا نہیں

[1] -آل عمران: 169۔

[2] -جامع ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث 3010۔

کر رہا تھا کہ میرے والد کسی دوسرے کے ساتھ ایک ہی قبر میں رہیں، چنانچہ چھ ماہ بعد میں نے ان کی قبر کشائی کا ارادہ کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب چھ ماہ بعد میں نے قبر کھودی اور اپنے والد کی میت نکالی:

"فَإِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ غَيْرَ أُذُنِهِ"۔[1]

"(اللہ کی قسم!) وہ بالکل اسی حالت میں تھے جیسے میں نے انہیں دفنایا تھا، سوائے کان کے (جس پر معمولی سا اثر تھا)۔"

شہید کی مٹی پر حکمرانی:

چالیس سال بعد بھی اجسامِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تروتازگی

یہ تو صرف چھ ماہ کی بات تھی، اصل معجزہ تو تب ظاہر ہوا جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ میں ایک نہر (کظمہ) کھودی گئی۔ اس نہر کے راستے میں شہدائے احد کی قبریں آ رہی تھیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے چالیس سال بعد اپنے والد کی قبر کشائی کی، تو وہاں موجود ہر آنکھ اشکبار ہو گئی:

"ان کے جسمِ اطہر سے مشک و عنبر کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ ان کا کفن تک میلا نہ ہوا تھا۔ کھدائی کے دوران ایک کدال (تیشہ) ان کے پاؤں مبارک پر لگ گیا، تو اس مردہ جسم سے اسی وقت تازہ خون بہہ نکلا گویا وہ ابھی ابھی شہید ہوئے ہوں۔"[2]

---

[1] -صحیح بخاری: 1351۔

[2] -موطا امام مالک: 2/465/ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 3/562۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جب نہر کھودی گئی اور شہدائے احد کو منتقل کیا گیا، تو چالیس سال گزرنے کے باوجود:

* اجسام کا نرم ہونا۔
* ہاتھ پاؤں کا مڑ جانا (جیسے زندہ انسان کے ہوتے ہیں)۔
* زخموں سے تازہ خون کا نکلنا (جیسا کہ بعض روایات میں ہے)۔

یہ وہ مادی شواہد ہیں جو عقلِ انسانی کو حیران کر دیتے ہیں اور اس قرآنی آیت کی عملی تفسیر پیش کرتے ہیں کہ "**وہ زندہ ہیں**"۔

یہ "**اسیرانِ جمال**" کی وہ ابدی زندگی ہے کہ زمین چالیس سال تک ان کے جسم کی امانت دار رہی، مگر اسے میلی چادر پہنانے کی جرات نہ ہوئی۔ یہ تر و تازہ جسم اور رستا ہوا تازہ خون پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس نے اپنی زندگی "**محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**" کے سپرد کر دی، مٹی اس کے بدن پر حرام کر دی گئی۔ ان کا کفن اس لیے میلا نہیں ہوتا کہ وہ محبوب کی یادوں کی سفیدی میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

❀❀❀

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:

تیس سال بعد مشک و عنبر کا ظہور

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہیں حضور ﷺ نے "طلحۃ الخیر" کا لقب عطا فرمایا تھا اور جن کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

"جو زمین پر چلتے پھرتے کسی شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔

عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ فانی جسم کو بھی "بقائے دوام" کی خلعت پہنا دیتا ہے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تیس سال بعد کا یہ واقعہ تاریخِ اسلام کے معتبر ترین مآخذ میں موجود ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تیس سال بعد، ان کے ایک عقیدت مند (یا ایک قول کے مطابق ان کے خاندان کے فرد) نے انہیں خواب میں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میری قبر میں پانی آ گیا ہے، مجھے یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ منتقل کر دو"۔

جب صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں ان کی قبر کشائی کی گئی، تو وہاں موجود ہر شخص کی عقل دنگ رہ گئی۔ راوی بیان فرماتے ہیں:

"فَإِذَا هُوَ كَيَوْمِ دُفِنَ، مَا تَغَيَّرَ مِنْهُ شَيْءٌ، وَقَدْ نَبَتَ الشَّعْرُ عَلَى وَجْهِهِ"۔

"(اللہ کی قسم!) وہ بالکل اسی حالت میں تھے جیسے انہیں دفنایا گیا تھا، ان کے جسم میں ذرہ برابر تبدیلی نہ آئی تھی، یہاں تک کہ ان کے چہرے کے بال (داڑھی مبارک) تک بڑھ چکے تھے۔"

سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جیسے ہی قبر کھولی گئی، پورا قبرستان کستوری کی خوشبو سے مہک اٹھا۔

"ان کے کفن کی سفیدی ویسی ہی تر و تازہ تھی جیسے ابھی ابھی لپیٹی گئی ہو۔ ان کی میت سے ایسی تیز خوشبو پھوٹ رہی تھی کہ مشک و عنبر بھی اس کے سامنے ہیچ تھے۔"[1]

❁❁❁

شہدائے احد کی ابدی نیند:
چھیالیس سال بعد بھی رستا ہوا لہو

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاثیر یہ ہے کہ یہ فنا ہونے والے مادی جسم کو وہ ثبات عطا کرتی ہے کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی زخم تر و تازہ رہتے ہیں۔ جلیل القدر انصاری صحابہ حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کا یہ واقعہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ "اسیرانِ جمال" کے لیے قبر کی مٹی بھی ریشم کا بستر بن جاتی ہے۔

جنگِ احد کے چھیالیس سال بعد، جب ایک برساتی نالہ ان حضرات کی قبروں کے پاس سے گزرا اور پانی اندر داخل ہوا، تو جگہ کی تبدیلی کے لیے قبر کشائی کی گئی۔ وہاں موجود عینی شاہدین اور ورثاء (بشمول حضرت جابر رضی اللہ عنہ) نے وہ منظر دیکھا جو چشمِ فلک نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا:

"دونوں حضرات کے جسموں میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی، گویا وہ کل ہی دفن کیے گئے ہوں۔ ان کے چہروں پر وہی دھاری دار چادریں تھیں اور پاؤں پر رکھی ہوئی "حرمل" کی گھاس ویسی ہی ہری بھری اور تازہ تھی جیسی چھیالیس سال قبل رکھی گئی تھی۔"

---

[1] -ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 3/223/ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: 7/248۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے چہرے پر زخم تھا اور ان کا ہاتھ اس زخم پر رکھ کر دفن کیا گیا تھا۔ جب چھیالیس سال بعد ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا:

"فَانْبَعَثَ مِنْهُ الدَّمُ"۔

"تو ان کے زخم سے تازہ خون بہنے لگا، اور جیسے ہی ہاتھ دوبارہ زخم پر رکھا گیا، خون فوراً رک گیا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ (بیٹے) فرماتے ہیں کہ میرے والد اپنی قبر میں اس حال میں تھے جیسے کوئی گہری نیند سو رہا ہو، ان کے جسم کی رنگت اور ساخت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔[1]

تین مرتبہ کا ظہور: شیخ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

مشہور مورخِ مدینہ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق، اللہ رب العزت نے ان "اسیرانِ جمال" کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ واقعہ ایک بار نہیں بلکہ تین مختلف ادوار میں پیش کیا:

پہلی مرتبہ: تدفین کے صرف چھ ماہ بعد (جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی میت نکالی)۔

دوسری مرتبہ: چالیس سال بعد (جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں نہر "کظمہ" کھودی گئی)۔

تیسری مرتبہ: چھیالیس سال بعد (جب برساتی نالے کے پانی کی وجہ سے دوبارہ منتقلی ہوئی)۔ ❁❁❁

---

[1] - الموطأ للإمام مالک: کتاب الجهاد، باب ما جاء فی شهداء احد (رقم: 465/2)۔ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ (ذکر شہدائے احد)۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ:

چالیس سال بعد رستا ہوا تازہ خون

غزوہ احد کی تپتی ریت پر جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جسدِ مبارک لایا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "سید الشہداء" کا لقب عطا فرمایا۔ یہ وہ جسم تھا جسے دشمنوں نے مثلہ کیا (ناک کان کاٹے)، مگر قدرت نے اس کی حفاظت کا وہ سامان کیا کہ رہتی دنیا تک کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (شہادت کے تقریباً 40 سال بعد) میں جب مدینہ کے شہداء کی قبروں کے قریب سے نہر نکالنے کا کام شروع ہوا، تو تیز پانی کی وجہ سے چند قبریں کھل گئیں۔ ان میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبرِ انور بھی شامل تھی۔

عینی شاہدین بیان کرتے ہیں کہ جب مزدور کھدائی کر رہے تھے، تو اچانک ایک مزدور کا کدال (تیشہ) نادانستہ طور پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں مبارک پر لگ گیا۔ وہاں موجود صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ منظر دیکھا جس نے کلیجے ہلا دیے:

"فَانْبَعَثَ مِنْهُ الدَّمُ عَبِيطًا"۔

"(اللہ کی قسم!) جیسے ہی کدال لگی، ان کے پاؤں مبارک سے تازہ سرخ خون فوارے کی طرح ابل پڑا، گویا وہ ابھی اسی لمحے شہید ہوئے ہوں۔"[1]

جسمِ اطہر کی تازگی اور خوشبو:

راوی بیان فرماتے ہیں کہ ان کا جسمِ مبارک ریشم کی طرح نرم اور تر و تازہ تھا۔ ان کے کفن کی چادر، جو صوف کی بنی تھی اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے ان کے قدموں پر گھاس

---

[1] - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 3/11 / بیہقی، دلائل النبوۃ: 3/305۔

ڈالی گئی تھی، وہ گھاس تک چالیس سال بعد ویسی ہی سبز اور تازہ تھی جیسے ابھی رکھی گئی ہو۔ ان کی قبر سے ایسی مہک اٹھ رہی تھی کہ پورا میدانِ احد معطر ہو گیا۔[1]

یہ مٹی کی بے بسی تھی کہ وہ "اسیرانِ جمال" کے کفن کے ریشوں اور ان کے پاؤں پر رکھی خشک گھاس کو بھی بوسیدہ نہ کر سکی۔ یہ سبزہ اور یہ خوشبو اس حقیقت کی گواہی تھی کہ جس نے اپنی جان "خوشبوئے دو عالم ﷺ" پر نثار کر دی، قدرت اس کے مدفن کو رہتی دنیا تک معطر رکھتی ہے۔

❁❁❁

خوشبوئے لحد:

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے مشک کا ظہور

عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی تاثیر صرف روح تک محدود نہیں رہتی، بلکہ یہ ان مٹی کے ذروں کو بھی معطر کر دیتی ہے جو کسی "اسیرِ جمال" کی میت کو اپنی آغوش میں لیتے ہیں۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تدفین کا منظر تاریخِ اسلام کا وہ باب ہے جہاں زمین و آسمان کی برکتیں ایک جگہ جمع ہو گئی تھیں۔

حضرت محمد بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تدفین کے موقع پر ایک شخص نے ان کی قبرِ انور سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی۔ جب اس نے تھوڑی دیر بعد اپنی مٹھی کھولی تو وہ حیران رہ گیا:

---

[1] ۔الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر): جلد 1، صفحہ 374۔الطبقات الکبریٰ (ابن سعد): جلد 3، صفحہ 11۔

"فَإِذَا هِيَ مِسْكٌ"۔

"وہ مٹی (خالص) مشک بن چکی تھی۔"

جب یہ بات بارگاہِ رسالت ﷺ تک پہنچی، تو محبوبِ کائنات ﷺ نے خوش ہو کر بلند آواز سے فرمایا: "سُبْحَانَ اللهِ!"

سبحان اللہ! اور آپ ﷺ کے چہرہِ انور پر خوشی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، جو خود اس سعادت مند گروہ میں شامل تھے جنہوں نے بقیع میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی تھی، وہ اس مشاہدے کی گواہی ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"ہم جب بھی مٹی کھودتے تو اس میں سے ہمیں مشک کی ایسی تیز خوشبو آتی کہ دماغ معطر ہو جاتا۔ یہ سلسلہ محض آغاز میں نہ تھا بلکہ جب تک ہم لحد (قبر کی اندرونی دیوار) تک پہنچے، مٹی سے مشک کی خوشبو مسلسل آتی رہی۔"[1]

یہ اسیرانِ جمال کی وہ شان ہے کہ مٹی ان کے وجود کو چھو کر اپنی فطرت بدل لیتی ہے۔ جہاں دنیا کی مٹی سے بوسیدگی کی بو آتی ہے، وہاں ان عشاقِ صادق کی قبروں سے مشک کی لپٹیں اٹھتی ہیں۔ یہ خوشبو دراصل اس "خوشبوئے طیبہ ﷺ" کا فیضان ہے جس میں یہ نفوسِ قدسیہ زندگی بھر بسے رہے، اور اب لحد کی تنہائی میں بھی وہی مہک ان کی پہچان بن گئی ہے۔

❁❁❁

---

[1] ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ذکرِ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (جلد 3، صفحہ 430)۔ ابو نعیم الاصفہانی: دلائل النبوۃ (رقم: 485)۔ السمہودی: وفاء الوفاء (ذکرِ بقیع الغرقد)۔

معراجِ شہادت:

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور فرشتوں کا جنازہ

تاریخِ عشق و وفا کے اوراق پر غزوۂ بئرِ معونہ کا سانحہ ایک ایسی داستان ہے جو آنکھوں کو لہو اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ مگر اسی اندوہناک واقعے کے بطن سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وہ نورانی معجزہ پھوٹا جس نے دشمنوں کو بھی کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا۔

بئرِ معونہ کے تپتے صحرا میں جب جبار بن سلمیٰ کلابی نے سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو پشت سے نیزہ مارا جوان کے سینے کو چیرتا ہوا پار نکل گیا، تو اس جاں نثارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے آہ نہیں نکلی، بلکہ عشق و مستی میں ڈوبا ہوا ایک نعرہ بلند ہوا:

"فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!"

"ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔"

قاتل حیران رہ گیا کہ نیزے کی انی پر دم توڑنے والا یہ شخص کامیابی کے دعوے کس بنیاد پر کر رہا ہے؟ اسے کیا معلوم تھا کہ "اسیرانِ جمال" کے لیے شہادت کی تلخی، محبوب سے ملاقات کی شیرینی بن جاتی ہے۔ یہی وہ کلمات تھے جو بعد ازاں جبار بن سلمیٰ کے اسلام لانے کا سبب بنے۔[1]

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اس معرکے کے بعد جب عامر بن طفیل نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ (جو قید ہو گئے تھے) سے ایک لاش کی طرف اشارہ کر

---

[1] -الواقدی: کتاب المغازی، جلد 1، صفحہ 349۔الامام البیہقی: دلائل النبوۃ (جلد 3، صفحہ 339)۔

کے پوچھا: "یہ کون ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔"

عامر بن طفیل نے (جو اس وقت تک کافر تھا) حیرت و استعجاب سے لبریز ہو کر ایک ایسا مشاہدہ بیان کیا جو انسانی عقل سے بالاتر تھا:

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شہادت کے فوراً بعد ان کے جسمِ اطہر کو آسمان کی طرف اٹھایا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان معلق تھے، یہاں تک کہ مجھے ان کے نیچے سے آسمان نظر آنے لگا (یعنی وہ افق سے بھی بلند ہو گئے)، پھر ان کی نعش کو نرمی سے زمین پر رکھ دیا گیا۔" [1]

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے جسمِ مبارک کو تلاش کرنا چاہا تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے انہیں بہت ڈھونڈا مگر زمین پر ان کا کوئی نشان نہ ملا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وحیِ الٰہی کے ذریعے صحابہ کو اس غیبی راز سے آگاہ فرمایا:

"فرشتوں نے ان کے جسمِ اطہر کو (دشمنوں کی نظروں سے چھپا کر) خود دفن کر دیا ہے اور انہیں علّیّین میں جگہ عطا کی گئی ہے۔" [2]

بارگاہِ الٰہی سے شہداء کا پیغام:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنائی کہ ان شہداء نے اپنے رب سے عرض کیا:

---

[1] - صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ بئر معونہ (رقم: 4091)۔ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: 231/3۔

[2] - واقدی، المغازی / دلائل النبوۃ للبیہقی: 339/3۔

"اے اللہ! ہمارے بھائیوں (جو دنیا میں رہ گئے ہیں) کو ہماری خبر دے دے کہ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔"

اسی مبارک نسبت کی وجہ سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے نیک فال لیتے ہوئے اپنے بیٹوں کے نام ان شہداء (عروہ اور منذر) کے نام پر رکھے۔

یہ "اسیرانِ جمال" کی وہ رفعتِ شان ہے کہ جن کے جنازے زمین پر انسان نہیں، بلکہ آسمان پر فرشتے اٹھاتے ہیں۔ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا زمین و آسمان کے درمیان اٹھایا جانا اس بات کا اعلان تھا کہ جو مصطفیٰ ﷺ کی غلامی میں خود کو فنا کر دیتا ہے، اسے دفن کرنے کے لیے زمین کی مٹی بھی کم پڑ جاتی ہے، پھر عالمِ قدس سے فرشتے اترتے ہیں تاکہ اس "ہدیہِ جمال" کو علّیّین کی ابدی بہاروں میں لے جائیں۔ ان کا کفن کبھی میلا نہیں ہوتا کیونکہ ان کی تدفین عرش والے کے حکم سے جنت کے ریشم میں ہوتی ہے۔

یہ محض واقعات نہیں، بلکہ عشقِ صادق کی وہ روشن دلیلیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ جب کوئی وجود محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، تو پھر کائنات کے مادی قوانین اس پر اثر انداز ہونا چھوڑ دیتے ہیں۔ مٹی کا کام مٹی کو فنا کرنا ہے، لیکن جو مٹی قدمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دھول بن جائے یا جس دل میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع روشن ہو، مٹی کی کیا مجال کہ اسے چھو بھی سکے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فنا ہونے والوں کی شانِ بے نیازی:

تصور کیجیے! مکہ کا تپتا ہوا ریگزار ہے، "تنعیم" کا مقام ہے اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔ دشمنوں کا خیال تھا کہ وہ انہیں سولی دے کر ختم کر دیں گے، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ عشق کی موت تو ابدی زندگی کا آغاز ہوتی ہے۔ کئی دن بیت گئے، دھوپ کی شدت تھی، صحرا کی گرم ہوائیں تھیں، لیکن قربان جائیے اس جسمِ اطہر پر جس کے رگ و پے میں "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا نام بسا تھا۔ مٹی اور ہوا مل کر بھی اس جسم کا ایک ریشہ تبدیل نہ کر سکیں۔

جب حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور اس لکڑی سے اس عاشقِ صادق کو آزاد کیا، تو جیسے ہی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا جسم زمین سے مس ہوا، زمین نے اپنے سینے کو وا کر دیا!

کتنا خوش نصیب تھا وہ وجود جس کی حفاظت کے لیے خود زمین بے قرار ہو گئی! مٹی نے انہیں چھپایا نہیں بلکہ اپنے دامن میں ایسے سمیٹ لیا جیسے کوئی ماں اپنے بچھڑے ہوئے بچے کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ وہ "بلیعُ الارض" (زمین کا نگل لیا ہوا) بن گئے تا کہ کوئی دشمنِ دین ان کے مقدس جسم کی بے حرمتی نہ کر سکے۔[1]

---

[1] -لاستیعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر: (جلد 2، صفحہ 442)۔الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني: (جلد 2، صفحہ 225)

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی کی لکڑی سے نیچے اتارنے کے لیے بھیجا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے، تو منظر دیدنی تھا۔ چالیس پہرے دار نشے میں دھت پڑے تھے اور اللہ کا ولی سولی کی لکڑی پر مسکرا رہا تھا۔ روایات کہتی ہیں کہ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کے جسمِ مبارک کو اپنے گھوڑے پر رکھا، تو محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ کسی مردہ انسان کا جسم ہے۔

وہی تر و تازگی!

وہی مہک!

وہی وقار!

گویا موت آئی ہی نہیں، بلکہ زندگی نے ایک حسین موڑ مڑ لیا ہے۔ جب دشمنوں نے پیچھا کیا، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں زمین کے حوالے کر دیا۔ قدرت کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ جس جسم کو اللہ کے محبوب ﷺ کی نگاہِ کرم نے چنا ہو، اسے کفار کے گندے ہاتھ چھو سکیں۔

غلامانِ مصطفیٰ ﷺ اور مٹی کا رشتہ:

یہ واقعات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ:

"غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے کفن میلے نہیں ہوتے!"

یہ کوئی شاعرانہ تخیل نہیں، بلکہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ مٹی صرف اسے کھاتی ہے جو صرف مٹی سے بنا ہو۔ جو روحِ مصطفیٰ ﷺ سے فیض پا لے، جو اپنے خون سے عشق کی آبیاری کرے، اسے مٹی نہیں کھاتی بلکہ مٹی اس کی چاکری کرتی ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ جنہیں زندگی میں اتباعِ رسول ﷺ ملی اور مرنے کے بعد زمین کے اس ٹکڑے میں جگہ ملی جسے رحمتِ خداوندی نے ڈھانپ لیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا

"بلیع الارض" ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ اپنے پیاروں کو دنیا کی نظروں سے چھپا کر اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہے۔[1]

❁❁❁

سبحان اللہ! آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامات اور ان کے اجسامِ مقدسہ کی غیبی حفاظت کے جو واقعات ذکر کیے ہیں، یہ ایمان کو جلا بخشنے والے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اضافے کا باعث ہیں۔ ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے وہ نمونے ہیں جو عقلِ انسانی کو حیران کر دیتے ہیں۔

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

قبر کا نور بن جانا

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ (جن کا ذکر آپ نے ابنِ حضرمی کے نام سے کیا) مستجاب الدعوات صحابی تھے۔ ان کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے ثابت ہے کہ:

❁ جب انہیں دفن کیا گیا اور زمین کی سختی یا درندوں کے خوف سے صحابہ نے انہیں دوسری جگہ منتقل کرنا چاہا، تو قبر میں جسدِ مبارک موجود نہیں تھا۔

---

[1] - **حوالہ جات کی روشنی میں:** یہ ایمان افروز واقعات "دلائل النبوۃ (بیہقی)"، سیرت ابن ہشام اور الاستیعاب جیسی معتبر کتب میں محفوظ ہیں، جو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو بتاتے رہیں گے کہ: مر کے بھی جو فنا نہ ہو، وہی تو "عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہے۔

- قبر مٹی اور اندھیرے کے بجائے تاحدِ نگاہ نور سے بھر گئی تھی۔
- یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کو مٹی کے سپرد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے خاص مقامات پر منتقل فرما دیتا ہے جہاں نہ درندوں کا ڈر ہوتا ہے اور نہ زمین کی تنگی کا۔[1]

❁❁❁

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ:

"حمیُّ الدبر" (بھڑوں کے ذریعے حفاظت)

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا واقعہ غیرتِ ایمانی کی ایک عظیم مثال ہے۔ انہوں نے زندگی میں عہد کیا تھا کہ نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک انہیں چھو سکے گا۔

- **اللہ کا وعدہ:** جب وہ شہید ہوئے اور کفار نے ان کا سر کاٹ کر مکہ لے جانے کا ارادہ کیا (تاکہ ان کے سر کے پیالے میں شراب پی جائے)، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عہد کی لاج رکھی۔
- **غیبی لشکر:** اللہ نے شہد کی مکھیوں یا بھڑوں کا ایک ایسا غول بھیج دیا جس نے ان کے جسمِ اطہر کا پہرہ دیا۔ کافر جوں ہی قریب آتے، مکھیاں ان پر حملہ کر دیتیں۔
- **حمیُّ الدبر:** اسی واقعے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا لقب "حمیُّ الدبر" (وہ جسے بھڑوں نے بچایا) مشہور ہوا۔ بعد میں بارش کے ایک سیلاب نے ان کے جسدِ مبارک کو وہاں سے

---

[1]-دلائل النبوة للبيهقي: (جلد 6، صفحه 52) "باب ما جاء في العلاء بن الحضرمي"۔الطبقات الکبری لابن سعد: (جلد 4، صفحه 363)۔

اٹھالیا تاکہ مشرک ان تک نہ پہنچ سکیں۔[1]

ان واقعات سے حاصل ہونے والے سبق:

- عہد کی پاسداری: جب بندہ اللہ سے سچا عہد کرتا ہے، تو اللہ مرنے کے بعد بھی اس کے عہد کو ٹوٹنے نہیں دیتا۔
- مٹی پر پہرے: مٹی اور درندے ان اجسام کے تابع کر دیے جاتے ہیں جو زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوتے ہیں۔
- نورانیت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجسام صرف گوشت پوست نہیں تھے، بلکہ وہ سراپا نور بن چکے تھے، اسی لیے ان کی قبریں بھی نورانی مشاہدہ کی گئیں۔

کسی شاعر نے کیا خواب اس عنوان کی منظر کشی کی ہے۔۔۔

زمیں میلی نہیں ہوتی زمن میلا نہیں ہوتا
محمد کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا

محبت کملی والے سے وہ جذبہ ہے سنو لوگو
یہ جس من میں سما جائے وہ من میلا نہیں ہوتا

نبی کے پاک لنگر پر جو پلتے ہیں کبھی ان کی
زباں میلی نہیں ہوتی سخن میلا نہیں ہوتا

میرے آقا کی الفت تو بدن کو جگمگاتی ہے
کبھی اہل محمد کا بدن میلا نہیں ہوتا

گلوں کو چوم لیتے ہیں سحر نم شبنمی قطرے

---

[1] -صحیح بخاری: (کتاب الجہاد، باب غزوۃ الرجیع) حدیث نمبر: 3045۔

نبی کی نعت سن لیں تو چمن میلا نہیں ہوتا

جو نام مصطفیٰ چومیں کبھی دکھتی نہیں آنکھیں

پہن لے پیار جو انکا بدن میلا نہیں ہوتا

میں نازاں تو نہیں فن پر مگر ناصر یہ دعویٰ ہے

ثنائے مصطفیٰ کرنے سے فن میلا نہیں ہوتا

(صلی اللہ علیہ وسلم)

❁❁❁

معراجِ عشق:

جب قربانی اپنی آخری حد کو چھو لے

"کائنات کے "اسیرانِ جمال" کی داستانِ وفا اس وقت اپنے عروج کو پہنچتی ہے جب عشق محض دعویٰ نہیں رہتا بلکہ "خونِ جگر" بن کر مقتل کی زینت بن جاتا ہے۔ اسیریِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقاضا صرف تسبیح و مناجات نہیں، بلکہ وقت پڑنے پر کٹ مرنا اور سب کچھ لٹا کر بھی "الحمدللہ" کہنا ہے۔

تاریخِ انسانی نے بہت سے سورما دیکھے، بڑے بڑے معرکے دیکھے، مگر کربلا وہ مقامِ بلند ہے جہاں قربانی نے اپنی آخری حد کو بھی پار کر دیا۔ یہاں بوڑھوں نے جوانوں کو کندھا دیا، ماؤں نے بیٹوں کو رخصت کیا اور پیاسوں نے نہر کے کنارے جان دے دی مگر باطل کی بیعت نہ کی۔ یہ باب ہمیں بتاتا ہے کہ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زندگی کا مقصد صرف سانس لینا نہیں، بلکہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی آبرو پر اپنی ہستی کو وار دینا ہے۔

آیئے! جادۂ شوق کے ان آخری مسافروں کی داستانِ عزیمت پڑھیں جن کے لیے کربلا کی تپتی ریت مخمل کا بچھونا بن گئی تھی:

کربلا کا معرکہ:

جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسیروں کی داستانِ وفا

فلسفۂ قربانی: جمالِ الٰہی کی تڑپ:

یہ کربلا کیوں بپا ہوئی؟ تاریخ کے صفحات پر لہو کی یہ سرخی کیوں بکھری؟ یہ محض ایک حادثہ نہیں تھا کہ دس دن گریہ وزاری کر کے اسے بھلا دیا جائے۔ یہ تو ایک ابدی پیغام ہے کہ جو "جمالِ الٰہی" کے اسیر ہو جاتے ہیں، وہ اسے راضی کرنے کے لیے اپنی پوری ہستی

کی بازی لگا دیتے ہیں۔ ہم بارہ گھنٹے کی پیاس میں تڑپ جاتے ہیں، مگر ذرا تصور تو کرو، اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ پر بہتر (72) گھنٹے سے پانی بند تھا۔ پیاس کی حدت تھی، کلیجے سوکھ رہے تھے، مگر سامنے انسان نما درندوں کے نرغے میں بھی آلِ رسول ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔[1]

جادۂ شوق کے پہلے مسافر: حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ:

جب انصار و جاں نثار ایک ایک کر کے راہِ حق میں فنا ہونے لگے، تو وفا کی اس کتاب کا پہلا باب حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ کے لہو سے لکھا گیا۔ یزیدی لشکر کے دو غلام، سالم اور یسار، جب تکبر کے ساتھ میدان میں نکلے تو حسینی لشکر کے پروانے بربر بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں تڑپ اٹھے۔ مگر اس لمحے ایک اور اسیرِ جمالِ نبوی سامنے آیا۔[2]

کوفہ سے اپنی شریکِ حیات امِ وہب کے ہمراہ آنے والے عبداللہ بن عمیر الکلبی رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت دیدنی تھا۔ انہوں نے عرض کی:

"آقا! مجھے اجازت دیں، میں ان دونوں بدبختوں کے لیے اکیلا کافی ہوں۔"

عشق کا عالم یہ تھا کہ بدن پر نہ زرہ تھی نہ خود۔ کسی نے پوچھا کہ جان بچانے کا سامان کیوں نہیں کیا؟ تو جواب ملا:

"میں یہاں جینے نہیں، مرنے آیا ہوں، اور موت کے خریدار کو لباسِ آہن کی حاجت نہیں ہوتی۔"

---

[1] - تاریخ الطبری (412/5) "اور "الکامل فی التاریخ (53/4)" میں پیاس کی شدت اور استقامت کا مفصل ذکر ہے۔

[2] - تاریخ الطبری (435/5)"، "البدایہ والنہایہ (192/8)"

ان کی اہلیہ نے بھی پکار کر کہا کہ ہم میاں بیوی آپ پر قربان ہونے کی نیت کر کے آئے ہیں۔امام کے اذنِ "جزاك الله خيرا" پاتے ہی انہوں نے دشمنوں کو واصلِ جہنم کر دیا۔

جب یزیدیوں نے دیکھا کہ یہ مٹھی بھر لوگ موت کو گلے لگانے آئے ہیں، تو انہوں نے بزدلوں کی طرح ایک ساتھ حملہ کر دیا۔اسی یلغار میں مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ خاک پر گرے، مگر مرتے مرتے بھی یہی وصیت کی:

"حسین کی حفاظت کرنا جب تک سانس باقی ہے۔"[1]

پرچمِ وفا اور بتیس جری شہسوار:

حق کے اس مختصر لشکر کی ترتیب عجب تھی۔صرف بتیس (32) گھڑسوار اور چالیس (40) پیادے، مگر جب انہوں نے پہلا حملہ کیا تو تین ہزار کے لشکر کو پیچھے دھکیل دیا۔دشمن بوکھلا گیا، ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ ان کے گھوڑوں کو نشانہ بناؤ۔پانچ سو تیر اندازوں نے جب تیروں کا مینہ برسایا تو گھوڑے ختم ہو گئے اور اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ زمین پر آ گئے، مگر ان کا عزم پہلے سے بھی زیادہ بلند تھا۔دائیں جانب زہیر بن قین رضی اللہ عنہ، بائیں جانب حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ اور مرکز میں پرچمِ وفا تھامے عباس بن علی حق رضی اللہ عنہ کی وہ علامت بنے کھڑے تھے جسے کوئی طوفان نہ ہلا سکا۔[2]

زیرِ خنجر بندگی: کربلا کا آخری سجدہ:

ظہر کا وقت ہوا تو امام نے زہیر سے فرمایا کہ شمر سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دے۔اگر چودہ سو سال کی تاریخ میں کسی کو نماز کی معافی مل سکتی تھی تو وہ کربلا کے پیاسے

---

[1]-مقتل الحسين لابى مخنف (136)"، "تاريخ الطبرى (429/5)"

[2]-تاريخ الطبرى (422/5)"، "الكامل فى التاريخ (62/4)"

تھے، لیکن حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہ نے یہ ثابت کرنا تھا کہ سر کٹ سکتا ہے مگر سجدہ نہیں چھوٹ سکتا۔

جب یزیدی سردار حصین بن نمیر نے طنز کیا کہ تمہاری نماز قبول نہیں ہوتی، تو زہیر نے اسے وہ دندان شکن جواب دیا کہ تاریخ آج بھی اسے دہراتی ہے۔ یہ پیغام سات براعظموں کے ایمان والوں کے لیے ہے کہ جس گھرانے کے صدقے نماز ملی، انہوں نے زیرِ خنجر بھی مصلّٰی نہیں چھوڑا۔[1]

خوابِ وصال: محبوب کا استقبال:

اس قیامت خیز معرکے سے ذرا پہلے سیدنا حسین عالی مقام رضی اللہ عنہ کی آنکھ لگی۔ جب بیدار ہوئے تو لبوں پر تبسم تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حیرت سے پوچھا:

بھیا! یہ ہنسنے کا وقت تو نہیں۔" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رأيت رسول الله ﷺ في المنام، فقال: إنك تروح إلينا"

"اے میری بہن! ابھی خواب میں نانا جان ﷺ کی زیارت ہوئی ہے، وہ فرما رہے ہیں: "بیٹا! میں تجھے لینے کے لیے آ چکا ہوں"۔ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے یہ موت نہیں تھی، بلکہ اس محبوبِ کبریا ﷺ سے ملاقات کا وہ حسین لمحہ تھا جس کی تڑپ نے انہیں کربلا کی تپتی ریت پر سرخرو کر دیا۔[2]

نمازِ عشق: جب خنجروں کے سائے میں سجدہ ادا ہوا:

کربلا کا میدان صرف خون کی ارزانی کا نام نہیں تھا، بلکہ یہ پوری کائنات اور چھ براعظموں کے انسانوں کے لیے ایک ایسا عالمگیر پیغام تھا کہ "ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ مگر نماز

---

[1] - اریخ الطبری (439/5)"، "البدایہ والنہایہ (188/8)

[2] - "البدایہ والنہایہ (176/8)"، "تاریخ الطبری (420/5)

نہیں چھوٹ سکتی"۔ جب تپتی دوپہر میں ظہر کا وقت ہوا، تو صاحبِ جمال ﷺ کے اسیروں نے ثابت کر دیا کہ جس کے دل میں اللہ جل جلالہ کی بڑائی ہو، اسے دشمن کی کثرت ڈرا نہیں سکتی۔

سیدنا حسین عالی مقام رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ "آدھے نماز پڑھو اور آدھے جنگ کرو"۔ یہ وہ منظر تھا جسے دیکھ کر فرشتے بھی وجد میں آ گئے ہوں گے۔ بتیس (32) سواروں اور چالیس (40) پیادوں میں سے پندرہ بیس تو پہلے ہی جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔

اب جو باقی تھے، انہوں نے خود کو دو حصوں میں بانٹ لیا۔ ایک گروہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو گیا اور دوسرے نے امام کی اقتدا میں خالقِ حقیقی کے حضور سر جھکا دیا۔ جب پہلا گروہ نماز سے فارغ ہوا تو وہ تیغ و تبر کے سائے میں دشمن کی یلغار روکنے نکل پڑا اور دوسرے گروہ نے آ کر اپنی نماز ادا کی۔

اسی اثنا میں دشمن نے پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ حضرت زہیر بن قین رضی اللہ عنہ، جو حسینی لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) کے سالار تھے، پچاس سے زائد یزیدیوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد جب زخموں سے چور ہو کر گرنے لگے، تو انہوں نے آخری سانسوں میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے کندھے پر اپنا ہاتھ مارا اور کمالِ محبت و وارفتگی سے یہ اشعار پڑھے:

أَقْدِمْ حُسَيْنُ هَادِيًا مَهْدِيًّا
اَلْيَوْمَ تَلْقَى جَدَّكَ النَّبِيًّا
وَحَسَنًا وَالْمُرْتَضَى عَلِيًّا
وَذَا الْجَنَاحَيْنِ جَعْفَرَ الطَّيَّارَ الطَّرِيًّا
وَأَسَدَ اللهِ الشَّهِيْدَ الْمُحْيَا

ترجمہ: اے حسین! (جمالِ حق کی سمت) قدم بڑھائیے، آپ خود بھی ہدایت یافتہ ہیں اور دوسروں کے لیے بھی ہادی ہیں۔ آج آپ (موت کے اس پار) اپنے نانا نبی

ﷺ سے ملیں گے، اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ اور اپنے والد مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کریں گے، اور اس دو پروں والے جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ملیں گے جو جنت کے سبزہ زاروں میں اڑ رہے ہیں، اور اللہ کے اس شیر (حمزہ رضی اللہ عنہ) کا دیدار کریں گے جو شہید ہو کر ابدی حیات پا چکے ہیں۔"[1]

معرکہِ کربلا: ذبحِ عظیم اور پیمانِ وفا کی تکمیل:

جب حق و باطل کا معرکہ اپنی انتہا کو پہنچا، تو "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" نے وہ کرب سہا جس کے تصور سے عرشِ بریں لرز اٹھتا ہے۔ یہ محض ایک جنگ نہ تھی، بلکہ محبوبِ حقیقی کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ وار دینے کا نام تھا۔

سب سے پہلے امام کے لختِ جگر علی اکبر رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا۔ وہ جوان جس کی صورت و سیرت نانا ﷺ کی یاد دلاتی تھی، عرض گزار ہوئے:

"ابا جان! میں آپ سے پہلے مرنا چاہتا ہوں، میں آپ کو مقتل میں تنہا نہیں دیکھ سکتا۔"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بوجھل دل سے کہا:

جاؤ بیٹے! اللہ کے نام پر بڑھو اور اپنے اجداد سے جا ملو۔"

علی اکبر رضی اللہ عنہ اس شان سے لڑے کہ کوفیوں کے لشکر کو چیر کر رکھ دیا، مگر تنہا جاں نثار تین ہزار کے نرغے میں کب تک رہتا؟ آخر کار خاک و خون میں لوٹ گئے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے شہزادے قاسم رضی اللہ عنہ آئے، جن کا حسن کربلا کی گرد میں چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ جب ظالموں نے وار کیا اور ہاتھ کٹ کر گرا تو پکار اٹھے: "یا عمّاہ!" (ہائے چچا!)۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زخمی شیر کی طرح مجمع کو چیرتے ہوئے پہنچے تو دیکھا بھتیجا ایڑیاں

---

[1]-تاریخ الطبری: (5/441) - ذکرِ شہادتِ زہیر بن قین رضی اللہ عنہ۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر): (8/184) - نمازِ خوف کا تذکرہ۔

رگڑ رہا ہے۔ سینے سے لگایا تو قاسم رضی اللہ عنہ کی آخری ہچکیاں چچا کے سینے پر ختم ہوئیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے روکر کہا:

"بیٹے! آج تیرا چچا کتنا بے بس ہے، مگر ایک دن تیرے نانے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عدالت لگے گی۔"[1]

مقتل لاشوں سے بھر گیا۔ عبداللہ بن حسن، ابوبکر بن حسن، علی بن حسین رضی اللہ عنہم، آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سترہ (17) نفوس کے لاشے انبار بن گئے۔ عقیل کی اولاد، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے جری بیٹے عباس بن علی، محمد، عبداللہ، عثمان، ابوبکر رضی اللہ عنہم پانچ بھائیوں کے لاشے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خود اٹھائے۔ آلِ جعفر اور آلِ مسلم رضی اللہ عنہم کے جاں نثار کٹ گئے۔

آخر میں دو سال کا معصوم عبداللہ (علی اصغر) رہ گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آخری ملاقات کے لیے سینے سے لگایا، ابھی چوم کر بٹھایا ہی تھا کہ بنو اسد کے بد بخت کا تیر آیا اور معصوم کی گردن کو پار کر گیا۔ گردن ڈھلک گئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے وہ معصوم خون ہاتھوں میں لے کر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا:

"اے میرے رب! بس تو راضی ہو جائے، تو راضی ہے تو سب سودے قبول ہیں۔"[2]

یہ پیغام ہے دنیا کے تاجروں اور اہلِ ایمان کے لیے کہ اللہ کو پانے کے لیے ہر سودا قبول ہے۔

جگر گوشہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اکیلے رہ گئے، بدن زخموں سے چور تھا مگر ہیبت ایسی تھی کہ کوئی قریب نہ آتا تھا۔ آخر کار شمر نے للکارا، ابو ذرہ تمیمی نے پہلا وار کیا، سنان بن انس نے سینے پر نیزہ مارا۔ آپ رضی اللہ عنہ گرے تو خولہ بن یزید سر کاٹنے بڑھا مگر ڈر کر پیچھے ہٹ

---

[1]- تاریخ الطبری: 447/5، البدایہ والنہایہ: 186/8۔

[2]- حوالہ: (الکامل فی التاریخ: 75/4)

گیا۔ پھر اس امت کے بدبخت ترین انسان نے اس گردن پر خنجر چلایا جس پر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوسے تھے! سر نیزے پر چڑھا دیا گیا، خیموں کو لوٹ لیا گیا۔ سیدہ زینب، فاطمہ بنتِ علی، سکینہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی محبوب زوجہ رباب رضی اللہ عنہن (جن کی جدائی آپ رضی اللہ عنہ کو بے خواب کر دیتی تھی) سب کی بالیاں نوچ لی گئیں۔[1]

ظلم یہاں ختم نہ ہوا۔ ابنِ سعد کے حکم پر دس گھڑسواروں نے امام کے پامال جسم پر گھوڑے دوڑا دیے۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ بہتر (72) سر نیزوں پر ہیں اور سب سے چھوٹا سر معصوم عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ بھائی کا پامال لاشہ زمین پر ہے اور معصوم سر نیزوں پر ہیں، تو انھوں نے وہ بین کیے کہ کوفی لشکر کے جلاد بھی دھاڑیں مار کر رونے لگے:

یَا مُحَمَّدَاہُ! صَلَّی عَلَیْکَ مَلَائِکَۃُ السَّمَاءِ..
هَذَا حُسَیْنٌ بِالْعَرَاءِ.. مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ.. مُقَطَّعُ الْأَعْضَاءِ..
وَبَنَاتُكَ سَبَایَا.. وَذُرِّیَّتُكَ مُقَتَّلَةٌ.. تَسْفِي عَلَیْهِمْ رِیحُ الصَّبَا..
بِأَبِي مَنْ نَفْسِي لَهُ الْفِدَاءُ.. بِأَبِي الْمَهْمُومُ حَتَّی قَضَی..
بِأَبِي الْعَطْشَانُ حَتَّی مَضَی.. بِأَبِي مَنْ شَیْبَتُهُ تَقْطُرُ بِالدِّمَاءِ..

یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر آسمان کے فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں،
(دیکھیے) یہ آپ کا حسین رضی اللہ عنہ ہے جو کھلے میدان میں (بے گور و کفن) پڑا ہے،
خاک و خون میں لت پت ہے اور اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے ہیں!
آپ کی بیٹیاں قیدی بنا لی گئی ہیں، اور آپ کی ذریت (اولاد) قتل کر دی گئی ہے، جن کے لاشوں پر صبا کی ہوائیں خاک اڑا رہی ہیں!

---

[1] تاریخ الطبری: 5/453۔

میرا باپ اس پر قربان جس پر میری جان فدا ہے،

میرا باپ اس پر قربان جو غم و اندوہ کی حالت میں رخصت ہوا،

میرا باپ اس پر قربان جو پیاسا ہی دنیا سے چلا گیا،

میرا باپ اس پر قربان جس کی داڑھیِ مبارک سے اب بھی خون ٹپک رہا ہے!

کربلا کے مقتل سے کوفہ کے دربار تک، "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کی داستانِ وفا نے وہ موڑ لیا جہاں سر کٹ تو گیا مگر حق کی گواہی نیزوں کی نوک پر بھی بلند رہی۔ جب سیدنا حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہ کا وہ سرِ انور، جو کبھی آغوشِ رسالت ﷺ کا گہوارہ تھا، ابنِ زیاد بدبخت کے سامنے پیش کیا گیا، تو تاریخ نے وہ منظر دیکھا جس پر آسمان کے فرشتے بھی خون کے آنسو روئے ہوں گے۔[1]

ابنِ زیاد کا دربار اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی للکار:

اس سنگدل ظالم نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی اٹھائی اور ان لبوں پر مارنا شروع کی جنہیں کائنات کے سردار ﷺ چوما کرتے تھے۔ وہ بار بار چھڑی مارتا اور اپنی بدبختی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: "میں نے ایسا حسن کبھی نہیں دیکھا کہ مرنے کے بعد بھی چہرہ اس طرح مسکرا رہا ہے اور چمک رہا ہے!"

دربار میں موجود جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر گرج دار آواز میں فرمایا:

"او ظالم! یہ چھڑی یہاں سے ہٹا! نہ کر یہ ظلم! میں نے ان ہوٹوں پر اللہ کے نبی ﷺ کے مبارک ہوٹوں کو لگتے دیکھا ہے۔ ان ہونٹوں کو تو صاحبِ جمال ﷺ چوما کرتے

---

[1] -صحیح بخاری: 3748، السنن الکبریٰ للنسائی۔

تھے، تو ان کی بے حرمتی کر رہا ہے؟"

ابنِ زیاد مغلوب ہو کر کہنے لگا: "اگر تو بوڑھا نہ ہوتا تو میں آج تیری گردن اڑا دیتا، لگتا ہے تیری عقل خراب ہو گئی ہے!" سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ایمانی جرات کے ساتھ جواب دیا:

"میری عقل نہیں، بلکہ تیری عقل خراب ہو گئی ہے! آنے والے دن تو خود دیکھ لے گا کہ تیرے ساتھ کیا ہوتا ہے اور تیرا انجام کتنا بھیانک ہوگا۔"[1]

یزید کا دربار اور سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا استغاثہ:

یہی خونچکاں منظر دمشق میں یزید کے دربار میں بھی دہرایا گیا۔ جب سرِ مبارک وہاں پہنچا اور یزید بد بخت نے اپنی چھڑی ان لبوں سے مس کی، تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا۔ وہ پکار اٹھے:

"نہ کر! خدا کے لیے رک جا! میں نے ان ہونٹوں پر نبی کریم ﷺ کے لبوں کو لگتے دیکھا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں رحمتِ عالم ﷺ پیار کیا کرتے تھے۔"

یہ وہ گواہی تھی جس نے یزید کے تخت کو ہلا دیا اور دربار میں موجود ہر آنکھ کو اشکبار کر دیا۔[2]

استغاثۂ ضمیر: اسیریِ جمال یا غلامیِ نفس؟

کاش! یہ امت "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کی داستانوں کو محض تبرکاً نہ پڑھتی، بلکہ ان سے یہ پیغام لیتی کہ حق کی خاطر ذبح ہونا تو گوارا ہے، مگر باطل کی چوکھٹ پر ضمیر بیچنا گوارا نہیں۔ حسین ابن علی رضی اللہ عنہ نے نسلیں کٹوا دیں، بچوں کے گلے پر تیر کھا لیے، مگر ظلم اور

---

[1] -صحیح بخاری: 3748، السنن الکبریٰ للنسائی۔

[2] -جامع ترمذی: 3778، تاریخ الطبری: 5/460۔

جھوٹ کا ساتھ نہیں دیا۔

معاشرے کا المیہ: جب انصاف کی بولی لگ جائے

آج ہمارا معاشرہ ظلم کے اندھیروں میں ڈوب چکا ہے۔ جس دیس میں جج کا قلم بک جائے، جہاں وکیل مافیا بن جائے، جہاں ڈاکٹر مریض کو انسان نہیں بلکہ گاہک سمجھے اور مرتے ہوئے کی کھال اتارے، وہاں خیر کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ افسوس! اس امت کا ہر فرد ظالم بن بیٹھا ہے۔ ہم حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کے نام پر روتے تو ہیں، مگر کھڑے یزید کے ساتھ ہیں۔ ہم آلِ رسول ﷺ کا ذکر تو کرتے ہیں، مگر ہمارے عمل شمر اور ابنِ زیاد جیسے ہیں۔ ان "مگرمچھ کے آنسوؤں" کی اللہ کی بارگاہ میں کیا قیمت ہوگی؟

اے "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کے تذکرے پڑھنے اور سننے والو! آؤ، آج اپنے اللہ کو راضی کرنے کو زندگی کا مقصد بنا لیں۔ ظلم، جھوٹ، رشوت، حرام، زنا اور بدکاری سے نکلو۔ جھوٹی گواہیوں اور ضمیر فروشی کے بازاروں کو آگ لگا دو۔

یاد رکھیے! جس قوم میں انصاف اور دیانتداری ہوگی، اللہ اسے عزت دے گا، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس معاشرے میں ظلم ہوگا، وہ تباہ ہو جائے گا، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ سے ڈرو، مگر اتنا بھی نہ ڈراؤ کہ بندہ اللہ سے ہی دور ہو جائے۔

میرا رب تو وہ ہے جو کہتا ہے: "اے بندے! تو اتنے گناہ کر کہ زمین سے آسمان تک بھر جائیں، پھر صرف ایک بار کہہ دے:

"یا اللہ معاف کر دے"، میں تیرے سارے گناہ معاف کر دوں گا"۔

آؤ! آج سچی توبہ کریں کہ ہمیں حسین ابن علی رضی اللہ عنہ جیسا ضمیر ملے اور ہم درِ مصطفیٰ ﷺ کے سچے اسیر بن جائیں۔

❀❀❀

قارئینِ کرام کے نام:

اختتامی مضامین کی حکمت اور وجہِ تسمیہ

میرے عزیز قارئین! آپ نے اس کتاب کے صفحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے وہ درخشندہ پہلو پڑھے جنھوں نے کائنات کو "جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے نور سے منور کر دیا۔ اب جب کہ ہم اس سفرِ عشق کے اختتام پر پہنچے ہیں، تو آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ "واقعہ کربلا" اور "اعزازِ ربانی (قرآنی اسناد)" کے ان دو مضامین کو کتاب کے بالکل آخر میں کیوں جگہ دی گئی؟

اس کی چند اہم وجوہات ہیں جو آپ کے ایمان کی جلا اور ضمیر کی بیداری کے لیے سنگِ میل ثابت ہوں گی:

1۔ محبت سے اتباع تک کا سفر (واقعہ کربلا)

ہم نے واقعہ کربلا کو اختتام کے قریب اس لیے رکھا تا کہ آپ یہ جان لیں کہ

- اسیریِ جمال صرف جذباتی وابستگی کا نام نہیں، بلکہ یہ تو وہ "کسوٹی" ہے جہاں عشق کو اپنے خون سے سچائی کی گواہی دینی پڑتی ہے۔ کربلا کا واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اگر ہم روتے حسین عالی مقام رضی اللہ عنہ کے لیے ہیں اور ہمارا عمل یزید جیسا ہے، تو ہماری اسیری محض ایک دعویٰ ہے۔

ہم نے اس باب کو یہاں اس لیے رکھا تا کہ آپ کتاب بند کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر یہ فیصلہ کریں کہ آپ کا ضمیر کس کے ساتھ کھڑا ہے؟ کیا آپ مشکل وقت میں بھی "نماز اور سچائی" کا دامن تھامنے والے اسیرِ جمال بن سکتے ہیں؟

2۔حکمتِ ترتیب: آزمائشِ کربلا سے اعزازِ ربانی تک

کربلا کے لہو رنگ تذکرے اور خانوادۂ رسول ﷺ کی مظلومیت کے پُرسوز بیان کے فوراً بعد "اعزازِ ربانی" کے باب کو لانے کی حکیمانہ اور ایمانی وجہ یہ ہے کہ قاری پہلے "اسیریِ جمال" کی ان جاں گداز منزلوں کا مشاہدہ کر لے جہاں عشق اپنی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ پہلے قاری عشاق جمال (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی قربانیاں، مقتل کی تپتی ریت پر وفاؤں کا وہ بے مثال نذرانہ دیکھے جس کی مثال تاریخِ انسانی دینے سے قاصر ہے، تاکہ جب وہ قربانی کی اس معراج کو دیکھ چکے، تو اس کے صلے میں عرشِ الٰہی سے برسنے والے انوار اور ان "قرآنی تمغوں" کی حلاوت کو اپنے روح کی گہرائیوں میں محسوس کر سکے۔

یہ ترتیب اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ قاری پر یہ حقیقت منکشف ہو سکے کہ جن نفوسِ قدسیہ نے جمالِ یار کی خاطر اپنا گھر بار، اپنی نسلیں اور اپنا لہو تک لٹا دیا، ربِ ذوالجلال نے انہیں کن عظیم الشان قرآنی القابات اور ابدی رفعتوں سے سرفراز فرمایا۔ جب قاری ایک طرف اسیران جمال مصطفیٰ ﷺ کی وہ عظیم قربانیاں کبھی اہل وعیال قربان کرنا اور اپنا مال تو کبھی اپنی جان کے نظرانے پیش کرتا اور ایک طرف پیاس سے سوکھے ہوئے گلے اور نیزوں پر چڑھے ہوئے سر دیکھتا ہے، اور دوسری طرف اللہ کا یہ اعلان پڑھتا ہے کہ:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے عشق کے دعوے میں سچے ہیں)

تو اسے ادراک ہوتا ہے کہ یہ مصائب دراصل ان "اسیرانِ وفا" کے لیے خالقِ کائنات کی طرف سے وہ امتحان تھے جن میں سرخرو ہونے کے بعد انہیں تاقیامت ﴿خیر البریه﴾ (مخلوق میں سب سے بہتر) اور ﴿المفلحون﴾ (کامیاب وکامران) جیسی

لازوال قرآنی اسناد سے نوازا گیا۔

یہ باب قاری کو بتاتا ہے کہ میدانِ جہاد اور کربلا کی تپتی ریت پر بہنے والا خون ضائع نہیں ہوا، بلکہ وہ تو اس "رضائے الٰہی" کی قیمت تھی جس کا اعلان قرآن نے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ کہہ کر ہمیشہ کے لیے کر دیا ہے۔

❁❁❁

خاتمۃ الکتاب:

اعزازِ ربانی صاحبِ جمال ﷺ کے اسیروں کی قرآنی سند

کائنات کے "اسیرانِ جمال" کی ان ایمان افروز داستانوں کو سمیٹتے ہوئے، اب ہم اس کتاب کے اس آخری اور فیصلہ کن باب پر پہنچے ہیں جہاں کسی انسان کی زبان نہیں، بلکہ خود ربِ ذوالجلال کا کلام ان عشاق کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہا ہے۔ یہ وہ "قرآنی اسناد" ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ اسیریِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ ہی دراصل مقامِ رتبہ، شان وشوکت اور ابدی نجات کا واحد راستہ ہے۔

1۔ مقامِ رضا: اسیری کا ابدی صلہ:

عشق کی معراج یہ ہے کہ محبوب اپنے محب سے راضی ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ اسیر ہیں جن کی رضا کا اعلان اللہ نے ان الفاظ میں فرمایا:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾[1]

"اللہ ان (اسیرانِ وفا) سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔"

فکری نکتہ: جب یہ نفوسِ قدسیہ "جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کے اسیر ہوئے، تو خالق نے انہیں زمین کی سرداری اور اپنی رضا کا ابدی تمغہ عطا کر دیا۔ یہ پیغام ہے کہ عزت منصب میں نہیں، درِ رسول ﷺ کی غلامی میں ہے۔

2۔ معیارِ ہدایت: اسیری کا عالمی پیمانہ:

اللہ جل جلالہ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کو ہدایت کے لیے انہی اسیروں کے نقشِ قدم کی پیروی کا حکم دیا:

---

[1] ۔(سورہ التوبہ:100)

﴿فَإِنۡ آمَنُوا بِمِثۡلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهۡتَدَوا﴾[1]

"پس اگر وہ لوگ ویسا ہی ایمان لائیں جیسا تم (اے اسیرانِ جمال!) لائے ہو، تبھی وہ ہدایت پائیں گے۔"

تربیتی نکتہ: معلوم ہوا کہ اگر ہم بھی بلندیاں اور رفعتیں چاہتے ہیں، تو ہمیں اپنا ایمان اسی سانچے میں ڈھالنا ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ڈھالا تھا۔ ان کی سچائی ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔

3۔ حسنیٰ کا وعدہ: نجات کی یقینی ضمانت:

اللہ رب العزت نے ان تمام اسیروں کے لیے "حسنیٰ" (جنت اور ابدی بھلائی) کا وعدہ فرما کر انہیں جہنم سے دوری کی سند عطا کر دی:

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الۡحُسۡنَىٰ﴾[2]

"اور (ان اسیروں میں سے) ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرما لیا ہے۔"

حضرت مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس "حسنیٰ" سے مراد بالاتفاق "جنت" ہے۔ اللہ نے "كُلًّا" کہہ کر پوری جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنت کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ اس میں وہ بھی شامل ہیں جنھوں نے آغازِ اسلام میں دکھ جھیلے اور وہ بھی جنھوں نے فتحِ مکہ کے دن "اسیریِ جمال" کو گلے لگایا۔

اور یہ "حسنیٰ" ان کے لیے ہے جن کے لیے اللہ نے پہلے ہی لکھ دیا کہ وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ یہ مقام صرف اسی کو ملتا ہے جو صدقِ دل سے "غلامیِ مصطفیٰ ﷺ" کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے جیسا کہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے صدقِ دل سے "غلامیِ

[1]-(سورہ البقرہ:137)

[2]-(سورہ الحدید:10)

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔

4۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: حقانیت اور وفاداری کی اسناد

* أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم) پرہیزگار ہیں۔
* أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم) کامیابی پانے والے ہیں۔
* أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم) فلاح پانے والے ہیں۔
* أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم) سچے ہیں۔ [1]

5۔کمالِ ایمان اور مقامِ ہدایت:

* أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم) ہدایت یافتہ ہیں۔
* أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم) سچے مومن ہیں۔
* أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ: وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔
* أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم) ہدایت پانے والے ہیں۔ [2]

6۔بارگاہِ الٰہی سے خاص عنایات:

* أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ: وہی (صحابہ رضی اللہ عنہم جنت کے) وارث ہیں۔
* أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ: وہ تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔
* أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ: ان پر ان کے رب کی طرف سے عنایات اور رحمتیں ہیں۔

---

[1] -پہلی آیت: (سورہ البقرہ: 177) 2:(سورہ التوبہ: 20)۔ 3: (سورہ البقرہ: 5)۔4:(سورہ الحشر:8)

[2] -1: (سورہ الحجرات: 7)۔2: (سورہ الانفال: 74)۔3:(سورہ البقرہ: 5)۔4: (سورہ البقرہ:157)

* أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ: (صحابہ رضی اللہ عنہم) وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے آزما (کر چن) لیا ہے۔

* أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ: اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے۔[1]

---

[1] 1-(سورہ المؤمنون: 10)۔2: (سورہ البینہ: 7)۔3: (سورہ البقرہ: 157)۔4:(سورہ الحجرات:3)۔5:(سورہ المجادلہ:22)۔

آخری پیغام:

رفعتِ دوعالم یاذلتِ ابدی؟؟

"کائنات کے "اسیرانِ جمال" کی ان ایمان افروز داستانوں کو سمیٹتے ہوئے، آج ہم اس مقامِ فیصل پر کھڑے ہیں جہاں تاریخ کا دھارا ہم سے سوال کر رہا ہے۔ اس کتاب کا نچوڑ، اس کا جوہر اور اس کی پکار صرف ایک ہی ہے کہ:

"عزت کی قبا ہو یا بقا کا تاج، وہ صرف اور صرف "جمالِ مصطفیٰ ﷺ" کی سچی اسیری کے مرہونِ منت ہے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اپنی اناؤں کو "صدقِ مقال" کے سانچے میں ڈھالا اور اپنے وجود کو "خاکِ درِ رسول ﷺ" میں فنا کیا، تو تقدیر نے خود ان کے قدموں کا بوسہ لیا۔ وہ جو کل تک ریگزاروں میں اونٹ چراتے تھے، جب "اسیرِ جمال" بنے تو قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا۔ وہ جو فاقوں میں پلتے تھے، جب "غلامِ مصطفیٰ ﷺ" بنے تو کائنات کے مقدر کے قاسم بن گئے۔ یہ بلندیاں کسی مال و منال کا کرشمہ نہ تھیں، بلکہ یہ اس "فدائیت" کا صدقہ تھا جس نے مٹی کے پتلوں کو آسمانِ ہدایت کے درخشندہ ستارے بنا دیا۔

اے امتِ مسلمہ کے وارثو!

یاد رکھیے! اگر آج ہم بھی انہی قدسی نفوس کی طرح سچائی، اخلاص اور بے لوث وارفتگی کے ساتھ اس "مقدس غلامی" کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں، تو خدا کی قسم! وہی رفتہ رفعتیں اور وہی کھوئی ہوئی عزتیں آج بھی ہمارا مقدر بن سکتی ہیں۔ آسمان آج بھی وہی ہے، زمین آج بھی وہی ہے، اور ربِ ذوالجلال کا وعدہ آج بھی اٹل ہے۔

لیکن... اگر ہم نے اس "اسیری" سے پیٹھ موڑ لی، اگر ہم نے اغیار کے جھوٹے سہاروں میں اپنی بقا تلاش کی اور "درِ مصطفیٰ ﷺ" کی چوکھٹ کو چھوڑ دیا، تو پھر کائنات کی

کوئی طاقت ہمیں رسوائی، پستی اور ذلت کے عمیق گڑھوں سے نہیں نکال سکے گی۔ دنیا کے مادی وسائل ہمیں عارضی سہارا تو دے سکتے ہیں، مگر وہ وقار اور وہ رعبِ ایمانی نہیں دے سکتے جو "صاحبِ جمال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے نقشِ قدم کی خاک چھاننے سے ملتا ہے۔

آیئے! آج اپنی زندگیوں کا رخ متعین کریں۔ آؤ کہ ہم بھی ان "اسیرانِ وفا" کے قافلے میں شامل ہو جائیں، تا کہ جب کل حشر کے میدان میں نفسا نفسی کا عالم ہو، تو ہم بھی انہی کے جھنڈے تلے کھڑے ہوں جن سے ان کا رب راضی ہو چکا اور جو اپنے رب سے راضی ہو گئے۔

"اسیریِ جمال ہی اصل آزادی ہے، اور یہی ابدی نجات کا واحد راستہ ہے!"

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

اسیرِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مفتی صابر محمود عفی اللہ عنہ

تعارفِ مؤلف

(ایک طالبِ علمِ دین کی سرگزشت)

میرا سفرِ حیات علم کی جستجو اور خدمتِ دین کی تمناؤں سے عبارت ہے۔ نام صابر محمود ہے، اور جنم بھومی گلگت بلتستان کا وہ خطہ ہے جہاں کی فضاؤں میں پاکیزگی اور پہاڑوں میں استقامت ہے۔

1985ء میں جمعیت علماء اسلام گلگت کے مخلص رہنماء، انجمن تاجران کے جی بی کے صدر محترم جناب حاجی جمعہ خان زرگر صاحب دامت برکاتہ کے آنگن میں زندگی کی پہلی سانس لی۔

تعلیمی نشوونما:

ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر گلگت میں مکمل کرنے کے بعد، علم کی پیاس مجھے عروس البلاد کراچی کھینچ لائی۔ یہاں 2002ء میں ملک کے عظیم دینی وعلمی مرکز جامعہ فاروقیہ کراچی میں داخلہ لیا۔ یہ وہ گلستاں تھا جہاں شیخ الکل شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر کی سرپرستی میسر آئی۔ 2010ء میں یہاں سے علومِ اسلامیہ (تفسیر، حدیث اور فقہ) میں امتیازی نمبرات کے ساتھ سندِ فراغت حاصل کی۔

علمی پیاس اور اساتذہِ کرام

میرا علمی خمیر ان عظیم ہستیوں کی صحبت میں تیار ہوا جن کے نام نامی برِصغیر کے علمی افق پر سورج بن کر چمک رہے ہیں۔ بندہ نے شیخ الحدیث علامہ سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے "صحیح بخاری" سمیت صحاحِ ستہ کی کتب پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

علاوہ ازیں، جن دیگر جلیل القدر مشائخ کے خوانِ علم سے خوشہ چینی کا موقع ملا۔

جن جلیل القدر مشایخ کے خوانِ علم سے خوشہ چینی کا موقع ملا، ان میں مولانا محمد انور صاحب، شہیدِ اسلام مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبید اللہ خالد صاحب، مولانا محمد یوسف افشانی صاحب، مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب، مولانا نور البشر صاحب، مولانا ابن الحسن عباسی صاحب، مولانا محمد عظیم صاحب، مولانا اسد اللہ صاحب، مولانا ادریس سومرو صاحب (حفظھم اللہ) شامل ہیں۔

اجازتِ حدیث:

تدریس و تالیف کی اس راہ میں مجھے دنیائے اسلام کی عظیم علمی شخصیات سے سند و اجازتِ حدیث کا شرف بھی حاصل ہے، جن میں: شیخ الکل شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، اور دیگر تمام اساتذ کرام ہیں جن سے شرف تلمذ کے ساتھ ساتھ اجازت حدیث بھی ملی اور ان حضرت اساتذہ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (حفظہ اللہ) حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) شامل ہیں، جن کی دعائیں اور اجازت میرے لیے زادِ راہ ہیں۔

تدریسی و علمی خدمات:

فراغت کے فوراً بعد ترویجِ دین کے جذبے کے تحت ایک سال تبلیغی جماعت میں گزارا، جس نے علم کو عمل اور دعوت کے سانچے میں ڈھالنے کا سلیقہ سکھایا۔ تدریس کا آغاز اپنے شفیق استاد، شیخ القرآن حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب کی زیرِ نگرانی جامعہ صدیقیہ سے کیا۔ بعد ازاں، جامعہ انوار العلوم (ملیر، کراچی) میں بطور استاذ الحدیث اور رفیق دارالافتاء ذمہ داریاں سنبھالیں، جو تا حال جاری ہیں۔ اس دوران اس طالب علم زیر درس درجہ ذیل کتب رہی:

- شرح معانی الاثار
- مسند امام اعظم
- مؤطا امام مالک

- موطا امام محمد
- ہدایہ ثانی ورابع
- حسامی
- نورالانوار
- قدوری
- سراجی
- مختارات
- حماسہ
- کنزالدقائق
- زادالطالبین و معلم الانشاء وغیرہ جیسی عظیم کتب پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ساتھ ہی جامع مسجد قباء (غازی ٹاؤن، کراچی) میں امامت و خطابت کے ذریعے عوام الناس کی اصلاحی وابستگی کا موقع بھی میسر ہے۔

قرطاس وقلم سے رشتہ:

تحریر و تصنیف میرے نزدیک محض فن نہیں بلکہ ابلاغِ دین کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ میری کوشش رہی کہ درسِ نظامی کی پیچیدہ کتب کو سادہ، مدلل اور عام فہم اردو میں پیش کروں تاکہ طلبہ و اساتذہ کے لیے علمی گتھیاں سلجھانا آسان ہو۔ میری کچھ علمی کاوشیں درج ذیل ہیں:

تصانیف:

آپ کی کتب کو علمی حلقوں میں اعتماد کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی مشہور تصنیفات درجہ ذیل ہیں

- درس مسند امام اعظم شرح مسند امام اعظم
- آسان اصطلاحات حدیث شرح تیسیر مصطلح الحدیث
- تجلیات شرح مختارات
- تبیین الآثار شرح کتاب الآثار
- تذکرہ شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- آداب سفر

- شعبان معظم
- متاعِ جاں: وقت کی قدر اور اسلاف کا ذوق
- تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات
- قربانی کے فضائل ومسائل
- آداب زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- زینت بن حوّا
- نماز بنوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلدستہ
- خطبات جمعہ
- فیضُ الانوار شرح نورُالانوار
- تیسیر الحماسہ
- غیر معتبر روایات کے انتشار کے اسباب اور اس کی سد باب کی ہیں۔
- جدید مسائل کا انسائیکلو پیڈیا
- اسیران جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

زیرِ نظر تالیف "اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار نفوس کا تذکرہ شامل کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس حقیر سی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے میرے اور میرے والدین کے لیے توشہِ آخرت بنائے۔ آمین۔

صابر محمود

ایک معصوم سوال ۔۔۔۔۔ ایک لازوال سفر!

رمضان المبارک کی وہ سحر انگیز گھڑی، فجر کی ٹھنڈی ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکروں سے مہکتا ہوا گھر کا آنگن ۔۔۔ جب سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان کے دوران ایک آٹھ سالہ معصوم بچے نے اپنی معصومیت سے لبریز سوال میرے سامنے رکھا: "بابا! یہ صحابہ ہمارے کیا لگتے ہیں؟ یہ کون تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ان کا رشتہ کیا تھا؟"

بچے کے اس ایک سوال نے میرے قلم کو تڑپا دیا اور روح کو اسیرِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ بنا دیا۔ یہ کتاب اسی معصومانہ تجسس کا وہ جواب ہے جو عشقِ رسول ﷺ میں گندھے ہوئے ان نفوسِ قدسیہ کی داستان سناتا ہے، جنہوں نے مصطفیٰ ﷺ کے رخِ زیبا کو دیکھا تو پھر کائنات کی ہر شے سے نظریں پھیر لیں۔

"اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ" محض ایک کتاب نہیں، بلکہ ان عشاق کا تذکرہ ہے جو نسبتِ رسول ﷺ کے وہ تارے ہیں جن سے آج بھی ایمان کے راستے روشن ہیں۔ یہ داستان ہے اُن جاں نثاروں کی، جن کے نزدیک رشتے خون کے نہیں، بلکہ "وفائے محمد ﷺ" کے تھے۔

آیئے! اپنے بچوں کو بتائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے ایمان کی بنیاد ہیں، ہماری محبتوں کا محور ہیں اور وہ ہستیاں ہیں جن کے قدموں کی دھول ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔

ابو احمد صابر محمود